روزانہ درسِ قرآن

تفسیر

سورۃ الواقعۃ ———— (مکمل)
سورۃ الحدید ———— (مکمل)
سورۃ المجادلۃ ———— (مکمل)
سورۃ الحشر ———— (مکمل)
سورۃ الممتحنۃ ———— (مکمل)
سورۃ الصّف ———— (مکمل)
سورۃ الجمعۃ ———— (مکمل)
سورۃ المنٰفقون ———— (مکمل)
سورۃ التّغابن ———— (مکمل)
سورۃ الطّلاق ———— (مکمل)
سورۃ التّحریم ———— (مکمل)

جلد ۱۸

افادات
حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی دام مجدہم
خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ، پاکستان

طبع گیارہ

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب .... معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ واقعہ تا سورہ تحریم) جلد ۱۸

افادات .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب .... الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور

تعداد طباعت .... پانچ سو (۵۰۰)

سرورق .... سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی مدظلہ

کتابت .... محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ

ناشر .... مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت .... ۱۸۰/- (ایک سو اسی روپے)

تاریخ طبع گیارہ .... ربیع الاول ۱۴۲۹ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۸ء

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ
(۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور
(۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
(۴) مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اردو بازار، لاہور
(۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
(۶) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ
(۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ
(۸) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ
(۹) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
(۱۰) مکتبۃ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۸

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ الْاَنْبِيَاۤءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ ۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِى الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ ع
تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۰ھ بمطابق اگست ۱۹۸۰ء میں شروع ہونے والا سلسلہ معالم العرفان فی دروس القرآن پندرہ سال اور پانچ ماہ میں رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ بمطابق جنوری ۱۹۹۶ء میں اللہ رب العزت کے خصوصی فضل و کرم کے ساتھ بیس جلدوں میں اختتام پذیر ہوا ہے

۱۹۵۲ء میں جب مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور کی بنیاد رکھی گئی۔ تو ابتدا سے ہی حضرت والدِ محترم مدظلہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہفتہ میں چار دن قرآنِ کریم کا درس اور دو دن (بدھ اور جمعرات) کو فجر کی نماز کے بعد حدیث شریف کے عوامی درس کا آغاز فرمایا۔ قرآن کریم کا درس بحمد اللہ چھ مرتبہ مکمل ہوا، اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث کی کتب صحاح ستہ مکمل، الترغیب و الترہیب، موطا امام مالکؒ، مشارق الانوار اور مسند احمدؒ کے کچھ حصے کا درس بھی ایک مرتبہ مکمل ہو چکا ہے۔ چونکہ قرآن کریم اور حدیث شریف کا یہ درس انتہائی علمی تحقیقی اور دلنشیں ہوتا تھا کہ بعض علم دوست احباب کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ اتنا علمی اور قیمتی درس ہے اُسے کیوں نہ کیسٹوں میں محفوظ کر لیا جائے، اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے محترم دوست جناب بلال احمد ناگی صاحب نے انتہائی محنت، لگن اور جانفشانی سے تمام قرآنِ کریم کے دروس کیسٹوں میں محفوظ کیے۔ جو کہ (۵۷۴) کیسٹوں میں مکمل ہیں۔ پھر کیسٹوں سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے

کا نہایت دشوار گذار کام مع مناسب عنوانات کے محترم بزرگ جناب الحاج لعل دین صاحب ایم اے علومِ اسلامیہ نے سرانجام دیا، اس کے بعد اس کی طباعت و اشاعت کا بارِ عظیم انجمن محبانِ اشاعتِ قرآن کے علم دوست اور مخیر ممبران نے برداشت کیا اور اس کا آغاز ۱۹۸۱ء میں سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کو ایک جلد میں شائع کرنے کے ساتھ ہوا جو بتدریج اب بیس جلدوں میں اختتام کو پہنچا ہے، اس تفسیر معالم العرفان کو اللہ رب العزت نے اپنی خصوصی عنایات سے بڑی مقبولیت و شرف سے نوازا ہے۔ یہ تفسیر اپنی تکمیل سے قبل ہی اہلِ علم علماء، طلباء اور عوام الناس کے ہر طبقے میں یکساں مقبول ہو چکی ہے کیونکہ جہاں اسمیں معمولی اردو خواں حضرات کے لیے نہایت سہل انداز میں قرآنِ کریم کی تفسیر درج ہے، وہاں اہلِ علم حضرات کے لیے بھی بڑے بڑے دقیق علمی و تحقیقی نکات کو نہایت شگفتہ و شگفتہ طریق پر نقل کیا گیا ہے۔ جس کی بناء پر اہلِ علم خطباء و علماء جن کا درس و تدریس کا شغل ہے، انہوں نے بذریعہ خطوط اور بالمشافہ اس بات کا کھلے بندوں اقرار کیا ہے کہ پہلے ہم درس و تدریس کے لیے بیشتر تفاسیر کا مطالعہ کیا کرتے تھے لیکن جب سے یہ معالم العرفان معرضِ وجود میں آئی ہے، اس نے ہمیں سہولت کیساتھ ساتھ دوسری تفاسیر کے مطالعے سے بے نیاز کر دیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مقبولیت کی واضح نشانی ہے وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ قرآنِ کریم چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو نور و حکمت کا غیر متناہی خزانہ ہے۔ فلاحِ دارین اور انسانیت کے اصلی تقاضوں کو پورا کرنے کا کامل ترین پروگرام ہے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ اور احادیثِ صحیحہ، خلفائے راشدین رضہ، صحابہ کرامؓ، اہلِ بیت عظامؓ، ائمہ دینؒ اور سلف صالحینؒ کے طریق اور ذوق کے مطابق آسان، رواں دواں، ہلکی پھلکی سادہ اور عام فہم زبان میں قرآن کریم کے لازوال قوانین کی تشریح ہمنبع الحکمۃ، صحیح احادیث اور ثابت شدہ آثارِ صحابہؓ اور ائمہ متبوعینؒ کے معتبر استنباطات اور سلفِ صالحینؒ کے اعتقادِ حق اور ذوقِ حسن کو ملحوظ رکھتے ہوئے نجات و سعادت اور تقرب الٰہی کے سب سے بڑے اور عظیم پروگرام کی تفصیل بالخصوص امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور علمائے حق علمائے دیوبند کے مسلک و مشرب کے مطابق قرآنِ کریم کے متعلق صحیح

اور وافر معلومات، انسانی بلندی اور ترقی کے جو اصول و ضوابط پروردگارِ عالم نے اس صحیفۂ مقدسہ میں نازل فرمائے ہیں۔ اذہانِ انسانی کو ان کے قریب کرنے اور معاشرہ انسانی کی ذہنی فکری اور عملی گمراہیوں کا پردہ چاک کرنے اور اہل ایمان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور قرآن کے حقیقی، انقلابی پروگرام کو اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرنے والے نکات اور درس اور مرشدانِ برحق کی تلقین و تربیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجتماعی بدعتوں اور تنزل کے جملہ اسباب، انفرادیت اور فرقہ پرستی کی لعنتوں کا پوری طرح محاسبہ اور اقوامِ عالم کا اس کتابِ الٰہی کے ساتھ ظلم و ستم روا رکھنا اس کی پوری پوری نشاندہی آپ کو اس تفسیر میں ملے گی، سیاسی مفاد پرستی، آمرانہ اور مستبدانہ تشدد اور انسان کے شہوانی میلان کے فتنے اور سرمایہ دارانہ لعنت، الحاد و اشتراکیت کے کافرانہ نظاموں کے تباہ کن سیلابوں اور تمام باطل نظاموں کا رد اور ان کا علاج آپ کو اس تفسیر میں نظر آئے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے کلامِ پاک کے تقدس کو پوری طرح برقرار رکھا گیا ہے اور ہر قسم کی تحریف اور معنوی تغیر سے اجتناب کیا گیا ہے، قرآن پاک کو جاننے کے لیے بہت سا ضروری مواد، نہایت مفید معلومات کے ساتھ قاری کے لیے کسی قسم کے ذہنی خلجان اور فکری الجھن میں مبتلا ہونے کا باعث نہیں بنتا۔ بلکہ مسرت و بہجت اور قلبی سکون میں اضافے کا باعث ہوتا ہے

یہ جلد اپنے اوراق میں گیارہ سورتوں کی تفصیل و تشریح، نہایت دلکش اور جاذبِ نظر پیرایہ میں سموئے ہوئے ہے۔ جس کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے۔

(۱) سورۃ الواقعہ

واقعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس سورۃ میں چار بنیادی اصول (۱) توحید (۲) رسالت (۳) وقوعِ قیامت، اور جزائے عمل (۴) قرآنِ کریم کی عظمت و صداقت کا بیان ہے اس کے علاوہ اہلِ جنت کو ملنے والے بعض انعامات اور مجرموں کو ملنے والی بعض سزاؤں کا بھی تذکرہ ہے۔ اور ان کے ضمن میں بہت سے مسائل و احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔

(۲) سورۃ الحدید

حدید لوہے کو کہا جاتا ہے اس میں لوہے کا استعمال، اس کے منافع قدیم زمانے سے لے کر تیرھویں، چودھویں صدی ہجری میں

تو اس کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے۔ اس سورۃ میں دین کے بنیادی عقائد توحید اور اس کے دلائل، وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کے ذکر کے ساتھ رسالت کے سلسلہ میں نوحؑ اور ابراہیمؑ کا خاص طور پر ذکر ہے اس میں بعض احکام مثلاً جہاد اس کی فضیلت اس کے لیے مال کا خرچ کرنا اور جان کی قربانی دینا اور انفاق فی سبیل اللہ کی حکمت و اہمیت کا بیان ہے، قرضِ حسنہ کی اہمیت، منافقین کا انجام، دل کی نرمی و سختی، شہداء کے مراتب اور دنیاوی زندگی کی بے ثباتی کا بھی تذکرہ ہے

(۳) سورۃ المجادلۃ

مجادلہ کا معنی جھگڑا کرنا ہے۔ اس سورۃ میں توحید، انفاق فی سبیل اللہ اور مسئلہ ظہار اور اس کے احکام کا خاص طور پہ ذکر ہے۔ آدابِ مجلس، آپس میں سرگوشی کا قانون، نااہل لوگوں سے عدم مشاورت، اور اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھنے والوں سے دوستی رکھنے کی ممانعت کا بیان ہے اطاعتِ خدا اور رسول کا حکم، حزب الشیطٰن کا ذکر اور اہلِ جنت کے انعامات کا بیان ہے

(۴) سورۃ الحشر

حشر کا معنی اکٹھا کرنا ہے اس سورۃ میں مؤمنین کے غلبے اور منافقین کی ریشہ دوانیوں کا ذکر ہے، یہودیوں کی دنیوی اور اخروی سزا کا ذکر، مالِ فے کے تفصیلی احکام، مہاجرین و انصارِ مدینہ کی فضیلت اور توحیدِ خداوندی اور اس کی صفات کا تذکرہ بطورِ خاص مذکور ہے۔

(۵) سورۃ الممتحنۃ

ممتحنہ امتحان کے مادے سے ہے اس سورۃ میں عورتوں کی بیعت کا تذکرہ بیعت کی قسمیں طریقہ اور شرائط صحیح پیر کے اوصاف کے بیان کے ساتھ کفار سے عدم دوستی اور ان کی حرکات اور منافقین کی چالبازیوں سے ہوشیار رہنے کا حکم ہے حضرت ابراہیمؑ کا خصوصی ذکر اور ان کے اسوہ کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔ حضورؐ کے اسوہ پر عمل پیرا ہونے کا بھی بیان ہے

(۶) سورۃ الصّف

صف قطار کو کہتے ہیں اس سورۃ میں توحیدِ خدا اور اسلام کی مخالفت کرنے والے اللہ اور رسول کے دشمن اور دینِ حق کو مٹانے والوں کے ساتھ جہاد کا حکم ہے اور فتنہ کو ختم کرنے کے لیے جانبازی اور سرفروشی

کا حکم ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے ستانے کا تذکرہ ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونا اور نبی آخر الزماںؐ کی بشارت دینا ، خدا پر افترا باندھنے کی ممانعت اور عذاب سے بچانے والی تجارت اور فتح قریب اور اللہ کے مددگار بننے کا تذکرہ ہے ۔

(۷) سورۃ الجمعۃ جمعہ کا معنیٰ اکٹھا ہونا ہے اس سورۃ میں توحید خداوندی اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر اور آپ کا امیوں میں پیدا ہونا اور اہلِ علم کے فرائض اور علم پر عمل کرنے کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے ۔ موت سے فرار ممکن نہیں ، عالم الغیب والشہادۃ ذاتِ خداوندی ہے ۔ جمعہ کی فضیلت اس کے احکام و مسائل نماز جمعہ کے بعد تجارت کی اجازت اور ذکرِ الٰہی کا خاص ذکر ہے ۔

(۸) سورۃ المنٰفقون منافق کا معنیٰ ہے جو بظاہر اسلام کو ماننے اور دل سے نہ ماننے اس سورۃ میں منافقین کی مذمت ہے اور ان کی سازشوں ، قباحتوں اور بداعمالیوں کا تذکرہ ہے ۔ حضور علیہ السلام کو منافقین کی سازشوں سے آگاہ کیا گیا ہے ۔ عزت اللہ رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے مال و اولاد کا اللہ کے ذکر سے غافل کر دینا موت سے قبل انفاق کی ترغیب کا بطور خاص ذکر ہے ۔

(۹) سورۃ التغابن تغابن کا معنیٰ نقصان ہے ۔ اس سورۃ میں قیامت کو یوم التغابن یعنی ہار جیت کے دن سے تعبیر کیا گیا ہے اور مال و اولاد کے فتنے کا ذکر ، نیکی کے بلند ترین اصول ، کفر کی شدید مذمت ، رسالت کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا ذکر اور مشرکین کی جہالت اور بیوقوفی کا پردہ چاک کیا گیا ہے ۔ مسئلہ توحید اور رسالت کا بیان اور اس میں شک و شبہ کرنے والے مشرکین کا رد کیا گیا ہے ۔ اہلِ جنت کے انعامات اور دوزخیوں کی سزا کا ذکر ہے ۔

(۱۰) سورۃ الطلاق طلاق کا معنیٰ علیحدہ ہونا ہے اس سورۃ میں مسئلہ طلاق اور عدۃ اس کے احکام و مسائل کا بڑی بسط کے ساتھ ذکر ہے اللہ و رسول کی نافرمانی کرنے والی بستیوں کے مکینوں پر عذاب کا تذکرہ اور ان کے

بُرے انجام کا بیان ہے اور اہل ایمان کے انعامات کا ذکر ہے ، نیز توحید و رسالت کا بیان ہے ۔ زمینوں کا سات ہونا جیسا آسمان سات ہیں ۔ اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے

(۱۱) سورۃ التحریم

تحریم کا معنیٰ حرام کرنا ہے ۔ اس سورۃ میں حضور علیہ السلام کو مخاطب فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دینے کی ممانعت فرمائی ہے ۔ مسئلہ قسم اور اس کے احکام کا ذکر ہے ۔ ایمان والوں کو اپنے نفس اور اپنے اہل کو دوزخ سے بچانے کی تلقین ہے ۔ کفار و منافقین سے جہاد کا حکم ہے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کا تذکرہ ، فرعون کی بیوی آسیہؓ کا ذکر اور حضرت مریمؑ کا ذکر بھی ہے ۔

اظہارِ تشکر

آخر میں اللہ رب العزت کا بیحد شکر ادا کیا جاتا ہے کہ جس نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس نیک اور مفید سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے اور اس کارِ عظیم میں حصہ لینے والے جملہ احباب ارکین اور ممبران جنہوں نے واشے ، درمے ، قدمے سخنے ، اس کی اشاعت ، طباعت ، کتابت ، ترتیب پروف ریڈنگ وغیرہ امور میں حصہ لیا ہے ، اللہ تعالیٰ اُن کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور اُن کے لیے اُخروی نجات کا ذریعہ بنائے ۔ صاحب دروس حضرت والد محترم مدظلہ کو اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی نصیب فرمائے تاکہ اُن کے علوم و فیوض اور برکات سے ہم تادیر بہرہ ور اور مستفید ہوتے رہیں ۔ آمین یا اِلٰہ العالمین ۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

احقر **محمد فیاض خان سواتی**
مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

۶ شعبان ۱۴۱۶ھ بمطابق ۲۹ ردسمبر ۱۹۹۵ء

سخنہائے گفتنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

سلسلہ "معالم العرفان فی دروس القرآن" کی اٹھارھویں جلد پیش کرتے وقت ہمارا سر بارگاہِ خداوندی میں بصد عجز و نیاز خم ہے جس نے نوع انسانی کی فلاح و بہبود اور ترقی و کامیابی کے لیے نازل کی جانے والی اپنی آخری کتاب قرآنِ حکیم کی تشریح و توضیح کے لیے ایک ادنیٰ پُرزے کے طور پر کام کرنے کی توفیق بخشی، اور ہمیں خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ (حدیث نبوی) کا مصداق بنا دیا۔

یہ اٹھارھویں جلد سورہ الواقعہ سے لے کر سورۃ التحریم تک کی تفسیر پر محیط ہے اللہ جل جلالہٗ اپنے دین کی خدمت کے لیے جس فرد یا جماعت سے جس قدر کام لینا چاہتا ہے اُس کے لیے اسباب بھی خود ہی مہیا فرما دیتا ہے، وگرنہ اس عاجز انسان کی بساط ہی کیا ہے کہ وہ اس عظیم کام کا آغاز کر سکے۔ گذشتہ چودہ صدیوں سے ہر زمان و مکان میں اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد اور جماعتیں پیدا کی ہیں جو اُس کے آخری پیغام کو لوگوں کے اذہان کے قریب تر کرنے کے لیے اپنا اپنا حصہ ادا کرتے رہے ہیں، اور یہ سلسلہ انشاء اللہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔ قرآن پاک سے دلچسپی رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ پورے قرآنِ پاک کی تفسیر لکھنے میں کتنی بزرگ ہستیاں مکمل طور پر کامیاب ہو چکی ہیں، اور اللہ کے کتنے ہی نیک بندے ایسے بھی ہیں جو اپنی زندگی بھر

کی محنت شاقہ کے باوجود حسبِ خواہش کام کی تکمیل نہ کر سکے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ بلاشبہ یہ ایک ازلی اور ابدی حقیقت ہے کہ

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

"معالم العرفان فی دروس القرآن" کا یہ سلسلہ جن حالات میں شروع کیا گیا اور جن جن حالات سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے اُن کا ذکر ہم مختلف جلدوں کے پیش لفظ میں کرتے رہے ہیں۔ اس کارِ خیر کی اشاعت کا کام شروع کرتے وقت یاس و اُمید کے عالم میں ربّ العزت کے سامنے دُعا کی تھی کہ پروردگار! تیرے اِن ناچیز بندوں نے اپنی بساط کے مطابق کام کا آغاز کر دیا ہے۔ ہماری اس کاوش کو قبول فرما کر اسے اسلامیانِ عالم کے لیے ذریعہ ہدایت بنا دے۔ پھر جوں جوں کام آگے بڑھتا گیا، اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوتی گئی۔ قارئین نے توقع سے بڑھ کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایک کے بعد دوسری جلد کا شدت سے انتظار کرتے رہے، قرآن پاک سے عقیدت و محبت رکھنے والے اہلِ ایمان نے دامے، درمے، سخنے اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس طرح تقریباً ساڑھے پندرہ سال کے قلیل عرصہ میں ہمارے خواب کی تعبیر ظاہر ہو گئی اور آج بیس جلدوں اور تقریباً ۱۲۰۰۰ ہزار صفحات پر مشتمل اپنی نوعیت کی یہ واحد تفسیر قرآنِ پاک تشنگانِ علوم قرآن کو سیراب کر رہی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

زیرِ نظر تفسیر قرآنِ پاک مسمی بہ "معالم العرفان فی دروس القرآن" کی اشاعت کی سعادت انجمن محبانِ اشاعتِ قرآن کے حصہ میں آئی ہے۔ اس دوران میں اس انجمن نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر مسند احمد کی منتخب احادیث کی تشریح بھی چار جلدوں میں شائع کر دی ہے۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ العالی کی مرتب کردہ آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل "نمازِ مسنون کلاں" کی اشاعت کا شرف بھی اسی انجمن کو حاصل ہوا ہے۔ صوفی صاحب کے خطباتِ جمعہ کی اشاعت کا آغاز بھی ہو چکا ہے اور ۱۹۸۲ء کے خطبات دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں اور آگے کام ہو رہا ہے۔ دریں اثنا "شمائل ترمذی" کے ترجمہ اور تشریح کی اشاعت کے لیے بھی کام شروع ہو چکا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب بھی جلد ہی قارئین کے مطالعہ میں آ جائے گی۔

"دروس القرآن" کی یہ   جلد ستائیسویں اور اٹھائیسویں پارہ کی گیارہ سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلی سورۃ الواقعہ کا تعلق مکی دور کے ساتھ ہے جبکہ باقی دس سورتیں مدنی دور میں نازل ہوئیں۔ اِن سورتوں کے مضامین بھی اللہ تعالیٰ نے زمان و مکان کی ضروریات کے مطابق نازل فرمائے ہیں۔

آخر میں قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جملہ کارکنانِ تفسیر کے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرما کر اُن کے لیے نجات کا ذریعہ بنائے اور جملہ اہلِ ایمان کو اس سے استفادہ حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔

احقر العباد

الحاج لعل دین۔ ایم اے (علومِ اسلامیہ)

شالامار ٹاؤن۔ لاہور

سورۃ

الواقعۃ

(مکّی)

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ واقعہ مکی ہے اور یہ چھیانوے آیتیں ہیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾
خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾
وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾
وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ
مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ
مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾
اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۱۲﴾
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ:- جب واقع ہو جائے گی واقع ہونیوالی ﴿۱﴾
نہیں ہے اُس کے وقوع کی بات جھوٹی ﴿۲﴾ وہ پست
کرنے والی اور بلند کرنے والی ہے ﴿۳﴾ جب کہ
ہلا دی جائیگی زمین ہلایا جانا ﴿۴﴾ اور ریزہ ریزہ کر دیئے
جائیں گے پہاڑ ﴿۵﴾ پس ہو جائیں گے وہ غبار اُڑایا

ہوا ⑥ اور تم ہو جاؤ گے تین قسم پر ⑦ پس دائیں طرف والے، کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے ⑧ اور بائیں طرف والے، کیا ہی بُرے ہیں بائیں طرف والے ⑨ اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں ⑩ یہی لوگ مقرب ہیں ⑪ وہ نعمتوں کے باغوں میں ہوں گے ⑫ گروہِ کثیر ہے پہلوں میں سے ⑬ اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے ⑭

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الواقعہ ہے جو کہ اس کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ قیامت کے مختلف ناموں میں سے ایک نام واقعہ بھی ہے۔ اس کو الطامۃ الکبریٰ اور القارعہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں سورۃ طٰہٰ کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی چھیانوے آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۳۷۸ الفاظ اور ۱۹۰۳ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

سورۃ یٰسٓ کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی دین کے چار اصول بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی (۱) توحید اور اس کے دلائل (۲) رسالت (۳) وقوعِ قیامت اور جزائے عمل اور خاص طور پر جزائے عمل کے اعتبار سے انسانوں کی تین گروہوں میں تقسیم، اور (۴) قرآنِ حکیم کی عظمت و صداقت۔ یہ چاروں اصول سورۃ یٰسٓ میں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں تاہم اس سورۃ مبارکہ میں ان کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے یہ چاروں اصول ایسے بنیادی اصول ہیں کہ ان پر ایمان لائے بغیر کسی شخص کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ تو یہ چاروں اصول، عقائد یا مسائل اس سورۃ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اہلِ جنت کو ملنے والے بعض انعامات اور مجرموں کو ملنے والی بعض سزاؤں کا ذکر بھی آگیا ہے۔

فضائل سورۃ

امام ابن کثیرؒ، حافظ ابن عساکرؒ اور ابو یعلیٰؒ اور بعض دیگر مفسرین، محدثین اور مؤرخین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (المتوفی ۳۲ھ) مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو خلیفۂ وقت حضرت عثمانؓ اُن کی عیادت کے لیے

گئے۔ آپ نے پوچھا مَا تَشْتَکِی آپ کو کس چیز کی تکلیف ہے تو ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ مجھے میرے گناہوں اور غلطیوں کی زیادہ تکلیف ہے۔ پھر پوچھا مَا تَشْتَهِی آپ کی خواہش کیا ہے؟ یعنی آپ کو کیا چیز چاہیئے؟ انہوں نے کہا رَحْمَةُ رَبِّی مجھے میرے پروردگار کی رحمت کی ضرورت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے پھر پوچھا اَلَا اٰمُرُكَ بِطَبِیْبٍ کیا میں آپ کے لیے کسی طبیب کا انتظام نہ کردوں۔ انہوں نے جواب دیا اَلطَّبِیْبُ اَمْرَضَنِی کہ طبیب ہی نے تو مجھے بیماری میں مبتلا کیا ہے مطلب یہ تھا کہ حقیقی طبیب تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور بیماری بھی اسی کے حکم سے لاحق ہوئی ہے، لہذا اور کس طبیب کو بلائیں گے؟ حضرت عثمانؓ نے پھر پوچھا کیا میں تمہارے لیے کسی عطیے کا حکم نہ دوں؟ کہنے لگے لَا حَاجَةَ لِی فِیْهِ مجھے تو اس کی ضرورت نہیں۔ فرمایا یَكُوْنُ لِبَنَاتِكَ مِنْ بَعْدِكَ یہ وظیفہ آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا اَتَخْشٰی عَلٰی بَنَاتِی تجھے میری بچیوں کی فاقہ کشی کا خطرہ ہے حالانکہ اِنِّی اَمَرْتُ بَنَاتِی یَقْرَأْنَ كُلَّ لَیْلَةٍ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ میں نے اپنی بچیوں کو تلقین کر رکھی ہے کہ وہ ہر رات سورۃ الواقعہ پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ میں نے حضور علیہ السلام سے سُن رکھا ہے۔ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ كُلَّ لَیْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا جو شخص ہر رات سورۃ واقعہ کی تلاوت کر لیا کریگا۔ اس کو کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔ بہرحال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کامل الایمان انسان تھے۔ ان کو حضور علیہ السلام کی بات پر یقین تھا، لہذا انہوں نے اپنی بچیوں کو بھی یہی تربیت دی تھی۔ حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور بہت سے تابعین سے بھی منقول ہے کہ اپنی اولادوں کو سورۃ الواقعہ سکھلاؤ کیونکہ یہ سورۃ الغنا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ غنا عطا کرتا ہے اور فاقہ سے بچاتا ہے۔ اگر کسی کی ظاہری حالت کمزور بھی ہو تو سورۃ واقعہ کو پڑھنے والے کو سکونِ قلب ضرور حاصل ہوتا ہے اور وہ کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتا۔

وقوعِ قیامت کا حال

ارشاد ہوتا ہے اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ جب واقع ہو جائے گی واقع ہونے والی اس سے مراد قیامت ہے، یعنی جب قیامت برپا ہو جائے گا۔ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ اور اُس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ بھی نہیں۔ یعنی یہ ضرور برپا ہو کر رہے گی۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وقوعِ قیامت کو کوئی بھی جھٹلا نہیں سکتا۔ آج تو بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں مگر جب یہ آجائے گی تو پھر کیسے تکذیب کر سکیں گے؟ اُس وقت کسی کو مجالِ انکار نہیں ہوگی۔ بعض فرماتے ہیں کہ کاذبہ ہے تو فاعل کا صیغہ، مگر یہاں پر مصدر کے طور پر استعمال ہوا ہے یعنی قیامت کے وقوع میں کوئی جھوٹ نہیں ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے۔

پھر فرمایا خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ یہ قیامت پست کرنے والی بھی ہے اور بلند کرنے والی بھی ہے۔ یہ قیامت مشرکوں، کافروں، اللہ کے باغیوں اور ملحدوں کو جہنم کی پستیوں میں اُتار دے گی۔ جب کہ ایمان، تقویٰ اور نیکی والوں کو بلند درجات تک پہنچائے گی۔ گویا قیامت بعض کو پست کرنے والی اور بعض کو بلند کرنے والی چیز ہے۔ اور یہ کب واقع ہوگی؟ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا جب کہ زمین کو اچھی طرح ہلا دیا جائے گا اس پر زلزلہ طاری ہو جائے گا۔ جس سے ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی۔ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، ٹوٹ پھوٹ جائیں گے فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا اور اڑتے ہوئے گرد و غبار کی طرح ہو جائیں گے سورۃ القارعہ میں فرمایا وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (آیت۔ ۵) اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھریں گے۔

حضور علیہ السلام کا فرمانِ مبارک ہے کہ جو شخص قیامت اپنی نگاہوں سے دیکھنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ سورۃ النبا، سورۃ التکویر اور سورۃ الواقعہ پڑھ لیا کرے، قیامت کا سارا نقشہ سامنے آجائے گا۔ قیامت کا ایک نام طَآمَّۃُ الْکُبْرٰی یعنی سب سے بڑا ہنگامہ بھی ہے۔ زمین پر زلزلہ آجائے گا۔ سورۃ الزلزال میں ہے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (آیت۔ ۱) اور آسمانی سیارے آپس میں ٹکرا کر

درہم برہم ہو جائیں گے، ماہرین فلکیات بھی اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ مدار ستاروں سے علیحدہ ہوتے والے بعض ٹکڑے پوری زمین سے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ خطرہ ہے کہ اگر کسی وقت کوئی ٹکڑا زمین سے ٹکرا گیا تو اس زمین کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی اور کوئی چیز باقی نہیں بچے گی۔ بہرحال اللہ نے پہلے ہی خبردار کر دیا ہے کہ قیامت کا ہنگامہ واقع ہونے والا ہے جب یہ زمین ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی۔ پھر نئی زمین اور نیا آسمان قائم ہوگا، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔

لوگوں کے تین گروہ

فرمایا جب قیامت واقع ہوگی وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً تو اے انسانو! تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ ان میں سے دو گروہ کامیاب ہوں گے اور تیسرا گروہ ناکام ہوگا۔ آگے گروہوں کی تفصیل بھی آ رہی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ قیامت والے دن تمام اہل ایمان کی ایک سو بیس۱۲۰ صفیں ہوں گی۔ جن میں سے اسی۸۰ صفیں صرف اس امت کی چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی۔ اہل جنت آگے پھر دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ سابقون کا ہوگا جو نیکی میں بہت آگے بڑھنے والے ہیں اور دوسرا گروہ اصحاب یمین کا ہوگا۔ جو سابقین سے ایک درجہ کم ہوں گے۔ مگر اہل جنت میں سے ہوں گے۔ تیسرا گروہ اصحاب شمال کا ہوگا جو ناکام ہو کر جہنم میں جائیں گے۔

دائیں اور بائیں ہاتھ والے

ارشاد ہوتا ہے فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ پس دائیں ہاتھ والے مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ کیا ہی اچھے ہیں دائیں ہاتھ والے۔ اللہ نے ان کی تعریف فرمائی ہے کہ یہ کامیاب لوگ ہوں گے بعض فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ والے وہ لوگ ہیں جن کو عہد الست کے وقت آدم علیہ السلام کی دائیں طرف سے نکالا گیا تھا۔ یہ مومن ہوں گے اور بائیں ہاتھ والے وہ لوگ ہوں گے جن کو آدم علیہ السلام کی بائیں جانب سے نکالا گیا، یہ کافر اور مشرک لوگ ہوں گے۔ معراج والی حدیث میں بھی آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تو آپ نے

اُن کے دائیں اور بائیں بہت سے لوگوں کو دیکھا۔ جب آدم علیہ السلام اپنی دائیں طرف دیکھتے تو مسکرا دیتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو رو پڑتے۔ دریافت کرنے پر بتلایا گیا کہ دائیں طرف والے لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے مومن لوگ ہیں جب کہ بائیں طرف والے کافر ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام ان لوگوں کی جہنم رسیدگی پر غمگین ہیں اور دائیں طرف کے اہل جنت کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اہل جنت کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں اور اہل دوزخ کو بائیں ہاتھ میں ملے گا۔ اہل جنت کو دائیں طرف روانہ کیا جائے گا۔ جب کہ اہل دوزخ کو بائیں جانب بھیجا جائے گا۔ اسی لیے فرمایا وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ اور بائیں طرف والے کیا ہی بُرے ہیں بائیں طرف والے کیونکہ وہ تو جہنم کے گڑھے میں اُترنے والے ہیں۔

سابقین کا گروہ

آگے تیسرے گروہ کا ذکر فرمایا گیا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہی ہیں، اُن کی سعادت کا کیا پوچھنا؟ فرمایا اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ یہ تو مقرب لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل ہے۔ اِن لوگوں کے انجام کے متعلق فرمایا فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ یہ تو نعمتوں کے باغوں میں ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں بہت زیادہ نیکیاں کرتے تھے ان کا مرتبہ اصحاب یمین سے بڑھ کر ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ مقربین الٰہی لوگ ہیں۔ پہلے زمانوں میں ان کی تعداد زیادہ ہوگی۔ جیسے فرمایا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ پہلوں میں اِن کا گروہ کثیر ہے وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ اور پچھلوں میں ان کی تعداد تھوڑی ہی ہوگی۔

پہلے اور پچھلے لوگوں سے متعلق مفسرین کرام کی مختلف آراء ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ پہلوں سے مراد پہلی امتیں ہیں یعنی سابقہ امتوں کے نیکی میں سبقت کرنے والے لوگ زیادہ ہوں گے جب کہ اس آخری امت میں ان کی تعداد کم ہو گی۔ دوسری طرف اس آخری امت کو تمام سابقہ امم پر فضیلت بھی بخشی گئی ہے

فرماتے ہیں کہ آخری امت کی افضلیت میں تو کوئی شبہ نہیں مگر ان میں سابقین کی تعداد پہلی امتوں کی نسبت کم ہی ہوگی۔ اصل بات یہ ہے کہ سابقین میں اولین لوگ انبیائے کرامؑ ہیں۔ پھر صدیقین اور شہداء ہیں۔ چونکہ سارے انبیاء اور رُسل بھی اس گروہ میں شامل ہیں لہٰذا ان کی تعداد کا بڑھ جانا کچھ عجیب نہیں جب کہ آخری امت کا تو ایک ہی آخری نبی اور رسول ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنے مکاتیب میں یہی لکھا ہے کہ سابقین میں چونکہ نبی اور رسول بھی داخل ہیں، لہٰذا پہلی امتوں کے سابقین کا پلہ بھاری ہوگا۔

بعض فرماتے ہیں کہ سابقین سے سابقہ امتوں کے لوگ مراد نہیں بلکہ اسی اُمت کے اوّلین اور آخرین لوگ مراد ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امتِ محمدیہ کے پہلے دور کے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ ہے اور پچھلے دور کے لوگوں میں نسبتاً کم۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بہترین زمانہ میرا ہے، پھر مجھ سے ملنے والے لوگوں کا اور پھر اُن سے ملنے والے لوگوں کا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی صحبت کی وجہ سے جو مرتبہ صحابہ کرامؓ کو حاصل ہے، وہ دوسروں کو حاصل نہیں۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ بعد کے ادوار سے بہتر ہے لہٰذا اُن میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ البتہ بعد کے ادوار میں اصحابِ یمین تو بہت ہوں گے مگر سابقین کم ہی ہوں گے، اور یہ بات بالکل قرینِ قیاس ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ہر نبی کے دور کی پہلی جماعتوں میں سابقین کی تعداد زیادہ ہوگی اور بعد میں آنے والے لوگوں میں سابقین کم ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ نبی کے قریب ہونے کی برکت سے مقربین بکثرت ہوتے ہیں، پھر بعد میں کمزوری آجاتی ہے اور پہلے والی بات نہیں رہتی۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ سابقین کے گروہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ یہ لوگ آگے پیچھے نہیں ہونگے بلکہ سیدھے ایک ہی قطار میں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے جنت میں

داخل ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ پہلوں میں تو بہت ہوں گے مگر پچھلوں میں ان کی تعداد کم ہو گی۔

مقرب اور ابرار

بعض بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ مقربینِ الٰہی کی نگاہ نقطۂ آغاز پر ہوتی ہے۔ یعنی اُن کی نظر اپنی تخلیق کے دن پر ہوتی ہے جب فرشتہ پوچھتا ہے کہ پروردگار! یہ شخص نیک بخت ہوگا یا بدبخت؟ جب اس کو بتا دیا جاتا ہے تو وہ اسے اپنے رجسٹر میں درج کر لیتا ہے تو مقرب کو ہمیشہ اسی بات کی فکر رہتی ہے کہ پتہ نہیں اُس دن میرے حق میں خوش بختی کا فیصلہ ہوا تھا یا بدبختی کا۔ فرماتے ہیں کہ اس کے برخلاف ابرار کی نگاہ ہمیشہ نقطۂ انتہا پر ہوتی ہے۔ جب فرشتہ انسان کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے پوچھتا ہے کہ پروردگار! میں نے اس شخص کی روح کو ایمان کے ساتھ نکالنا ہے یا کفر کے ساتھ۔ اس وقت فرشتے کو انسان کی قسمت کا حال بتلا دیا جاتا ہے تو ابرار لوگ ہمیشہ اُس طرف دیکھتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارے حق میں اللہ کا کیا فیصلہ ہوگا؟ تو مقرب اور ابرار میں یہ فرق ہے۔ بہرحال یہ دونوں گروہ خداخوفی، نیکی اور ایمان کی وجہ سے کامیاب ہونے والے ہیں۔

درس دوم ٢ آیت ١٥ تا ٤٠

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾ ع ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾

ترجمہ:۔ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پہ بیٹھے ہوں گے ﴿١٥﴾ تکیہ لگانے والے ہوں گے ان

پر آمنے سامنے ⑯ پھریں گے اُن پر لڑکے ہمیشہ رہنے
والے ⑰ گلاسوں اور صراحیوں کے ساتھ، اور پیالے نتھری
ہوئی صاف شراب سے ⑱ وہ اس سے سرگرداں نہیں
ہوں گے اور نہ کوئی بیہودہ بات کریں گے ⑲ اور
پھل ہوں گے جو وہ پسند کریں گے ⑳ اور پرندوں
کا گوشت جو وہ چاہیں گے ㉑ اور گورے رنگ کی
موٹی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی ㉒ گویا کہ وہ غلاف
میں بند کیے ہوئے موتی ہیں ㉓ یہ بدلہ ہے اس کام
کا جو وہ کیا کرتے تھے ㉔ نہیں سنیں گے اس میں
کوئی بیہودہ بات، اور نہ کوئی گناہ کی بات ㉕ مگر بولنا سلام
ہی سلام کا ㉖ اور دائیں ہاتھ والے، کیا ہی خوبی ہے
دائیں ہاتھ والوں کی ㉗ وہ کانٹے اُترے ہوئے بیری
کے درختوں میں ہوں گے ㉘ اور تہ بر تہ کیلوں میں ㉙
اور لمبے سایوں میں ㉚ اور بہتے ہوئے پانی میں ㉛
اور بہت سے پھلوں میں ㉜ نہ وہ قطع کیے جائیں گے
اور نہ روکے جائیں گے ㉝ اور بچھونے ہونگے اونچے
درجے کے ㉞ بیشک ہم نے (اُن کی رفاقت کیلئے)
اٹھایا اُن کو اٹھانا ㉟ پس بنایا ہے ہم نے انکو دوشیزہ ㊱
محبت کرنے والی ہم عمر ㊲ دائیں ہاتھ والوں کیلئے ㊳
ایک گروہ کثیر ہوگا پہلوں میں سے ㊴ اور ایک
کثیر گروہ ہوگا پچھلوں میں سے ㊵

ربطِ آیات
سورۃ کی ابتدائی آیات میں وقوعِ قیامت کے متعلق فرمایا کہ زمین پر زلزلہ
طاری ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گرد و غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔ پھر

فرمایا کہ انسان تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے یعنی دائیں ہاتھ والے، بائیں ہاتھ والے اور سابقین۔ اصحاب یمین یعنی دائیں ہاتھ والے کامیاب ہوں گے اور بائیں ہاتھ والے ناکام، اور سابقین اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ ان کی تعداد پہلوں میں زیادہ اور پچھلوں میں کم ہوگی۔ اب اللہ نے اُن کو ملنے والے انعامات کا بھی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے

جنت میں سابقین کی کیفیت

ارشاد ہوتا ہے عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ سبقت کرنے والے اللہ کے مقربین سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر بیٹھنے والے ہوں گے۔ یہ تخت ہیروں اور جواہرات سے مزیّن ہوں گے جس کی وجہ سے دیکھنے میں بھی نہایت دلکش ہوں گے اور اُن کے بیٹھنے کی کیفیت یہ ہوگی۔ مُّتَّكِـِٕیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ تکیہ لگا کر آمنے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے۔ ہر جنتی ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوگا، اور کسی ایک کی دوسرے کی طرف پشت نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی کی طرف پشت کر کے بیٹھنا معیوب معلوم ہوتا ہے، لہٰذا جنت میں یہ کیفیت کہیں نہیں ہوگی بلکہ سب ایک دوسرے کے روبرو ہوں گے۔ اُن پر نہایت ہی خوشی کا عالم ہوگا۔ وہ بیٹھے ہوں گے اور اُن کی خدمت کے لیے یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اُن کے سامنے لڑکے پھریں گے۔ جو ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ ایک تو وہ خدمت کے لیے ہمہ وقت مستعد رہیں گے اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایک ہی عالت یعنی بچپن کی عمر میں ہی رہیں گے، اِس دُنیا کی طرح جوان اور پھر بوڑھے نہیں ہو جائیں گے۔

یہ بچے کون ہوں گے؟ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ مشرکین اور کفار کے بچے ہوں گے جو سنِ بلوغت کو پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حوروں کی طرح یہ بچے بھی جنت کی مخلوق ہوں گے۔ جن کو اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کی خدمت کے لیے وہیں پیدا کرے گا۔

شراب طہور کے جام

فرمایا یہ بچے سابقین کے سامنے پھریں گے بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ جن کے ہاتھوں میں گلاس اور صراحیاں ہوں گی۔ اکواب کوب کی جمع ہے جس کا معنیٰ

گلاس یا آبخورہ ہوتا ہے ، اور اباریق ابریق کی جمع ہے جس کا معنی صراحی یا کوزہ ہے۔ یہ لفظ لوٹے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بہرحال ان چھوٹے بچوں کے ہاتھوں میں گلاس اور صراحیاں ہوں گی۔ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ اور نتھری ہوئی صاف وشفاف شراب سے لبریز پیالے ہوں گے۔ سورۃ الدھر میں اللہ نے ان خوبصورت بچوں کی تعریف اس طرح فرمائی ہے۔ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا آیت۔ ۱۹) اُن پر نو عمر لڑکے پھریں گے جو ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ جب تم اُن پر نگاہ ڈالو گے تو خیال کرو گے کہ یہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

شراب اور صراحی کا تذکرہ پرانی شاعری میں بھی ملتا ہے۔ زید ابن عباد شاعر کہتا ہے

؎ وَدَعَوْا بِالصَّبُوحِ يَوْمًا
فَجَاءَتْ قَيْنَةٌ فِي يَمِينِهَا إِبْرِيقُ

انہوں نے صبوح یعنی صبح کا مشروب طلب کیا، تو ایک لونڈی داہنے ہاتھ میں صراحی پکڑے آگئی۔ عام طور پر صراحی میں شراب ہوتی تھی جسے گلاس یا پیالے میں ڈال کر پلایا جاتا تھا۔ اقیشر نامی شاعر بھی کہتا ہے۔

؎ أَفْنَى تِلَادِي وَمَا جَمَعْتُ مِنْ نَشَبٍ
قَرْعُ الْكَوَاكِيبِ أَفْوَاهَ الْأَبَارِيقِ

میرا پرانا اور نیا کمایا ہوا مال صراحیوں اور گلاسوں کے ٹکرانے نے فنا کر دیا ہے۔ مراد یہی ہے کہ شراب نوشی نے مجھے کنگال کر دیا ہے۔

ایک اور شاعر بھی کہتا ہے۔

؎ وَكَأَنَّهَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ
وَكَأَنَّهَا قَدَحٌ وَلَا خَمْرٌ

شراب یا کوئی دیگر مشروب اور گلاس اس قدر لطیف اور شفاف ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گلاس تو نہیں ہے، صرف شراب ہی ہے۔

بہر حال فرمایا کہ نو عمر لڑکے ہوں گے جو ہاتھوں میں صراحیاں اور گلاس لیے اہل جنت کی خدمت پر مامور ہوں گے اور وہ شراب اس دنیا کی شراب کی طرح عقل کو زائل کرنیوالی نہیں ہوگی جس کو پی کر لوگ بیہودگی اور دنگا فساد پر اتر آتے ہیں، بلکہ وہ ایسی عمدہ شراب ہوگی لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا نہ تو اس سے سر گردانی ہوگی، کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی وَلَا يُنْزِفُوْنَ اور نہ اسے پینے والے کوئی بیہودہ بات کریں گے۔ اس میں نشے والی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اہلِ جنت کے ہوش و حواس بالکل قائم رہیں گے اور اس میں ہر طرح کا لطف اور سرور ہوگا۔ دنیا کی شراب نوشی سے انسان ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے، واہی تباہی بکتا ہے اور کئی دوسرے گناہوں میں ملوث ہو جاتا ہے، اسی لیے شریعت نے شراب نوشی پر حد جاری کی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب نوشی کرے گا۔ وہ آخرت میں شرابِ طہور سے محروم رہے گا۔

پھل اور گوشت

سابقین کے لیے شرابِ طہور کے علاوہ فرمایا وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ اور پھل ہوں گے جن کو اہلِ جنت پسند کریں گے۔ ہر جنتی کے لیے اُس کا من پسند پھل مہیا کیا جائے گا اور اس کے حصول کے لیے اُسے کوئی تکلیف بھی نہیں اٹھانی پڑے گی بلکہ جیسا کہ پچھلی سورۃ میں گزر چکا ہے، یہ پھل اُس کے قریب ہی ہوں گے، نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ہی اُن کے استعمال سے روکا جائے گا۔ اس کے علاوہ فرمایا وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ اور پرندوں کا گوشت ہوگا۔ جیسا کہ وہ چاہیں گے ظاہر ہے کہ بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ کے گوشت کی نسبت پرندوں کا گوشت زیادہ لذیذ اور زیادہ مرغوب ہوتا ہے، لہٰذا سابقین کے لیے جنت میں پرندوں کا من پسند گوشت بھی بافراط ہوگا جسے اہلِ جنت حسبِ منشا استعمال کر سکیں گے۔

حورِ عین

پھر انسان کی خوشی خاطر کے لیے اس کے جوڑے کا ذکر بھی فرمایا وَحُوْرٌ عِيْنٌ گوری چٹی خوبصورت اور موٹی موٹی آنکھوں والی عورتیں بھی ہوں گی۔ جن سے اہلِ جنت

اپنا دل بہلا سکیں گے۔ یہ جنت کی مخلوق ہوگی، اور اُن کے حسن و جمال کے متعلق فرمایا کَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ وہ غلاف میں بند موتیوں کی طرح گرد و غبار سے پاک ہوں گی۔ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے پاکیزہ عورتیں ہوں گی۔ فرمایا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یہ بدلہ ہوگا اس کام کا جو وہ دنیا میں انجام دیتے رہے۔ یہی جزائے عمل ہے جو وقوعِ قیامت کا مقصود ہے۔ یہ سب کچھ سابقین اور مقربین کی کمائی کا نتیجہ ہوگا۔

لغویات سے چھٹکارا

پھر فرمایا لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا وہ لوگ اُس جنت میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ ہی کوئی گناہ کی بات اُن کے کانوں میں پڑے گی۔ اس دنیا میں تو نہ چاہنے کے باوجود انسان کو بہت سی لغویات سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ بازار میں چلتے چلتے، گالی گلوچ، دنگا فساد یا بیہودہ گانوں کی آواز کان میں خواہ مخواہ پڑ جاتی ہے، مگر جنت میں ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ وہاں پر اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا وہاں تو ہر طرف سے سلامتی کی آوازیں ہی آئیں گی۔ اہلِ جنت آپس میں ملیں گے تو ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعائیں کریں گے۔ فرشتوں کی طرف سے بھی انہیں سلام ہوگا اور پروردگار کی طرف سے بھی سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰسٓ۔ ۵۸) سلامتی کا تحفہ آئے گا۔ یہ اللہ نے تین میں سے ایک گروہ یعنی سابقین کے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔

اصحاب الیمین

اس کے بعد دوسرے نمبر پر اصحاب یمین والے آتے ہیں جن کو اُن کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ اِن کے متعلق فرمایا وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ اور دائیں ہاتھ والے لوگ، ان کا تو کیا ہی کہنا۔ اُن کو بھی اللہ کے رحمت کے مقام جنت میں جگہ ملے گی۔ اور بڑا آرام و راحت نصیب ہوگا۔ یہ نعمتیں اگرچہ سابقین کی نعمتوں سے کم درجہ کی ہونگی مگر فی ذاتہٖ یہ بھی کمال درجے کی نعمتیں ہوں گی۔ امام ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم محدثؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ کہ امام حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جب وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کی اور کہنے لگے اَمَّا السَّابِقُوْنَ فَقَدْ مَضٰى وَلٰكِنَّ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَصْحٰبِ

الْیَمِیْنِ کہ سابقین کا گروہ تو گزر گیا، اب اے اللہ تعالیٰ ہمیں اصحاب یمین میں ہی شامل کر لے۔ کیونکہ اگر ہم اس گروہ میں بھی شامل نہ ہو سکے تو ناکام ہو جائیں گے۔

باغات میں ٹھکانا

اب اِن اصحاب یمین کو ملنے والے انعام و اکرام کے متعلق فرمایا فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ یہ لوگ کانٹے اتاری ہوئی بیری کے درختوں میں ہوں گے۔ بیری کا پھل اگرچہ بہت اچھا پھل ہے مگر اس درخت کی شاخوں کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں جو طبیعت پر ناگوار گزرتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ جنت کی بیری کے درختوں پر کانٹے نہیں ہوں گے، لہٰذا جنتی لوگ اِن کانٹوں کی تکلیف سے تو مامون ہوں گے مگر اس کا پھل بکثرت ہو گا جسے وہ استعمال کر سکیں گے۔ اس کے علاوہ فرمایا وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ تہ بر تہ کیلے ہوں گے۔ کیلا بھی نہایت عمدہ پھل ہے۔ جو بکثرت کھایا جائے گا۔ بعض ممالک میں یہ غذا کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض جگہ اتنے بڑے بڑے کیلے ہوتے ہیں کہ آدمی صرف ایک ہی کیلا کھا کر سیر ہو جاتا ہے، طلح کیکر کی طرح کا ایک درخت بھی ہے جسے عرب لوگ خوب پہچانتے ہیں۔ یہ درخت بھی مراد ہو سکتا ہے مگر جنت میں اس کے ساتھ کانٹے نہیں ہوں گے، بہر حال طلح کا عام فہم معنی کیلا ہی ہے

پھر فرمایا وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ اور جنت والے لمبے سایوں میں ہوں گے۔ وہاں پر نہ دھوپ ہو گی، نہ اندھیرا اور نہ ہی سردی بلکہ درختوں کے سایے میں نہایت ہی خوشگوار موسم ہو گا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جنت میں اتنے بڑے بڑے درخت ہوں گے کہ ایک تیز رفتار گھڑ سوار سو سال میں بھی اس سائے کو عبور نہیں کر سکے گا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے متعلق سورۃ النجم میں ذکر ہو چکا ہے کہ یہ اتنا بڑا درخت ہے جس کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان پر ہیں۔ یہ درخت عالمِ امکان اور عالم وجوب کے درمیان ایک سنگم کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے درختوں کے لمبے سایوں کی دلیل کے طور پر یہی آیت تلاوت فرمائی وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ اور فرمایا کہ جنتی لوگ لمبے سایوں میں ہوں گے۔

نیز فرمایا وَمَآءٍ مَّسْكُوبٍ اصحاب یمین بہتے ہوئے پانی میں ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت میں پاکیزہ پانی ہمیشہ جاری رہے گا اور اس میں کبھی کمی نہیں آئیگی۔ سورۃ محمد میں ہے کہ اس پانی میں کبھی بدبو پیدا نہیں ہوگی، بلکہ ہمیشہ تروتازہ اور خوشگوار رہیگا۔ اس کے علاوہ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وہ لوگ کثیر پھلوں میں ہوں گے یعنی انہیں ہر موسم میں من پسند پھل بغیر کسی محنت کے بافراط میسر ہوں گے اور پھر لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ یہ پھل نہ تو قطع کیے جائیں گے اور نہ روکے جائیں گے، مطلب یہ ہے کہ پھل اتنے بکثرت ہوں گے کہ ان کے کم پڑ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ بھی نہیں ہوگا کہ پھل موجود ہوں مگر اہلِ جنت کو ان کے استعمال سے روک دیا گیا ہو۔ مقامِ رحمت کے مکین ہر موسم میں اپنی پسند کے پھل حاصل کر سکیں گے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ اونچے درجے کے بچھونے یا بستر ہوں گے جن پر اصحاب یمین آرام کر سکیں گے۔ یہ بستر نہایت قیمتی، خوش رنگ اور آرام دہ ہوں گے جن کا تصور اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔

خوبصورت عورتوں کی رفاقت

اگلی آیت میں اللہ نے خوبصورت عورتوں کی رفاقت کا ذکر کیا ہے جو کہ انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے۔ فرمایا إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ہم نے ان عورتوں کو اٹھایا ہے یعنی پیدا کیا ہے۔ ایسی اٹھان فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا۔ کہ ان کو دوشیزہ بنایا ہے۔ وہ کنواری نہایت ہی خوبصورت عورتیں ہوں گی عُرُبًا أَتْرَابًا لِّأَصْحَابِ الْيَمِينِ جو محبت کرنے والی اور ہم عمر ہوں گی دائیں ہاتھ والوں کیلئے بعض اوقات عمر کا تفاوت مرد و زن کیلئے بے رغبتی کا سبب بن جاتا ہے۔ مگر جنت کی عورتیں مردوں کی ہم عمر ہوں گی۔ کنواری ہوں گی اور اُن سے محبت کریں گی۔ لہذا ان کی دل لگی میں کسی قسم کا تکدر پیدا نہیں ہوگا اور جنتی مرد اور جنتی عورتیں نہایت دل خوش کن دائمی زندگی گذاریں گے۔

امام ابن کثیرؒ نے طبرانی کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ مذکورہ عورتیں وہ عورتیں ہوں گی جن پر دنیا میں بڑھاپے کی حالت میں موت طاری ہوئی۔ ان کے اعضاء اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ ان کی آنکھوں سے پانی بہتا تھا۔ ان عورتوں کو

اللہ تعالیٰ جنت کے لیے نئی اٹھان میں پیدا کرے گا۔ یہ ساری نوجوان دوشیزہ ہوں گی اور اپنے خاوندوں کے ساتھ محبت کریں گی۔ اس حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ نِسَآءُ الدُّنْیَا اَفْضَلُ مِنْ حُوْرِ عِیْنٍ یعنی دنیا کی یہ عورتیں جنت کی حوروں سے افضل ہوں گی۔ ان کی یہ فضیلت اُن کی نمازوں، روزوں اور دیگر عبادات ادا کرنے کی وجہ سے ہو گی۔ اُن کی نیکی کی وجہ سے اُن کا حسن و جمال اور اخلاق اور پاکیزگی حوروں سے بڑھ کر ہو گی۔

اسی حدیث میں آتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام کے سامنے ذکر کیا کہ دنیا میں بعض عورتیں دو دو، تین تین خاوندوں والی بھی ہوتی ہیں۔ اگر ایسی کوئی عورت جنت میں چلی گئی اور اُس کے تمام شوہر بھی جنت میں پہنچ گئے تو ایسی عورت کا ملاپ کس خاوند کے ساتھ ہو گا۔ فرمایا اِنَّھَا تُخَیَّرُ ایسی عورت کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس شوہر کے ساتھ رہنا پسند کرے اُس کا انتخاب کر لے۔ تو ایسی صورت میں وہ عورت تَخْتَارُ اَحْسَنَ خُلُقٍ ایسے خاوند کو پسند کرے گی جو دنیا میں بہتر اخلاق والا تھا۔ یعنی اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا، پھر فرمایا، اے ام سلمہ! عمدہ اخلاق دین و دنیا میں بہتری کا سبب بنتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے۔ جنت میں جانے والے مرد و عورتیں ہمیشہ جوانی کی حالت میں رہیں گے اور وقت گزرنے کے ساتھ اُن میں کوئی تغیر نہیں آئے گا۔ فرمایا جنتی مرد بے ریش، سرمگیں، آنکھوں والے تیس بتیس سال کے پیٹے میں ہوں گے۔ اور ان کے جسم پر بال نہیں ہوں گے۔ یہ لوگ اپنے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں ہوں گے اور قد و قامت اُن ہی کے قد و قامت کے مطابق ہو گا۔ اور عورتیں بھی ہمیشہ ہم عمر ہوں گی اور محبت کرنے والی ہوں گی۔ یہ ان لوگوں کے انعامات کا ذکر ہے جن کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔

پھر فرمایا، ایسے لوگ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ پہلے لوگوں میں سے کثیر تعداد میں ہوں گے وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ اور پچھلے لوگوں میں بھی کثیر تعداد میں ہوں گے۔ پہلی امتوں کا ذکر ہو یا اِس امت کے پہلے لوگوں کا اصحاب یمین

بکثرت ہوں گے۔ سابقین کے متعلق تو بیان ہو چکا ہے کہ وہ پہلوں میں زیادہ تعداد پچھلوں میں کم ہوں گے مگر اصحاب یمین پہلے اور پچھلوں سب میں زیادہ تعداد میں ہوں گے۔ اللہ نے ان کو ملنے والے انعامات کا ذکر بھی فرما دیا ہے۔

وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ کَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴۶﴾ وَ کَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ ۬ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۬ۙ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّکُمۡ اَیُّہَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُکَذِّبُوۡنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰکِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡہَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوۡنَ عَلَیۡہِ مِنَ الۡحَمِیۡمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡہِیۡمِ ﴿۵۵﴾ ہٰذَا نُزُلُہُمۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۵۶﴾

ترجمہ :- اور بائیں ہاتھ والے ، کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے ﴿۴۱﴾ تند و تیز ہوا اور گرم پانی میں ہوں گے ﴿۴۲﴾ اور دھوئیں کے سائے میں ﴿۴۳﴾ جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دِہ ﴿۴۴﴾ بیشک تھے یہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) آسودہ حال ﴿۴۵﴾ اور تھے وہ اصرار کرتے بڑے

گناہ پر (۴۶) اور وہ کہتے تھے کہ جب ہم مرجائیں گے
اور ہو جائیں گے مٹی اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو
جائیں گی، تو کیا ہم البتہ پھر اٹھائے جائیں گے؟ (۴۷)
یا ہمارے اگلے آباؤاجداد (۴۸) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر)
بے شک پہلے بھی اور پچھلے بھی (۴۹) البتہ سب اکھٹے
کیے جائیں گے ایک مقررہ دن کے وعدے کے
وقت پر (۵۰) پھر تم اے بہکنے والو اور جھٹلانے
والو (۵۱) البتہ تم کھانے والے ہو گے تھوہر کے درخت
سے (۵۲) پس بھرنے والے ہو گے اس سے پیٹوں کو (۵۳)
پس پینے والے ہو گے اُس پر کھولتے ہوئے پانی سے (۵۴)
پس پینے والے ہو گے تونسے ہوئے اونٹوں کی طرح
پینا (۵۵) یہ ہو گی ان کی مہمانی انصاف کے دن (۵۶)

ربط آیات

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت کا ذکر اور اُس کی ابتدائی کیفیت بھی بیان فرمائی۔ پھر انسانوں کے تین گروہوں میں تقسیم ہو جانے کا ذکر کیا، جن میں سے دو گروہ کامیاب ہوں گے اور تیسرا گروہ ناکام ہوگا۔ کامیاب ہونے والوں میں سابقین تو بڑے بلند درجوں میں ہوں گے، اور اصحاب الیمین بھی اللہ کی رحمت کے مقام میں آرام و راحت میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اِن کو بھی بیشمار نعمتیں عطا کرے گا۔ سابقین پہلی امتوں میں زیادہ ہوں گے کیونکہ ان میں اللہ کے نبی بھی شامل ہوں گے اور پچھلی اُمت میں اُن کی تعداد نسبتاً کم ہو گی۔ البتہ اصحاب الیمین پہلوں اور پچھلوں سب میں بکثرت ہوں گے۔

اصحاب شمال کا حال

کامیاب ہونے والے دونوں گروہوں کا ذکر کرنے کے بعد اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے تیسرے ناکام گروہ اصحاب شمال یعنی بائیں ہاتھ والوں کا حال بیان فرمایا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا اور وہ قیامت

والے دِن بائیں طرف ہی جائیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ اور بائیں ہاتھ والے، اور بائیں ہاتھ والوں کی کیسی بُری حالت ہے فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ وہ تند و تیز ہوا اور گرم پانی میں ہوں گے۔ بادِ سموم آگ جیسی گرم ہوا کو کہتے ہیں جس کے لگنے سے جسم جھلس جائے یا ضربہ شمسیہ (SUN STROKE) ہو جائے۔ تیز گرم ہوا سے گردن کے پٹھے مارے جاتے ہیں اور انسان کی ہلاکت کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اسی لیے گرم ممالک کے لوگ رومال سے گردن کو ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اصحاب شمال کو ایک تو تند و تیز اور گرم ہوا سے واسطہ پڑے گا اور پھر جب پیاس ستائے گی تو انہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کا ایک گھونٹ پی لیں گے تو وہ آنتوں کو کاٹ کر نیچے پھینک دے گا۔ سورۃ المرسلٰت میں ہے کہ اُن لوگوں کو کہا جائے گا اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ دوزخ کی طرف تین شاخوں والے دھوئیں کی طرف چلو۔

فرمایا وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ وہ لوگ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔ یہ دھواں بڑا پریشان کن ہو گا۔ سورۃ المرسلٰت میں فرمایا لَّا ظَلِیۡلٍ وَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ اللَّہَبِ ﴿۳۱﴾ یہ دھواں ایسا ہو گا، جس کا سایہ ہی نہیں ہو گا، اور نہ یہ تپش اور گرمی سے بچا سکے گا۔ بلکہ اِنَّہَا تَرۡمِیۡ بِشَرَرٍ کَالۡقَصۡرِ ﴿۳۲﴾ اس میں سے محلات جتنی بڑی بڑی چنگاریاں نکلیں گی۔ جو ایسے لوگوں پہ پڑیں گی۔ غرضیکہ اصحاب شمال کی تکلیف اور پریشانی کا یہ حال ہو گا۔

آگے اِس دھوئیں کا مزید حال بیان کیا لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ یہ دھواں نہ ٹھنڈا ہو گا اور نہ عزت والا یعنی نہ ہی راحت پہنچانے والا۔ اگر دھواں صرف تاریک ہو اور اس میں گرمی نہ ہو تو پھر بھی کسی حد تک قابل برداشت ہو سکتا ہے مگر جس دھوئیں کا بیان ذکر کیا جا رہا ہے، وہ دوزخ کی آگ کا سیاہ دھواں ہو گا جس میں ناقابلِ برداشت حد تک تاریکی اور تپش ہو گی۔ جو ذلّت و خواری کا باعث بنے گا۔

بہر حال بائیں ہاتھ والے جھلسا دینے والی تیز ہوا اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان ہی چکر لگاتے رہیں گے جس سے انہیں سخت تکلیف پہنچے گی۔ پچھلی سورۃ الرحمٰن میں بھی گزر چکا ہے يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ (آیت۔۴۴) وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگاتے رہیں گے اور اس طرح وہ اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

سزا کی وجوہات
(۱) آسودہ حالی

اللہ نے اس سزا کی وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں۔ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ یہ پہلی وجہ ہے کہ یہ لوگ اس سے پہلے یعنی دنیا کی زندگی میں آسودہ حال تھے، اور اسی بنا پر یہ عیش و عشرت میں پڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے تھے اور وقوع قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے تھے۔ عام طور پر دنیا میں یہی آسودہ حالی بے دینی کا باعث بنتی رہی ہے، اور ایسے لوگ انبیاء علیہم السلام کا نہ صرف انکار کرتے رہے ہیں بلکہ اُن کا مقابلہ کرتے آئے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی تین حالتوں میں سے درمیانی حالت ہی مطلوب ہے، اور دینی لحاظ سے یہی حالت بہتر ہے۔ فرمایا بعض لوگ رفاہیت بالغہ یعنی حد سے زیادہ آسودہ حالی کا شکار ہو کر تعیش (LUXURY) میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی قدرت کاملہ کو بھول جاتے ہیں پرانے زمانے کے قیصر و کسریٰ اور موجودہ دور کے امراء و سلاطین اور صاحب اقتدار وزیر اور مشیر اسی بیماری کی وجہ سے ناکام ہوئے ہیں۔ جب کوئی شخص عیش و عشرت میں پڑ جاتا ہے تو پھر اُس کے لیے ہر جائز و ناجائز ذرائع استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنے کارندوں سے جانوروں کی طرح کام لیتا ہے اور معاوضہ کم دیتا ہے حتیٰ کہ اُن بیچاروں کو آخرت کے متعلق سوچنے کا موقع بھی نہیں ملتا چہ جائیکہ وہ اُس کے لیے کچھ تیاری کریں۔ تعیش کے طور پر بہترین مکان، بہترین سواری، بہترین کھانا اور بہترین کپڑا تمدن کو بگاڑنے والی چیزیں ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے إِنَّ عِبَادَ اللَّهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِينَ یعنی اللہ کے بندے تعیش پسند نہیں ہوتے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ رفاہیتِ بالغہ اور تقشف دونوں حالتیں غلط ہیں۔ البتہ بہترین حالت تیسری ہے جس کے متعلق نبی علیہ السلام نے فرمایا خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا یعنی بہترین امور درمیانی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پُرتکلف مکان کی بجائے ایک معمولی مکان میں بھی گزر اوقات ہو سکتی ہے۔ عام سواری، معمولی لباس اور عام کھانا بھی انسان کے لیے کافی ہوتا ہے۔ بلاوجہ تکلفات میں پڑنا درست نہیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی تکلف نہیں فرماتے تھے، جیسا لباس مل گیا پہن لیا۔ آپ کے پاس ایک نہایت قیمتی جوڑا بھی تھا جس پر ستائیس اونٹ خرچ آیا تھا، اس کو بھی آپ نے بعض مواقع پر استعمال کیا ہے۔ تاہم عام حالات میں آپ کا لباس معمولی قسم کا ہوتا تھا۔ خوراک کا بھی یہی حال تھا۔ آپ نے کبھی بہترین خوراک کی خواہش نہیں کی بلکہ جیسا مل گیا کھا لیا۔ خلفائے راشدینؓ بھی درمیانی حالت کا مجسم نمونہ تھے اور انہوں نے یہی چیز رائج کی۔ تو یہ مترف لوگ اکثر دین کے مخالف ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف ابتدا میں دین کو قبول کرنے والے عموماً غریب غرباء لوگ ہی ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَّسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ اسلام غریب لوگوں سے شروع ہوا، اور آخر میں بھی یہ غرباء میں ہی سمٹ کر آجائے گا۔ حضرت دحیہ کلبیؓ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر روم گئے، تو وہاں کے بادشاہ ہرقل نے ابوسفیانؓ سے پوچھا جو اُس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔ کہ اُس نبی کے پیروکار کیسے ہیں یعنی بڑے لوگ ہیں یا غریب طبقہ، تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ان میں سے اکثر کمزور لوگ ہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا وَھُمْ اَتْبَاعُ الرُّسُلِ یعنی انبیاء کے پیروکار اکثر کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔ بڑے لوگ اُس وقت ایمان قبول کرتے ہیں۔ جب بالکل مجبور ہو جاتے ہیں یا پھر مقابلے میں ہار جاتے ہیں۔

(۲) گناہ پر اصرار

اللہ نے اصحابِ شمال کی جہنم رسیدگی کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے وَکَانُوْا

يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ کہ وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے۔ حنث کا معنی گناہ ہوتا ہے، اور حانث اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی قسم توڑ کر گنہگار بن جاتا ہے۔ تاہم اس مقام پر حنث العظیم سے مراد شرک اور کفر ہیں۔ جس پر یہ لوگ دنیا میں اصرار کرتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا اَیُّ ذَنْبٍ اَعْظَمُ یعنی سب سے بڑا گناہ کون سا ہے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، بڑا گناہ یہ ہے اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ کہ تو اللہ کا شریک ٹھہرائے۔ حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ سورۃ لقمان میں ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (آیت ۱۳) اور سورۃ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے۔ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (آیت ۲۵۴) گویا شرک اور کفر ہی سب سے بڑے ظلم یعنی گناہ ہیں، اور حنث عظیم سے یہی مراد ہے۔ اصحاب شمال انہی پر اصرار کرتے تھے۔

مسلم شریف کے مقدمہ میں امام مسلمؒ نے لکھا ہے کہ اُن کے استاد نے اپنے استاد حضرت جریر محدثؒ سے ایک راوی حارث بن حصیرۃ کے متعلق پوچھا کہ وہ کیسا راوی ہے تو انہوں نے فرمایا هُوَ شَيْخٌ طَوِيْلُ السُّكُوْتِ يُصِرُّ عَلٰى اَمْرٍ عَظِيْمٍ وہ ایک شیخ ہے جو اکثر خاموش رہتا ہے مگر امر عظیم پر اصرار کرتا ہے اور امر عظیم سے مراد یہ ہے کہ وہ رافضی تھا، اور رافضیوں میں رجعت کا یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ قرب قیامت میں مسیح علیہ السلام کی بجائے حضرت علیؓ دنیا میں دوبارہ آئیں گے، وہ عدل و انصاف قائم کریں گے۔ نیز حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قبور کو اکھاڑ کر اُن کی نعشوں کو نکالیں گے اور سولی پر لٹکائیں گے۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی انتقام لیں گے کیونکہ رافضیوں کے زعم کے مطابق حضرت صدیقہؓ حضرت فاطمہؓ سے نفرت کرتی تھیں، العیاذ باللہ۔ تو امر عظیم سے مراد یہ فاسد عقیدہ ہے۔ بہرحال حضرت جریرؒ نے فرمایا کہ میں اس راوی کو جانتا ہوں۔

وہ امرِ عظیم پر اصرار کرنے والا ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ اصحابِ شمال اس لیے سزا کے مستحق ٹھہرے کہ وہ حنثِ عظیم پر مصر تھے۔

(۳) بعث بعد الموت کا انکار

اللہ نے تیسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے وَكَانُوا يَقُولُونَ اور یہ لوگ یوں کہا کرتے تھے أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی میں مل جائیں گے، اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ یا ہمارے اگلے آباؤ اجداد بھی دوبارہ اٹھائے جائیں گے کہتے تھے یہ بات تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم کیسے دوبارہ جی اٹھیں گے۔ حالانکہ آج تک تو ہم نے کسی کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ بے شک اگلے بھی اور پچھلے بھی لَمَجْمُوعُونَ البتہ سب کے سب اکٹھے کیے جائیں گے إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ایک مقررہ دن کے وعدے پر، اور یہ وہی قیامت کا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ مگر اصحابِ شمال اس کا انکار کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہیں عذاب میں مبتلا ہونا پڑا۔

اصحابِ شمال کے لیے سزا

آگے اللہ نے ان لوگوں کی مزید تفصیلات بیان فرمائی ہیں کہ جب قیامت کا مقررہ دن آجائے گا۔ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ تو پھر تم اے بہکے ہوئے لوگو جو تکذیب کرتے ہو۔ ایمان، توحید، رسالت اور قیامت کو جھٹلاتے ہو، یاد رکھو! جہنم میں تمہیں یہ سزا دی جائے گی لَآكِلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُّومٍ کہ تم تھوہر کے درخت سے کھانے والے ہو گے۔ جب تمہیں بھوک ستائے گی تو کھانے کے لیے تھوہر کا پھل دیا جائے گا۔ جو نہایت ہی کڑوا اور تکلیف دہ ہو گا۔ اس درخت کا ذکر قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ الدخان میں فرمایا إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿۴۴﴾ گنہگاروں کا کھانا تھوہر کا

درخت ہوگا جو حلق میں پھنس کر رہ جائے گا۔ فرمایا یہ لوگ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ اسی تھوہر سے پیٹوں کو بھرنے والے ہوں گے۔ بھوک کو مٹانے کے لیے تھوہر کا درخت ملے گا؟ اور پھر جب پیاس ستائے گی فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ تو کھولتا ہوا پانی پینے والے ہوں گے فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ پس وہ تونسے ہوئے اونٹ کی طرح پینے والے ہوں گے۔ گرم ممالک میں جہاں نقل و حمل اونٹ پر موقوف ہے۔ وہاں پانی کی کمی کی وجہ سے اونٹوں کو عموماً پانچویں دن پانی پہلے جایا جاتا ہے۔ اور وہ پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اصحاب شمال کے متعلق بھی فرمایا کہ سخت پیاس کی وجہ سے وہ پیاسے اونٹوں کی طرح پانی پئیں گے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ انسانوں میں استسقا جیسی بیماری اونٹوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس بیماری کے دوران انسان یا جانور کو سخت پیاس لگتی ہے مگر وہ کتنا بھی پانی پی جائے اُس کی پیاس دور نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر بار پانی پینے سے پیاس میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اونٹوں میں یہ تونس کی بیماری کہلاتی ہے تو فرمایا جہنمی لوگ پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گے جیسے تونس کی بیماری والے اونٹ پانی پیتے ہیں۔ مگر یہ کھولتا ہوا پانی اتنا بدمزہ اور تکلیف دہ ہوگا کہ اس کا ایک گھونٹ آنتوں کو کاٹ کر باہر پھینک دے گا۔

فرمایا هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ انصاف کے دن ایسے لوگوں کی یہی مہمان نوازی ہوگی۔ اس سزا کو اللہ تعالیٰ نے تحکمانہ طور پر مہمان نوازی کا نام دیا ہے عربی ادب میں تکلیف دہ چیز کو مجازی طور پر مہمان نوازی سے تعبیر کیا جاتا ہے عرب لوگ کہتے ہیں۔

وَكُنَّا اِذَا الْجَبَّارُ بِالْجَيْشِ ضَافَنَا
جَعَلْنَا الْقَنَا وَالْمُرْهَفَاتِ لَهٗ نُزُلًا

جب کوئی جبار آدمی عظیم لشکر لیکر ہمارا مہمان بنتا ہے یعنی ہم پر چڑھائی کرتا ہے، تو ہم اُس کی مہمان نوازی نیزوں اور تیز تلواروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسی محاورے کے مطابق اللہ نے گنہگاروں کی سزا کو مہمان نوازی کے ساتھ تعبیر کیا ہے فرمایا ان کی مہمان نوازی ان سزاؤں کے ساتھ کی جائے گی۔

درس چہارم ۴ آیت ۵۷ تا ۷۴

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ ع ۲ ۱۵

ترجمہ:۔ ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے، پس تم کیوں نہیں تصدیق کرتے ﴿۵۷﴾ بھلا دیکھو جو تم قطرۂ آب

ٹپکاتے ہو (۵۸) کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں (۵۹) ہم نے مقدر کی ہے تمہارے درمیان موت اور نہیں ہیں ہم عاجز آنے والے (۶۰) ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم تبدیل کر دیں تمہاری طرح کے اور لوگ ، اور تمہیں وہاں اٹھائیں جہاں تم نہیں جانتے (۶۱) اور البتہ تحقیق تم نے جان لیا ہے پہلی دفعہ کا اٹھان ، پس تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے (۶۲) بھلا دیکھو جس کو تم بوتے ہو (۶۳) کیا تم اُس کو اگاتے ہو یا ہم ہیں اس کی کھیتی کرنے والے (۶۴) اگر ہم چاہیں تو کر دیں اُس کو روندا ہوا ، پس ہو جاؤ تم باتیں بناتے ہوئے (۶۵) کہ بیشک ہم پر تاوان ڈال دیا گیا ہے (۶۶) بلکہ ہم محروم کر دیے گئے ہیں (۶۷) بھلا دیکھو وہ پانی جو تم پیتے ہو (۶۸) کیا تم نے اتارا ہے اُس کو سفید بادلوں سے یا ہم ہیں اتارنے والے (۶۹) اگر ہم چاہیں تو کر دیں اُس کو کھاری ، پس کیوں نہیں تم شکر ادا کرتے (۷۰) بھلا دیکھو وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو (۷۱) کیا تم نے پیدا کیا ہے اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے (۷۲) ہم نے بنایا ہے اس کو یاد دہانی کے لیے اور سامان فائدہ اٹھانے کے لیے صحراؤں میں چلنے والے لوگوں کے لیے (۷۳) پس آپ تسبیح بیان کریں اپنے پروردگار کے نام کی جو عظمتوں کا مالک ہے (۷۴)

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا ذکر کیا ہے۔ قیامت واقع ہونے کے بعد انسان تین گروہوں سابقین ، اصحابِ یمین اور اصحابِ شمال میں تقسیم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی

جزائے عمل کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے۔ پھر اللہ نے توحید، رسالت، قرآن کی صداقت و عظمت اور معاد چاروں مضامین بیان فرمائے ہیں اب اِن آیات میں پہلے توحید اور قیامت کے کچھ دلائل بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد رسالت اور قرآن کی عظمت کا ذکر آ رہا ہے۔

تخلیق انسانی بطور دلیل

ارشاد ہوتا ہے نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ ہم نے پیدا کیا ہے، تم کو فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ پس تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ہر چیز کا خالق تو اللہ ہے جس سے کوئی بھی صاحب عقل انکار نہیں کر سکتا جب خالق، مالک، مدبر اور متصرف وہ ہے تو پھر وہ موت طاری کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اگر یہ بات سمجھ میں آتی ہے تو پھر تم اُس کی وحدانیت، وقوعِ قیامت اور بعث بعد الموت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ بھلا تم اِن چیزوں کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟ پھر تخلیق انسانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ بھلا دیکھو تو کہ تمہارا کام تو صرف اتنا ہے کہ تم عورت کے رحم میں قطرۂ آب ٹپکا دیتے ہو۔ اور اس کے بعد ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ رحمِ مادر میں پرورش پانے والے بچے کو تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ اللہ نے تخلیق انسانی کو ایک عام فہم دلیل کے ذریعے سمجھایا ہے کہ آدمی کا کام تو صرف اس قدر ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ مجامعت کر کے علیحدہ ہو جاتا ہے، اور پھر نو ماہ کے عرصہ میں اُس قطرۂ آب کو مختلف حالتوں سے گزار کر اُسے گوشت پوست اور ہڈیوں کے مجموعہ کی صورت میں شکمِ مادر میں کون پرورش کرتا ہے۔ اللہ نے سورۃ المومنون میں اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے کہ جب مرد نے عورت کے رحم میں قطرۂ آب ٹپکا دیا۔ تو ہم نے اس نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر لوتھڑے سے بوٹی بنائی، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اُس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (آیت - ۱۴) پس خدا تعالیٰ بڑا ہی بابرکت ہے۔ جو بہترین بنانے والا ہے۔ حدیث شریف میں بھی پیدائش کی بعض

تفصیلات بیان ہوئی ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ میں مختلف تبدیلیوں کے ذریعے بچے کی تکمیل کرتا ہے اور ہر تبدیلی چالیس[۴۰] دن کے بعد عمل میں آتی ہے حتیٰ کہ بچے کے اعضا، جوڑ، ہڈیاں، بال، کھال اور تمام ظاہری اور باطنی قویٰ پیدا ہو کر بچہ مکمل صورت میں باہر آجاتا ہے۔ کائنات میں انسانی جسم ایک پیچیدہ ترین چیز ہے جسے اللہ کے فرشتے اللہ کے حکم سے مقررہ مدت میں مکمل کرتے ہیں۔ نسلِ انسانی کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی جن کو اللہ تعالیٰ نے مٹی جیسی حقیر چیز سے پیدا کیا اور اسی کے وجود سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور پھر اُن کے ملاپ سے نسل انسانی آگے چلنا شروع ہو گئی۔

؎ میرے مالک نے میرے حق میں یہ احسان کیا
خاکِ ناچیز تھا سو مجھے انسان کیا

بہر حال اللہ تعالیٰ نے خود انسانی وجود کو اپنی وحدانیت اور قدرت کی دلیل بنایا ہے اور دریافت کیا ہے کہ کیا تم نے یا کسی حکیم، ڈاکٹر یا سائنس دان نے انسان کو بنایا ہے یا ہم نے بنایا ہے؟ اللہ نے نہ صرف انسان کا جسم بنایا بلکہ اس میں جان ڈالی اور روح پھونکی جو نہایت ہی لطیف اور حیرت انگیز چیز ہے بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھنا بھی بڑا مشکل ہے۔ اور پھر دیکھیں کہ دُنیا میں اربوں انسان موجود ہیں مگر کوئی دو اشخاص شکل و صورت میں بعینہٖ نہیں ملتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے جس کا فرمان ہے هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (آل عمران[۶]) اللہ کی ذات وہ ہے جو ماؤں کے رحموں میں حسبِ منشا تمہاری شکل و صورت بناتا ہے

موت اور دوبارہ بعث

فرمایا، ہم نے تمہیں پیدا کیا، ایک خاص وقت تک زندگی دی اور پھر نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا۔ ایک مقررہ وقت پر ہر شخص موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور پھر کائنات کی مجموعی موت کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے جب یہ پورا سلسلہ کائنات ختم ہو جائے گا، اور پھر حساب

کتاب کی منزل آئے گی، فرمایا، ہم اپنے اس منصوبہ پر بلا روک ٹوک مکمل قدرت رکھتے ہیں وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ اور اس کام سے عاجز آنے والے نہیں ہیں بلکہ ہم اس کام کو لازماً پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ پھر فرمایا ہم اس بات پر بھی قادر ہیں عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ کہ تمھیں ختم کر دیں اور تمھاری جگہ دوسرے لوگ تبدیل کر دیں سورۃ فاطر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ اگر وہ چاہے تو تم کو نابود کر دے اور تمھاری جگہ نئی مخلوق لے آئے۔ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اور تمھیں ہم ایسی جگہ اٹھائیں جس کو تم نہیں جانتے۔ خدا تعالیٰ قادر ہے کہ وہ تمھیں دوسرے جہان میں زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کر دے۔ بعض مفسرین اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ تم انسان بنے پھرتے ہو، ہم چاہیں تو تمھاری شکلیں تبدیل کر کے بندروں اور خنزیروں جیسی کر دیں۔ بعض سابقہ اقوام کو اللہ نے یہ سزا بھی دی۔ لہٰذا تمھیں تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور وقوعِ قیامت کی تصدیق کرنی چاہیئے۔

فرمایا وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى اور البتہ تم پہلی اٹھان یعنی پیدائش کو تو جانتے ہو۔ تمھیں یقین ہے کہ تم خود بھی پیدا ہوئے تھے اور اپنے سامنے دوسروں کو پیدا ہوتے دیکھ رہے ہو۔ پہلی پیدائش سے صرف انسانوں کی نہیں بلکہ تمام حیوانات چرند، پرند اور نباتات کی پیدائش مراد ہے۔ تم ان سب کو پیدا ہوتے دیکھتے ہو۔ فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ پھر اس مشاہدہ سے نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟ یاد رکھو! ؎

بندار کے خوگر کو ناکام بھی دیکھو گے
آغاز سے واقف ہو انجام بھی دیکھو گے

بہرحال اللہ نے ہر چیز کی پہلی تخلیق کا ذکر کر کے دوبارہ تخلیق پر دلیل قائم کی ہے اگر انسان ذرا بھی غور و فکر کرے تو اسے جزائے عمل کی بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

کھیتی باڑی بطور دلیل قدرت

آگے اللہ نے ایک اور دلیل بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ بھلا بتلاؤ کہ تم جو کچھ زمین میں بوتے ہو ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ

اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ کیا یہ کھیتی باڑی تم کرتے ہو یا ہم کرنے والے ہیں؟ پہلے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا تھا کہ تم تو صرف نطفہ ٹپکا دیتے ہو۔ پھر اس کو حسین و جمیل زندہ انسان کی صورت میں کون پیدا کرتا ہے؟ اب یہاں نباتات کا ذکر کیا ہے کہ تم تو زمین تیار کر کے بیج ڈال کر چلے آتے ہو، پھر زمین کو پھاڑ کر وہاں سے انگوریاں کون نکالتا ہے اور اُن کو غلہ، پھل، پھول اور سبزیوں میں کون تبدیل کرتا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو تمہارے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے خوراک اگاتا ہے۔ سورۃ عبس میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ ذرا اپنی خوراک کی طرف دیکھ کر غور کرے کہ بیشک ہم نے ہی آسمان سے پانی برسایا اور زمین کو قابلِ کاشت بنایا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (آیت ۲۶) پھر ہم نے زمین کو چیرا پھاڑا اور اس میں اناج اگایا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (آیت ۳۲) جو تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے خوراک بنتا ہے۔ یہ ہماری مشیت پر منحصر ہے کہ ہم زمین سے غلہ، انگور، ترکاری، زیتون، کھجوریں، گھنے باغات، میوے، اور چارہ پیدا کرتے ہیں۔ اور اگر ہم نہ چاہیں تو تمہاری کاشتکاری اور محنت کے باوجود کچھ پیدا نہ ہو۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ پانی منقطع کر دیتا ہے۔ بارش نہ ہو یا دریاؤں میں پانی کی وجہ سے نہریں بند ہو جائیں، ٹیوب ویل کام کرنا چھوڑ دیں تو فصل کیسے تیار ہو گا۔ اسی لیے فرمایا کہ ذرا سوچ کر بتلاؤ کہ کھیتی باڑی تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو نہ ٹریکٹر کام دیتے ہیں اور نہ کھادیں مفید ثابت ہوتی ہیں، بیج، پانی، کھاد سب بیکار ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا انسان کا فرض ہے کہ وہ زمین تیار کرے، بیج ڈالے، کھاد اور پانی استعمال میں لائے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتظار کرے تاکہ اس کی محنت ٹھکانے لگے اور تمام منازل طے کرنے کے بعد مطلوبہ فصل حاصل ہو۔

فرمایا لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا اگر ہم چاہیں تو کھیتی کو پامال شدہ بنا دیں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تمام مراحل طے کرنے کے بعد فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے مگر کوئی ایسی آسمانی آفت آتی ہے جو اس کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے یا پکی پکائی فصل

آندھی یا سیلاب کی نذر ہو جاتی ہے فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ اور تم باتیں بناتے ہی رہ جاتے ہو، اپنی فصل یا پھل کو برباد ہوتے دیکھ کر تم زبان سے اُس پر افسوس کا اظہار ہی کر سکتے ہو، تم میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ اپنی محنت کو رائیگاں جانے سے بچا سکو۔ اور پھر تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو اِنَّا لَمُغْرَمُونَ کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا ہے کھاد، پانی، بیج اور محنت کا ثمرہ ملنے کی بجائے اپنے پاس سے خرچ کیا ہوا پیسہ بھی ضائع ہو گیا۔ گویا کہ تاوان پڑ گیا۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ بلکہ ہم تو کھیتی کے فوائد سے محروم ہو گئے، ہمیں کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس طرح گویا سر پکڑ کر بیٹھ جاؤ اور یہی کہتے رہو کہ ہمیں تو بڑا نقصان ہو گیا۔ مگر اس افسوس کا بھی کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس قسم کے واقعات ہر روز پیش آتے رہتے ہیں، اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ یہ فصلوں کو اگانے اور انہیں برداشت کرنے کا سہرا تم اپنے سر لینا چاہتے ہو، بھلا سوچ کر بتاؤ کہ کھیتی کو منزل مقصود تک تم پہنچاتے ہو یا ہم پہنچاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حقیقت میں کھیتی باڑی کرنے والے ہم ہیں جو اناج اور پھلوں کو تمہارے گھروں اور گوداموں تک پہنچاتے ہیں۔

نزولِ آب بطورِ دلیل

آگے اللہ نے اپنی وحدانیت، قدرت اور وقوعِ قیامت کی ایک اور دلیل ذکر کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ بھلا اس پانی کو تو دیکھو جو تم روزمرہ پیتے ہو۔ اور سوچ کر بتاؤ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ کیا تم نے اس پانی کو سفید بادلوں سے اتارا ہے یا ہم اس کو اتارنے والے ہیں۔ پانی ایک ایسی نعمت ہے جس پر تمام جانداروں کی زندگی اور نباتات کی نشوونما کا انحصار ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (آیت ۳۰) ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی ہے۔ پانی کی بہم رسانی کا کنٹرول اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے آسمان کی طرف سے بارش ہوتی ہے جس کا پانی چشموں، دریاؤں اور نہروں کی صورت میں دوسرے مقامات پر پہنچتا ہے جس سے لوگ خود ان کے جانور اور کھیت سیراب ہوتے ہیں۔ کچھ پانی زیرِ زمین جمع ہو جاتا ہے جسے کنوؤں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکالا جاتا ہے۔

سورۃ الزمر میں اللہ نے یاد دلایا ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ (آیت ۲۱) پھر اُسے چشموں کی صورت میں زمین میں بہا دیتا ہے جس سے کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پانی اللہ تعالیٰ نازل کرتا ہے جس سے اُس کی مخلوق مستفید ہوتی ہے۔ اگر انسان اس پر ہی غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت اور وقوعِ قیامت کا مسئلہ سمجھ میں آسکتا ہے۔

فرمایا لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو کھاری بنا دیں جو نہ پینے کے کام آسکے اور نہ فصلوں کو سیراب کر سکے۔ اللہ نے تمہیں میٹھا پانی مہیا کر کے تم پر بہت بڑا احسان کیا ہے فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ پس تم اللہ تعالیٰ کے احسان کا کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟ حضور علیہ السلام نے پانی جیسی عظیم نعمت کے اعتراف میں یہ دعا بھی سکھلائی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَقَانَا عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں اپنی رحمت سے میٹھا اور خوشگوار پانی پلایا، اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اُسے کھاری نہیں بنا دیا۔

آگ بطور دلیلِ قدرت

ارشاد ہوتا ہے اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ بھلا بتلاؤ تو یہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ کیا اس آگ کو جلانے کے لیے درخت تم پیدا کرتے ہو یا ہم اُس کو پیدا کرنے والے ہیں؟ ظاہر ہے کہ آگ لکڑی جلانے سے پیدا ہوتی ہے اور لکڑی حاصل کرنے کے لیے درختوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُن کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ لکڑی کے علاوہ معدنی کوئلہ بھی ایندھن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ یہ بھی بڑے سخت قسم کے درخت تھے، جو حوادثات کی وجہ سے زمین کے نیچے دب گئے اور پھر پتھری کوئلہ کی صورت میں تبدیل ہو گئے پھر ان پتھروں اور کوئلے کے درمیان جس کی وجہ سے جو گیس پیدا ہوتا ہے

آجکل اُسے بھی سائنسی طریقہ سے نکال کر استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ گیس پاکستان میں سوئی کے مقام پر دریافت ہوئی، لہذا اُسے سوئی گیس کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ جوں جوں ایندھن کی ضروریات بڑھ رہی ہیں تیل اور گیس کی صورت میں نئے نئے وسائل بھی سامنے آ رہے ہیں۔ غرضیکہ آگ جلانے کا عمومی ذریعہ لکڑی ہی ہے جس کے درختوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ آگ کے درخت تم نے پیدا کیے ہیں یا ہم انہیں پیدا کرنے والے ہیں؟ اب تو سورج کی شعاعوں سے بھی انرجی حاصل کرنے کے لیے تجربات ہو رہے ہیں۔ اللہ نے سورج کی شکل میں بہت بڑا ایندھن جلا رکھا ہے جس کے گھریلو استعمال کے لیے بھی کوشش ہو رہی ہے۔ کامیابی کی صورت میں سورج کی توانائی سے شہر اور دیہات روشن ہوں گے، بڑے بڑے کارخانے، موٹریں اور جہاز چلیں گے۔ یہ توانائی بھی اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو یہ کارخانۂ قدرت چلانا منظور ہے۔ اسی طرح نظامِ شمسی چلتا رہے گا۔ اور جب اس کی میعاد پوری ہو جائے گی۔ تو سارے نظام کے ساتھ ہی سورج کی توانائی بھی ختم ہو جائے گی اور اس طرح قیامت واقع ہو جائیگی۔

ابنِ ماجہ شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ آگ، پانی اور گھاس تین ایسی مشترک اشیا ہیں جن سے فائدہ اٹھانا ہر شخص کا حق ہے اور ان اشیاء سے استفادہ حاصل کرنے سے کسی شخص کو منع نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں۔ ان میں سے کوئی چیز اگر کسی کی ذاتی ملکیت ہو تو پھر مالک کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہوگا۔

فرمایا نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً ہم نے اس آگ کو یاد دہانی کا ذریعہ بنا دیا ہے دنیا کی آگ کو دیکھ کر انسان کو دوزخ کی آگ یاد آنی چاہیئے جس کے متعلق فرمایا نَارُكُمْ هٰذِهٖ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا یعنی دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ گرم ہے۔ جب یہ آگ ہی ناقابلِ برداشت ہے تو دوزخ کی آگ کس طرح برداشت ہوگی۔ انسان کو اس طرف توجہ دینی چاہیئے اور اس سے بچنے کا انتظام کرنا چاہیئے۔ کفر، شرک اور معصیت کی وجہ سے ہی لوگ جہنم میں جائیں گے لہذا ان

چیزوں سے باز آ کر نیکی، ایمان اور توحید کو اختیار کرنا چاہیئے۔ اسی لحاظ سے اللہ نے آگ کو یاد دہانی کا ذریعہ بنایا ہے۔

فرمایا، آگ کو ہم نے یاد دہانی کا ذریعہ بنایا ہے وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ اور یہی آگ صحراؤں کے مسافروں کے لیے فائدے کا سامان بھی ہے۔ جنگلوں اور صحراؤں کے مسافر دوران سفر کھانا پکانے اور دوسری ضروریات کے لیے آگ استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے اسے مسافروں کے لیے مفید چیز قرار دیا ہے۔ اقوی کا معنی محتاج بھی ہوتا ہے۔ یہ معنی بھی درست ہے کیونکہ ضرورت مندوں کے لیے آگ بڑی اہم چیز ہے جس کی کاروبارِ زندگی میں ہر آن ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ بظاہر آگ ہی ایندھن یا گرمی حاصل کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم اگر اس کو وسیع تر معنوں میں لیا جائے تو تیل، گیس، بجلی، شمسی توانائی حتیٰ کہ ایٹمی توانائی سب آگ ہی کا حصہ ہیں اور آج ان چیزوں کی قدم قدم پر ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اگر یہ آگ یا توانائی نہ ہو، تو پوری دنیا گھپ اندھیرا ہو جائے، تمام کارخانے، موٹر گاڑیاں، ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز بند ہو جائیں اور اس طرح پوری دنیا کا نظام ٹھپ ہو کر رہ جائے۔ اسی لیے فرمایا کہ ضرورت مندوں کے لیے یہ آگ بہت بڑے فائدے کا سامان ہے۔

ان انعامات اور دلائل قدرت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ پس آپ عظمتوں والے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ انسان اپنے عقیدے اور عمل کو درست کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور وقوعِ قیامت پر ایمان لے آئے گا اور جزائے عمل کو برحق جان کر اس کے لیے تیاری کرے گا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ :- پس میں قسم اٹھاتا ہوں ستاروں کے ڈوبنے کی ﴿۷۵﴾ اور بیشک یہ قسم ہے بڑی اگر تم جان لو ﴿۷۶﴾ بیشک یہ البتہ قرآن ہے عزت والا ﴿۷۷﴾ رکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں ﴿۷۸﴾ نہیں چھوتے اس کو مگر وہ لوگ جو پاک بنائے گئے ہیں ﴿۷۹﴾ یہ اتارا ہوا ہے رب العلمین کی طرف سے ﴿۸۰﴾ کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو ﴿۸۱﴾ اور ٹھہراتے ہو اپنا حصہ یہ کہ تم اس کو جھٹلاتے ہو ﴿۸۲﴾

ربط آیات

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن لوگوں کے تین گروہوں میں تقسیم ہونے کا ذکر کیا۔ ان میں سے دو گروہ یعنی سابقین اور اصحاب یمین کامیاب ہو کر خدا کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجات حاصل کریں گے اور البتہ اصحاب شمال ناکام ہوں گے اور خدا تعالیٰ کے غضب کے مقام جہنم میں پہنچیں گے۔ اللہ نے پہلی دو اقسام کے لوگوں کو ملنے والے انعامات کا تذکرہ کیا، اور تیسرے گروہ کی سزا کا بیان ہوا۔ اس کے بعد اللہ نے توحید اور قیامت

کے منکرین کا رد کیا، اور اس ضمن میں بعض دلائل کا ذکر بھی کیا۔

اب آخر میں رسالت کا ذکر ہے اور ساتھ ساتھ منکرین قیامت کا رد بھی۔ اس کے علاوہ قرآن کی صداقت و عظمت کا بیان بھی ہے اور پھر جزائے عمل کی بات بھی کی گئی ہے غرضیکہ اس درس میں قدرتِ الٰہی کے نمونے اور نشانیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی توحید سمجھ میں آتی ہے اور ایمان درست ہوتا ہے اور ساتھ ہی وقوعِ قیامت پر بھی نشانی بنتی ہے۔ اس کے علاوہ پیغمبر علیہ السلام کی صداقت اور قرآن کی عظمت کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

قرآن کریم کی عظمت

ارشاد ہوتا ہے فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ پس میں قسم اٹھاتا ہوں ستاروں کے غروب ہونے کی۔ لَآ أُقْسِمُ کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مقام پہ لَا زائد بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم عربی محاورے میں لَا تاکید کے لیے بھی آتا ہے اس لحاظ سے یہ لا تاکیدی ہے جس سے قسم کو مؤکد بنایا گیا ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ میں ستاروں کے غروب کی تاکیداً قسم اٹھاتا ہوں۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہ لَا زائد نہیں بلکہ سابق کلام کی نفی ہے، اور اس کے بعد اگلی بات کی گئی ہے۔ گذشتہ آیات میں مشرکین اور منکرین قیامت کا ذکر تھا۔ اب اللہ نے لا کے ذریعے ایسے لوگوں کے نظریات کی تردید کر کے ستاروں کے ڈوب جانے کی قسم اٹھائی ہے اور پھر قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان کیا ہے فرمایا میں ستاروں کے غروب ہو جانے کی قسم اٹھاتا ہوں وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ اور یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانتے ہو۔ پھر فرمایا إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ بیشک یہ البتہ عزت والا قرآن ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے جسے اُس نے بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہی قرآن بتلاتا ہے کہ اللہ کی توحید پہ ایمان لانا ضروری ہے، اور کفر و شرک سے بیزاری اور نفرت کا اظہار لازمی ہے۔ نیز وقوعِ قیامت اور جزائے عمل برحق ہے۔ یہ ساری باتیں اللہ نے عظیم قسم اٹھا کر بیان کی ہیں۔

مفسرین کے مختلف اقوال

مفسرین کرام نے مواقع النجوم کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ یہ لفظ زمانے کے معنی میں بھی آتا ہے اور جگہ کے معنی میں بھی۔ اس جملے سے ستاروں کے غروب کا وقت مراد ہو یا جگہ، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔ ستاروں، چاند اور سورج کا طلوع و غروب قدرتِ الٰہی کی علامات میں سے ہے۔ ہر چیز پر وہی قادر اور متصرف ہے کائنات کے پورے نظام کو چلانے میں وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ غرضیکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے ہیں۔ جنہیں گذشتہ سورتوں میں مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ستاروں کا غروب، اُن کا زمانہ یا جگہ تو ظاہر بات ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو عظیم قسم سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت سمجھ میں آتی ہے بشرطیکہ لَوْ تَعْلَمُوْنَ یعنی تمہیں سمجھ ہو کیونکہ سمجھ کے بغیر ہر چیز بے سود ہے۔ گویا ستاروں کا غروب اہلِ عقل و فہم کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کی بہت بڑی نشانی ہے۔

بعض مفسرین نے یہ سوال پیدا کیا ہے کہ کیا یہاں پر ستاروں سے یہی فلکیاتی ستارے مراد ہیں جن کا ہم ہر رات مشاہدہ کرتے ہیں یا کوئی اور چیز مراد ہے ؟ فرماتے ہیں کہ ستاروں کا غروب سورج کے طلوع کی علامت ہوتی ہے۔ چنانچہ ان ستاروں سے یہ ظاہری ستارے مراد نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے انبیاء مراد ہیں جیسا کہ سورۃ النجم میں وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں بنی نوع انسان کے نجوم ہدایت ہوتے ہیں۔ سابقہ انبیاء کا دور ختم ہو چکا ہے گویا وہ تمام ستارے غروب ہو چکے ہیں، اور اب آخری دور کے شمسِ ہدایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے۔ اسی لیے اللہ نے سورۃ الاحزاب میں آپ کو سِرَاجًا مُّنِيْرًا (آیت۔ ۴۶) کا لقب عطا فرمایا ہے۔ یعنی آنحضرت علیہ السلام ہدایت کے روشن چراغ ہیں۔ سورج کو بھی اللہ نے سراج منیر کہا ہے۔ جو ظاہری روشنی دیتا ہے مگر پیغمبر علیہ السلام ہدایت کا نور پھیلاتے ہیں۔

قرآن کی حفاظت کا انتظام

بعض فرماتے ہیں کہ شمس سے قرآن کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ سابقہ کتب اور صحائف سماویہ میں لوگوں نے تغیر و تبدل پیدا کر دیا، اور اب وہ انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے اب اللہ نے آخر میں شمس ہدایت قرآن کے طلوع کا ذکر فرمایا جو ہر طرح سے محفوظ ہے گذشتہ چودہ صدیوں کی تاریخ شاہد ہے کہ دشمنوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود قرآن پاک کی سالمیت پر کوئی حرف نہیں آیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے جیسے اس کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر - ۹) بے شک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ آج اس گئے گزرے زمانے میں بھی دنیا بھر میں کم و بیش ایک کروڑ حفاظ موجود ہیں جس کی وجہ سے قرآن کے ظاہری الفاظ میں تو تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ جہاں تک قرآن کی معنوی تحریف کا تعلق ہے تو اللہ نے اس کا بھی معقول انتظام کر رکھا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے گا۔ جو قرآن، دین اور شریعت میں تحریف کا نوٹس لیتے رہیں گے۔ یعنی غلط باتوں کی نشاندہی کرتے رہیں گے اور اس طرح قرآن کی معنوی تحریف بھی ناممکن ہو جائے گی۔ موجودہ دور میں سر سید نے معجزات کا انکار کیا اور قرآنی آیات کی بہت سی غلط تاویلات کیں جس کا تمام علماء نے متفقہ طور پر رد کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اللہ نے اہلِ حق کو کھڑا کر دیا جنہوں نے اُس کے تمام باطل نظریات کی تردید کی۔ اسی طرح غلام احمد پرویز نے بھی بہت سی تحریفات کی ہیں جن کا علمائے حق نے تعاقب کیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی ظاہری اور باطنی حفاظت کا خود ذمہ لے رکھا ہے اور اس کے لیے مناسب سامان بھی پیدا کر دیا ہے۔ بہر حال اب بنی نوع انسان کی ہدایت اور نجات کا ذریعہ قرآن پاک ہی ہے اسی لیے اللہ نے ستاروں کے غروب ہونے کا ذکر کر کے قرآن حکیم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فرمایا یہ عزت والا قرآن ہے۔ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ جو کہ ایک پوشیدہ

کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ پوشیدہ کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز درج ہے۔ سورۃ البروج میں بھی اللہ نے فرمایا ہے۔ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ o فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (البروج ۲۱، ۲۲) بلکہ یہ قرآن پاک ہے جو لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ اس کے علاوہ یہ حفاظ کے سینوں میں بھی محفوظ ہے، اور کتاب کی صورت میں تو بہر حال ہمارے سامنے موجود ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لوحِ محفوظ کو دنیا کی کسی تختی پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات بے مثال ہیں اسی طرح لوحِ محفوظ بھی بیمثال ہے جو کہ اللہ کے علمِ تفصیلی کا ایک نمونہ ہے۔

قرآن پاک کو چھونے کا مسئلہ

آگے اللہ تعالیٰ نے آدابِ قرآن کے سلسلے میں اس کو چھونے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ قرآن پاک کو نہیں چھوتے مگر پاک بنلائے ہوئے لوگ۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ بظاہر تو یہ ایک خبر ہے کہ قرآنِ کریم کو صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگاتے ہیں مگر دراصل یہ حکم ہے کہ اس کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگائیں اور ناپاک لوگ اس کو نہ چھوئیں۔ اگر يَمَسُّهُ کی ضمیر لوحِ محفوظ کی طرف ہو جس کو یہاں کتابِ مکنون کا نام دیا گیا ہے تو پھر پاک لوگوں سے مراد اللہ کے وہ مقرب فرشتے ہیں جن کو لوحِ محفوظ تک رسائی حاصل ہے کہ وہی اس کو چھو سکتے ہیں۔ اور اگر يَمَسُّهُ کی ضمیر قرآن کی طرف ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ قرآن پاک کو صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں یعنی اس قرآن کو صرف طہارت کی حالت میں ہی ہاتھ لگایا جائے اور ناپاک آدمی اس کو نہ چھوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ طہارت سے مراد کفر و شرک سے پاکیزگی ہے اور چھونے کا مطلب اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اس طرح معنیٰ یہ بنتا ہے کہ قرآن پاک کی تعلیمات سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو کفر، شرک، نفاق، الحاد اور شک سے پاک ہوں۔ پاکیزگی کا عام فہم معنیٰ نجاست سے پاکیزگی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پاک کو بے وضو یا ناپاکی یعنی جنابت، حیض یا نفاس کی حالت میں ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے

کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس معاملہ میں قرآن کے ساتھ وہ دینی کتابیں بھی شامل ہیں جن میں آیات یا احادیث نقل کی گئی ہوں یا ان کی تشریح کی گئی ہو۔ ایسی کتابوں کو بے وضو ہاتھ لگانا بھی مکروہ ہے تاہم قرآن پاک کو چھونا تو سخت کراہیت کا باعث ہے۔

اس بارے میں حضور علیہ السلام کا طرز عمل بھی موجود ہے۔ آپ نے یمن میں عمرو ابن حزمؓ کو خط لکھوایا تھا جس میں دیگر احکام و مسائل کے علاوہ یہ بھی حکم دیا کہ لَا تَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا وَاَنْتَ طَاهِرٌ یعنی طہارت کے بغیر قرآن پاک کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ایمان لانے کا واقعہ مشہور ہے کہ جب آپ کو بتایا گیا کہ آپ کی بہن اور بہنوئی ایمان لا چکے ہیں، تو آپ اُن کے ہاں پہنچے۔ آپ کی بہن قرآن پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی قرآن پاک دیکھنا چاہا تو آپ کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو، پہلے غسل کر کے پاک ہو جاؤ، اس کے بعد تم قرآن کو ہاتھ لگا سکتے ہو۔ چنانچہ آپ نے غسل کیا اور پھر قرآن ہاتھ میں لے کر پڑھا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی قافلہ کسی کافر ملک میں جائے تو قرآن پاک کو ساتھ نہ لے جائے کہیں ایسا نہ ہو کافر لوگ قرآن کو ہاتھ لگا کر اُس کی توہین کا باعث بنیں۔ اگر قافلہ مضبوط ہو اور قرآن کی حفاظت کر سکتا ہو، تو پھر ہمراہ لے جا سکتا ہے اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ ناپاک آدمی قرآن پاک کی جلد پر چڑھی ہوئی چولی کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ یہ قرآن کے ساتھ چپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ البتہ قرآن پاک کے اوپر غلاف چڑھا ہوا ہو تو پھر ایسی حالت میں قرآن کو ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب "منیۃ المصلیٰ" میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ ناپاک آدمی تورات اور انجیل کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ حالانکہ ان کتابوں میں ہزاروں تحریفات ہو چکی ہیں اس کے باوجود اللہ کا نام اور بعض صحیح باتیں بھی چونکہ سابقہ کُتب سماویہ میں موجود ہیں لہٰذا اُن کو بھی بغیر طہارت کے ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے۔

قرآن کی تلاوت کا مسئلہ

حضرت علیؓ کے قول سے حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی اخذ ہوتا ہے، کہ ناپاکی کی حالت میں کسی مرد یا عورت کو قرآن پاک کی زبانی تلاوت بھی نہیں کرنی چاہیئے۔

چنانچہ جنبی آدمی یا حیض و نفاس والی عورت زبان سے بھی قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھے بے وضو ہونے کی حالت میں بھی مناسب تو یہی ہے کہ آدمی قرآن کی تلاوت نہ کرے مگر حضور علیہ السلام کے عمل نے یہ آسانی پیدا کر دی ہے کہ بے وضو آدمی زبانی تلاوت کر سکتا ہے مگر ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ البتہ اللہ کا ذکر ہر حالت میں روا ہے۔ کوئی شخص بے وضو بھی ہو تو وہ سبحان اللہ، الحمد للہ، بسم اللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ، لا الٰہ الا اللہ درود استغفار وغیرہ کا ذکر کر سکتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عورت بچوں کو قرآن پڑھاتی ہو اور وہ ناپاکی کی حالت میں ہو تو وہ زبان سے مکمل آیت نہ پڑھے البتہ اگر ایک ایک لفظ کے ذریعے طالب علم کو سبق دے دے تو کوئی حرج نہیں تاہم اکثر علماء کا خیال ہے کہ ایسی حالت میں جس طرح قرآن کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ اسی طرح اس کی زبانی تلاوت بھی منع ہے۔

نزولِ قرآن

آگے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارا ہوا ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ کوئی جادو، کہانت اور شاعری نہیں ہے بلکہ نہایت ہی مقدس کتاب ہے جو پروردگارِ عالم کی طرف سے وحی کی صورت میں نازل ہوئی اور جس میں ہدایت اور تربیت کا بہترین اور بے مثال پروگرام موجود ہے اس کی آیات نہایت ہی محکم ہیں۔ جس طرح اللہ نے کائنات کی بقا کے لیے نظامِ شمسی قائم کر رکھا ہے، اسی طرح اس نے انسانوں کی روحانی تربیت اور ہدایت کے لیے انبیاء اور کتب سماویہ کا نظام قائم کر رکھا ہے۔ پہلے انبیاء کی کتابوں اور صحیفوں میں تحریفات کر کے گڑبڑ کی گئی، لہٰذا اللہ نے آخری دور کی رشد و ہدایت کے لیے اپنی کامل اور مقدس ترین کتاب نازل فرما کر بنی نوع انسان کی ضروریات کی تکمیل کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ یہ عزت والا قرآن ہے جو وحی کے ذریعے نازل کیا گیا اور جو شکوک و شبہات سے پاک ہے۔

قرآن کے بارے میں مداہنت

فرمایا اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ کیا تم اس بات میں

سستی کرتے ہو؟ جو کتاب اللہ نے وحی کے ذریعے نازل فرمائی ہے۔ اس کے بارے میں مداہنت یا سستی کا اظہار بہت بڑی بات ہے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کا پاکیزہ کلام ہے جو فوز و فلاح کا ضامن ہے۔ جو قوم اس پروگرام کو اپنانے کی کوشش نہیں کرتی وہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مواقع النجوم سے قرآن کی آیات مراد ہیں۔ جس وقت اللہ کے نبی کا عالم قدس سے اتصال ہوتا ہے تو اُس وقت آیاتِ قرآنی اللہ کے نبی کے قلب مبارک پر نازل ہوتی ہیں، اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ ۹۷) بے شک اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے اس قرآن کو آپ کے قلبِ مبارک پر نازل کیا۔ جب حضور علیہ السلام کی بشریت کے تقاضے کمزور ہو جاتے ہیں اور ملکیت کی صفت غالب آجاتی ہے یعنی جس وقت آپ کا بشریت سے ملکیت کی طرف انسلاخ ہوتا ہے تو اس وقت قرآنی آیات ستاروں کی طرح آپ کے قلب پر نازل ہوتی ہیں۔ اس کتاب سے بہتر کوئی پروگرام نہیں ہے، لہٰذا اس سے مداہنت اختیار کرنا افسوسناک ہے۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے اس شکر کے کا سب سے بڑا مورد خود مسلمان ہے۔ دنیا کے کسی مذہب والوں کے پاس آج کوئی صحیح کتاب موجود نہیں۔ مگر جن مسلمانوں کے پاس یہ صحیح کتاب موجود ہے وہ انتہائی سست ہیں کیونکہ وہ اس پر عمل کرتے ہوئے اس کے نظام کو جاری کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان طرح طرح کے مسائل اور مصائب کا شکار ہیں۔ دیگر اقوام کا بھٹک جانا تو قابلِ فہم ہے کیونکہ اُن کے پاس کوئی صحیح اور مکمل پروگرام ہی نہیں ہے مگر مسلمان قرآن کے حامل ہونے کے باوجود اس کی افادیت سے محروم ہیں۔ تاریخی لحاظ سے خلفائے راشدین رضؓ نے اس پروگرام پر عمل کر کے اس کی صداقت کو ثابت کر دیا۔ مگر آج مسلمانوں کی نحوست کی یہی وجہ ہے کہ یہ مداہنت میں آچکے ہیں، قرآن پاک کی تعلیمات سے اغماض برت رہے ہیں اور اس کی بجائے کفر کے نظریات سے راہنمائی حاصل کر

رہے ہیں۔ ایسے نظریات کے اتباع کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ فکر، عمل اور اخلاق سب باطل ہی ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ موجود ہے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (المرسلت ۔ ۵۰) اگر تم قرآن پاک جیسی عظیم الشان اور آخری کتاب پر ایمان نہیں لاؤ گے، تو پھر اس کے بعد کون سی کتاب اور کون سا پروگرام آنے والا ہے، جس پر ایمان لاؤ گے؟۔

اللہ تعالیٰ کا شکر

فرمایا کیا تم قرآن کے بارے میں مداہنت اختیار کرتے ہو وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ اور اس میں تم اپنا حصہ اس طرح ٹھہراتے ہو کہ اس کی تکذیب کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کی اس عظیم نعمت قرآن کے حصول پر شکر ادا کرنے کی بجائے اس کو جھٹلاتے ہو گویا ناشکری کرتے ہو۔ مقام حدیبیہ پر قیام کے دوران بارش ہوگئی تو اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کہ صبح کے وقت میرے بندوں میں سے دو قسم کے بندے ہوں گے ایک وہ گروہ ہے جو مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور ستاروں کا انکار کرتے ہیں اور اس بارش کو صرف میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ مومن لوگ ہیں اور میرے شکر گزار ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں کہ یہ بارش فلاں نچھتر کے طلوع یا غروب کی وجہ سے ہوئی ہے یہ میرے ناشکر گزار بندے ہیں اور جنہوں نے کہا کہ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ کہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہم پر بارش ہوئی ہے۔ وہ ایماندار ہیں۔ تکذیب عمل کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور اعتقاد کے ذریعے بھی۔ شرک کی بے شمار قسمیں مسلمانوں میں بھی رائج ہیں، بے شمار بدعات بھی ایجاد ہو چکی ہیں۔ زندگی اور موت کے کتنے ہی مواقع پر اللہ اور اس کے رسول کے طریقے کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور رسم و رواج پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہی مداہنت فی الدین ہے جس کا اللہ نے شکوہ بیان کیا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی ناشکر گزاری ہے۔ جس کے متعلق اللہ نے کہا ہے کہ تم قرآن کے بارے میں سستی کرتے ہو۔ اس کے بعد متصلاً جزائے عمل کی بات آ رہی ہے۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ ع

ع ۳ / ۴۲ / ۱۶

ترجمہ :- پس کیوں نہیں، جب کہ پہنچتی ہے جان گلے تک ﴿۸۳﴾ اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو ﴿۸۴﴾ اور ہم تم سے اُس کی طرف زیادہ قریب ہوتے ہیں، لیکن تم دیکھ نہیں سکتے ﴿۸۵﴾ پس کیوں نہیں، اگر تم بدلہ نہیں دیے جاؤ گے ﴿۸۶﴾ کیوں نہیں لوٹاتے تم اُس کو اگر تم سچے ہو ﴿۸۷﴾ پھر اگر ہوا وہ مقربین میں سے ﴿۸۸﴾ تو راحت، روزی اور نعمت کے باغ ہیں ﴿۸۹﴾ اور اگر ہوا وہ اصحاب یمین میں سے ﴿۹۰﴾

تو سلامتی ہے تیرے لیے دائیں طرف والوں میں سے (۹۱) اور اگر وہ جھٹلانے والوں میں سے ہے جو بہکے ہوئے ہیں (۹۲) تو مہمانی ہے کھولتے ہوئے پانی کی (۹۳) اور ڈالنا ہے جہنم کی آگ میں (۹۴) بیشک یہ بات البتہ حق اور یقین ہے (۹۵) پس تسبیح بیان کریں آپ اپنے پروردگار کے نام کی جو عظمتوں کا مالک ہے (۹۶)

ربط آیات

ساتویں منزل کے آغاز یعنی سورۃ قٓ سے لے کر سورۃ الواقعہ تک زیادہ تر جزائے عمل ہی کا بیان ہو رہا ہے۔ تاہم ان سورتوں میں دین کے چاروں بنیادی اصول آ گئے ہیں۔ کسی سورۃ میں ایک اصول نمایاں ہے تو دوسری میں دوسرا نمایاں ہے شلاً کسی سورت میں توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تو کسی میں رسالت کا تذکرہ وضاحت کے ساتھ آ گیا ہے۔ کہیں قرآن کی حقانیت و عظمت کا بیان زیادہ ہے تو کہیں وقوع قیامت اور جزائے عمل کا مضمون وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ گذشتہ درس میں قرآن کی صداقت وحقانیت کے متعلق فرمایا کہ یہ قرآن کریم ہے جو لوح محفوظ میں درج ہے اور اس کو صرف ظاہری اور باطنی طور پر پاکیزہ لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ جب ناپاک آدمی اس کو ہاتھ ہی نہیں لگائے گا تو وہ اس سے مستفید کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو اس کی برکات اور اس کے پروگرام سے محروم ہی رہے گا۔ اللہ نے فرمایا کہ اس قرآن کے بارے میں سستی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ خدا تعالیٰ کا اس عظیم نعمت پر شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اب سورۃ کے آخر میں اللہ نے انسانوں کے تین گروہوں مقربین، اصحاب یمین اور مکذبین کے جزائے عمل کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سے پہلے انسان کے نزع کے وقت کا کچھ حال بیان کیا ہے۔

وقت نزع کی حالت

ارشاد ہوتا ہے کہ تمہاری بے بسی کا یہ عالم ہے۔ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ پس کیوں نہیں جب کہ انسان کی جان گلے تک پہنچ جاتی ہے۔ یعنی

اس پر وقت نزع طاری ہو جاتا ہے وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ اور تم اس وقت مرنے والے کی حالت کو دیکھ رہے ہوتے ہو مگر کسی کا کوئی بس نہیں چلتا۔ مریض کے گرد کتنے ہی حکیم اور ڈاکٹر جمع کر دو، وہ ہر قسم کے ٹیکے، گلوکوز اور آکسیجن کے ذریعے پورا زور لگالیں مگر جس کا وقت آچکا ہے، اس کو کوئی نہیں بچا سکتا، اور انسان موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ فرمایا ایسی حالت میں اگرچہ مرنے والے کے عزیز و اقارب اور یار دوست چارہ جوئی کے لیے اس کے قریب تر ہوتے ہیں۔ مگر وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ مگر ہم تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ ہم تو تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ مگر تم ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق - ۱۶) کہ ہم تو انسان کی شہ رگ سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کو انسان کی ظاہری اور باطنی قویٰ پر بھی مکمل کنٹرول حاصل ہے کوئی چیز اس کے قبضۂ اقتدار سے باہر نہیں۔ اگر یہ بات ہے تو پھر تم کیسے سمجھتے ہو فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ کہ تمھیں بدلہ نہیں دیا جائے گا یعنی اس دنیا کی کارکردگی کے متعلق بازپرس نہیں ہو گی اور نہ ہی تمھیں سزا یا جزا ملے گی۔ فرمایا اگر ایسی ہی بات ہے تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تو پھر اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنے عزیز کے جسم سے نکلنے والی روح کو واپس کیوں نہیں لوٹا لیتے۔ اگر ہمت ہے تو اسے موت کے منہ سے نکال کر دکھاؤ۔ ظاہر ہے کہ اگر یہاں تم بے بس ہو تو پھر جب جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ اس کو تم کیسے روک سکو گے اور اپنی کارکردگی کی جوابدہی سے کیسے مستثنیٰ ہو جاؤ گے مطلب یہ ہے کہ تمھیں خدا تعالیٰ کے تصرف اور تسلط کو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا، اور جزائے عمل کی منزل سے گزرنا ہو گا۔

نزع کے وقت مریض بھی بے بس ہوتا ہے۔ جب جان حلق میں آکر اٹک جاتی ہے تو وہ آنے والوں کے منہ کی طرف دیکھ ہی سکتا ہے۔

۷ نَظَرَتْ اِلَیْکَ بِحَاجَۃٍ لَّمْ تَقْضِہَا
نَظَرَ السَّقِیْمِ اِلٰی وُجُوْہِ الْعُوَّدِ

وہ انہیں ایسی نگاہ سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ جس کا مقصد پورا ہونا ناممکن ہو جاتا ہے اس وقت مریض اور عیادت کرنے والے سب بے بس ہو جاتے ہیں اور اللہ کے فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں۔ اب اس روح کو کوئی بھی واپس نہیں لوٹا سکتا۔ اللہ نے انسانوں کی بے بسی کی حالت بیان کر کے انہیں اپنی کمزوری پر غور کرنے کی دعوت دی ہے، اور فرمایا ہے کہ اِن حالات میں تم اس کی توحید اور جزائے عمل کا کیسے انکار کر سکتے ہو؟۔

مقربین کے لیے جزا

آگے اللہ نے محاسبۂ اعمال کے نتیجہ میں اپنے مقربین کی جزا کا ذکر کیا ہے اور انسانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ بھی ایمان اور نیکی کو اختیار کر کے مقربین الٰہی میں شامل ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے فَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ پھر اگر وہ مقربین الٰہی میں سے ہے، یعنی مرنے والا آدمی اپنے عقیدہ و اعمال کی بنا، پر اللہ کا مقرب بندہ بن چکا ہے تو پھر اس کو بشارت مل جاتی ہے کہ اس کے لیے فَرَوْحٌ وَّ رَیْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِیْمٍ راحت، روزی اور نعمت کے باغ ہیں۔ حکم ہوگا کہ تم اللہ کی رحمت کے اس مقام کی طرف چلے جاؤ وہاں تمھارے لیے روح یعنی آرام و راحت کا پورا سامان ہوگا۔ عربی زبان میں ریحان نیاز بو کے پودے کو کہا جاتا ہے جو خوشبودار ہوتا ہے۔ عربی کا مقولہ ہے۔ کُلُّ نَبَتٍ طَیِّبٍ فَھُوَ رَیْحَانٌ عِنْدَ الْعَرَبِ یعنی ہر خوشبودار پودے کو ریحان کہا جاتا ہے، اور اس کا معنیٰ پاکیزہ روزی بھی ہوتا ہے۔ اِس مقام پر یہی معنیٰ زیادہ قرینِ قیاس ہے اور جنتِ نعیم یعنی ہر قسم کی نعمتوں کے باغات ہوں گے جہاں جنتی کی ہر خواہش کی تکمیل ہوگی، بہر حال فرمایا کہ مقربین الٰہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں راحت، پاکیزہ روزی اور نعمتوں کے باغ ہوں گے۔

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ملک الموت کو

حکم ہوتا ہے کہ فلاں آدمی کی جان قبض کرلو فَاِذْ کُرْ رِیْحَۃً تاکہ میں اس کو راحت پہنچاؤں۔ چنانچہ عزرائیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت (ایک روایت میں پانچ سو فرشتوں کا ذکر آتا ہے) کے ساتھ اُس شخص کے پاس آتے ہیں اور اُن کے پاس تین قسم کے رومال ہوتے ہیں جو پاکیزہ خوشبوؤں سے لبریز ہوتے ہیں۔ مرنے والا آدمی اِن خوشبوؤں کو پاکر خوش ہوجاتا ہے اور اس طرح اُسے جان قبض ہونے سے پہلے ہی کامیابی کی بشارت مل جاتی ہے۔

حضرت براءؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب رحمت کے فرشتے جان کنی کے لیے آتے ہیں تو وہ نیک آدمی کو بشارت سناتے ہیں اور کہتے ہیں یٰۤاَیَّتُهَا الرُّوْحُ الطَّیِّبَةُ کُنْتِ تَعْمُرِیْنَهٗ اُخْرُجِیْ اِلٰی رَوْحٍ وَّ رَیْحَانٍ وَّ رَبٍّ غَیْرِ غَضْبَانٍ اے پاکیزہ روح! تونے اس جسم کو آباد رکھا۔ اب راحت، پاکیزہ روزی اور اپنے پروردگار کی طرف نکل چل جو ناراض نہیں ہے۔ اس طرح گویا اُس نیک آدمی کو خوشخبری مل جاتی ہے۔

صاحب تفسیر کبیرؒ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کے دل میں صحیح ایمان اور صحیح عقیدہ ہوگا۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت، جزائے عمل، آسمانی کتب، جملہ انبیاء کرام، ملائکہ اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہوگا۔ اور اُس کا دل کفر، شرک، نفاق، شک اور الحاد سے پاک ہوگا۔ ایسے شخص کو کمال درجے کی راحت اور سکونِ قلب عطا ہوگا۔ کیونکہ اس کے صحیح عقیدے کا تعلق اس کے دل کے ساتھ تھا۔ اور جو شخص زبان سے کلمہ توحید اور کلمہ شہادت ادا کرتا رہا یعنی اس کی زبان بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہی تو اس کے بدلے میں اُسے پاکیزہ روزی نصیب ہوگی۔ اور جس شخص کے اعضاء وجوارح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور نیک اعمال انجام دیتے رہے اُسے اُس کے اعمال کی بدولت نعمت کے باغوں میں جگہ ملے گی۔

غرضیکہ اللہ کے مقرب بندے کو اس کے پاکیزہ دل، پاکیزہ زبان اور پاکیزہ اعمال کی بناء پر اس آیت میں مذکورہ انعامات راحت، پاکیزہ روزی اور نعمت کے باغ

ملیں گے۔

اصحاب یمین کے لیے سلامتی

آگے اللہ نے دوسرے کامیاب گروہ اصحاب یمین کی جزا کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ یہ لوگ اگرچہ مقربین سے درجہ سے کم ہوں گے مگر یہ بھی کامیاب لوگ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق ہوں گے۔ فرمایا وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ اور اگر کوئی شخص دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ پس سلامتی ہے تیرے لیے دائیں طرف والوں میں سے ایسے لوگوں کے لیے ہر طرف سے سلام، سلام کی آوازیں آئیں گی۔ اگر مومن ملیں گے تو السلام علیکم کہیں گے۔ فرشتوں سے ملاقات ہوگی تو وہ کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ (الزمر - ۷۳) تم پر سلامتی ہو تم خوش رہو، اللہ نے تمہیں کتنا اچھا بدلہ دیا ہے۔ اُدھر پروردگار کی طرف سے بھی اعلان ہوگا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰس - ۵۸) کہ رب رحیم کی طرف سے بھی تم پر سلامتی ہو۔ اس طرح گویا ہر طرف سے سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ ایسے شخص کو کسی قسم کی جسمانی، زبانی یا روحانی کوفت نہیں ہوگی، بلکہ ہمیشہ کے لیے امن و عافیت کا دور دورہ ہوگا۔

مکذبین کے لیے سزا

اس کے بعد اللہ نے تیسرے ناکام گروہ کا ذکر فرمایا ہے وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ اور اگر وہ شخص جھٹلانے والوں میں سے ہوگا جو بہکے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے نہ تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو صحیح طور پر سمجھا، نہ نبوت و رسالت کی تصدیق کی، نہ کتب سماویہ، ملائکہ اور تقدیر پر ایمان لائے تو ایسے لوگ مکذبین اور گمراہ شمار ہوں گے۔ فرمایا ایسے شخص کا بدلہ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی کی صورت میں ہوگا۔ یہ ایسا گرم پانی ہوگا کہ جس کا ایک گھونٹ پینے سے آدمی کی آنتیں کٹ کر نیچے گر پڑیں گی وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ اور اس کا بدلہ جہنم میں ڈالا جانا ہوگا۔ ایسے لوگوں کو موت کے وقت بھی اُن کے بُرے انجام سے آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ

تم دنیا کی زندگی کے دوران کِن کاموں میں لگے رہے، تم نے آخرت کے متعلق کبھی سوچا تک نہیں تھا، اب تمھیں تمھارے بُرے عقائد اور بُرے اعمال کا بدلہ ملنے والا ہے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے ایک سخی آدمی عبداللہ ابن جُدعان کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جہنم میں ہے لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ اُس نے اپنی زندگی میں ایک دن بھی نہ کہا کہ پروردگار انصاف کے دِن میری خطائیں کو معاف کر دینا۔ گویا وہ وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا منکر تھا اگرچہ بڑا سخی تھا۔ فرمایا ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے جس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی اور جہنم رسیدگی سے ہوگی۔

اِن تین قسم کے لوگوں کی تین قسم کی جزاؤں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے فرمایا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ بے شک یہ جزا اور سزا بالکل سچی اور یقینی ہے۔ تمھاری طرف سے اِس کو جھٹلانے سے یہ ٹل نہیں سکتی۔ جزائے عمل لازماً واقع ہو کر رہے گا۔ اور مجرمین کو سزا اور مومنین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات ضرور حاصل ہوں گے۔

تسبیح کا حکم

اب سورۃ کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ تسبیح بیان کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ پس آپ اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کریں۔ جو عظمتوں کا مالک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عتاب سے پناہ مانگیں اور اُس کے ثواب کے حصول پر اس کی تعریف، تحمید اور تسبیح بیان کریں اور مکذبین اور گمراہوں کی باتوں پر توجہ نہ دیں بلکہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ خود ان سے انتقام لے گا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اِجْعَلُوهَا فِي رُكُوعِكُمْ یعنی اس کو اپنے رکوع میں رکھ لو۔ اسی لیے ہم رکوع میں یہ تسبیح پڑھتے ہیں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ

پاک ہے میرا پروردگار جو بڑی عظمتوں کا مالک ہے۔ پھر جب سورۃ الاعلیٰ کی پہلی آیت نازل ہوئی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اِجْعَلُوْهَا فِىْ سُجُوْدِكُمْ اس کو اپنے سجدوں میں شامل کر لو۔ چنانچہ سجدہ میں یہی تسبیح پڑھی جاتی ہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلَى پاک ہے میرا پروردگار جو بلندیوں کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ پسندیدہ کلمات ہیں ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جس شخص نے سچے دل اور صحیح عقیدے کے ساتھ کہا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ تو اُس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جاتا ہے اور ہر تسبیح کے بدلے ایسے درخت لگتے چلے جاتے ہیں اسی طرح سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیحین میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ یہ دو کلمات اللہ تعالیٰ کو بڑے پسندیدہ، زبان پر آسان اور وزن میں بھاری ہیں۔

صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ ہم نے سورۃ القمر، سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ پڑھی ہیں۔ اِن میں دین کے سارے بنیادی اصولوں کا ذکر آیا ہے، اللہ تعالیٰ کے انعامات، اور اس کی تعذیبات کا بھی ذکر ہے مگر عجیب بات ہے کہ اِن تینوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام "اللہ" کہیں نہیں آیا۔ یعنی تینوں سورتیں لفظ "اللہ" سے خالی ہیں۔ البتہ اس کے بعد والی سورۃ الحدید کی تقریباً ہر آیت میں لفظ "اللہ" مذکور ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے جس کو وہی بہتر جانتا ہے، ہمارا علم ناقص اور محدود ہے، لہذا ہم اس کی حکمت کو نہیں پا سکتے۔

سورۃ

الحدید

(مکمل)

درس اول ۱ — آیت ۱ تا ۶
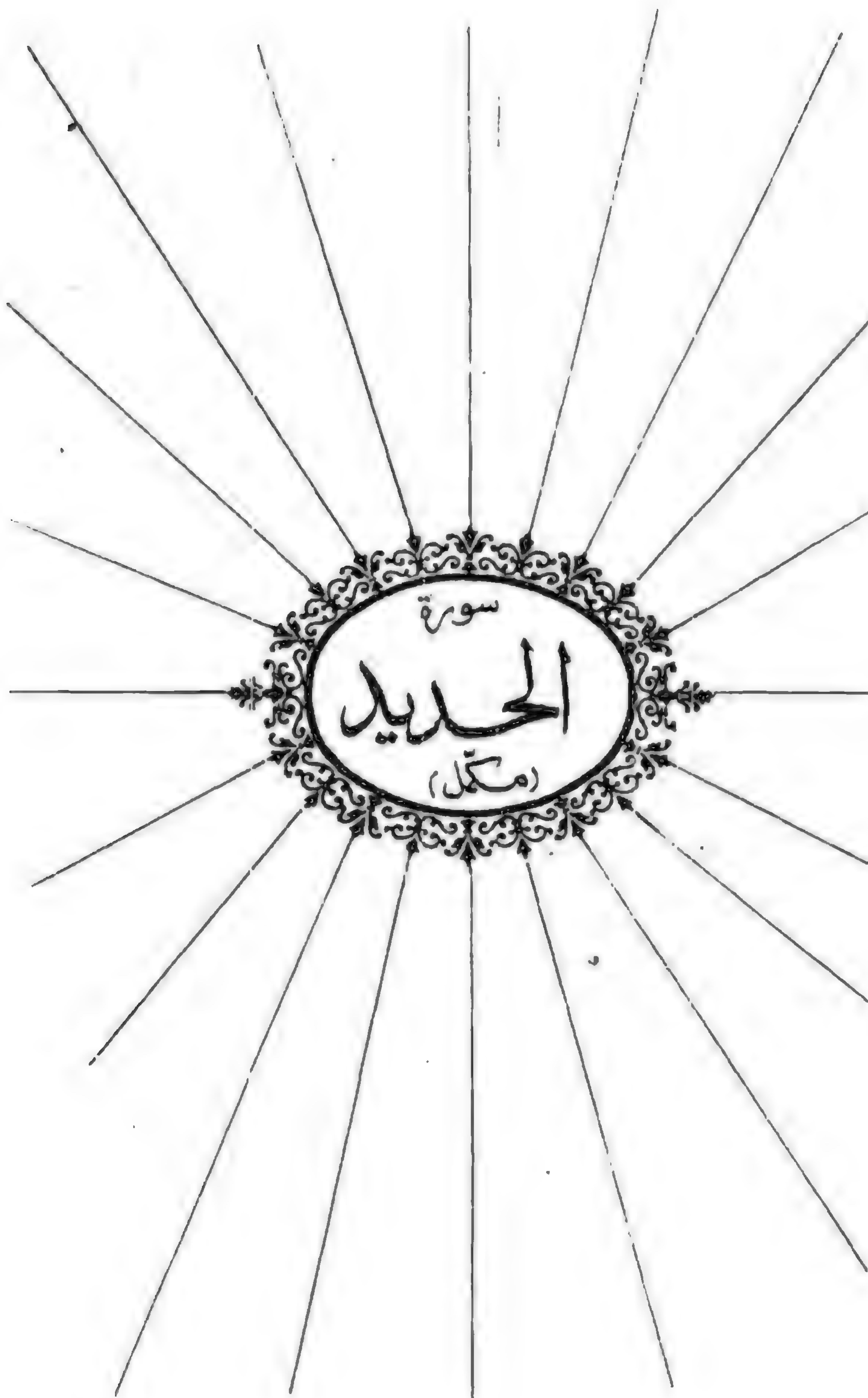
سُورَةُ الْحَدِيدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُونَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحدید مدنی ہے۔ یہ انتیس آیتیں ہیں اور اس کے چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾

ترجمہ:- تسبیح بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جو بھی چیز ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور وہ زبردست اور حکمتوں والا ہے ① اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ② وہی ہے سب سے پہلے اور وہی ہے سب سے آخر میں۔ وہی ہے ظاہر اور باطن، اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ③ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں۔ پھر قائم ہوا وہ عرش پر۔ جانتا ہے جو چیز داخل ہوتی ہے زمین میں اور جو نکلتی ہے اس سے، اور جو اترتی ہے آسمان سے اور جو چڑھتی ہے اُس میں۔ اور وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کام تم کرتے ہو اُس کو دیکھنے والا ہے ④ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام ⑤ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور وہ جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو ⑥

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الحدید ہے جو اس کی آیت۔ ۲۵ میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ حدید لوہے کو کہتے ہیں، اور اس سورۃ میں دیگر مضامین کے علاوہ لوہے کی افادیت اور اس کی ضرورت کا ذکر آرہا ہے۔ سورۃ ق سے لے کر گذشتہ سورۃ واقعہ تک مکی سورتیں تھیں۔ جب کہ یہ سورۃ اور اس کے بعد والی دو مزید سورتیں مدنی ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ سورۃ زلزال کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ کی انتیس ۲۹ آیات اور چار رکوع ہیں اور یہ سورۃ ۵۴۴ الفاظ

اور ۲۴۷۳ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

سابقہ مکی سورتوں کی طرح اس مدنی سورۃ میں بھی دین کے بنیادی عقائد توحید اور اس کے دلائل، وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا ذکر ہے رسالت کے سلسلے میں اللہ نے خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ مدنی سورۃ ہونے کے ناطے اس میں بعض احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر جہاد کی فضیلت اور اس کے لیے مال خرچ کرنے کا بیان ہے۔ جس طرح جہاد میں جان کی قربانی پیش کرنا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح اس سلسلہ میں انفاق فی سبیل اللہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس سورۃ کا سابقہ سورۃ الواقعہ کے ساتھ ربط اس طرح ہے کہ سابقہ سورۃ کے آخر میں حکم تھا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ یعنی اپنے عظمتوں والے پروردگار کی تسبیح بیان کریں۔ اور اس سورۃ کی ابتداء میں فرمایا ہے سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمانوں و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہہ

ہر ایماندار شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہہ بیان کرنا لازمی امر ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُن تمام چیزوں سے پاک سمجھا جائے جو اُس کی شان کے لائق نہیں۔ تنزیہہ زبان سے بھی ہوتی ہے، دِل سے بھی اور اعضاؤ جوارح سے بھی۔ زبان کی تسبیح تو اللہ تعالیٰ کے لیے پاک کلمات سبحان اللہ، الحمد للہ اللہ اکبر وغیرہ کا ادا کرنا ہے۔ دِل کی تنزیہہ یہ ہے کہ انسان کفر، شرک، الحاد شک وغیرہ سے بچ جائے، اور دِل میں کوئی ایسی بات نہ رکھے جو اللہ تعالیٰ کی پاکی کے خلاف ہو۔ اس کے علاوہ اعضاؤ جوارح کے ذریعے تنزیہہ یہ ہے کہ انسان نماز، روزہ، حج جیسی عبادات انجام دے، اور اس طرح زبان کے ——— ساتھ اُس کے اعضاؤ جوارح بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں شریک ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو حقیقت میں بھی یہی چیز اللہ کی تنزیہہ اور پاکیزگی پر دلالت کرتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ آسمانی مخلوق ملائکہ اپنی مرضی اور اختیار سے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ (الانبیآء - ۲۰) وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں مگر تھکتے نہیں۔ اس کے علاوہ کائنات کی تمام چیزیں مثلاً آسمانی کرے، انسان، حیوانات، نباتات اور جمادات سب اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل - ۴۴) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے اُس کی تعریف کے ساتھ مگر تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے اُن کی زبان کو اللہ ہی جانتا ہے جس کے ساتھ وہ چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ تمام نباتات، درختوں کے پتے، حیوانات، سمندروں کی مخلوق اور ابر و باد سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اُن کی تسبیح کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس کی وہ تسبیح کرتے ہیں مگر انسان اُس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اسی طرح سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (آیت - ۴۹) آسمان و زمین کی ہر چیز اور جانور اور فرشتے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ البتہ انسانوں میں سے بہت لوگ ہیں۔ جو اپنے اختیار اور ارادے سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو نہ سجدہ کرتے ہیں اور نہ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے ہیں، ایسے لوگ کافر، مشرک، یا دہریے ہوتے ہیں۔ تاہم فرمایا کہ اگر کوئی انسان سجدہ یا تسبیح بیان نہیں کرتا تو اس کا سایہ تو بہرحال سجدہ ریز ہوتا ہے جیسے فرمایا وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (الرعد - ۱۵) جو بھی آسمان اور زمین میں ہے وہ خوشی یا ناخوشی سے اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور اُن کے سائے بھی

صبح شام سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ کسی کے سائے کا مشرق و مغرب کی طرف جھکنا ہی اُس کی سجدہ ریزی کا ثبوت ہے۔ اسی طرح ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے کہ وہ پروردگار تمام عیوب و نقائص اور ہر اُس چیز سے پاک ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ اور تحمید کا معنی یہ ہے کہ تمام صفاتِ کمال اللہ تعالیٰ کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اللہ کے فرشتے سُبْحٰنَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ جیسے پاکیزہ کلمات سے اُس کی تنزیہہ بیان کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کا کم از کم اتنا حصہ ضرور ہونا چاہیئے کہ وہ دن میں سو مرتبہ ان کلمات کو ادا کرے فرمایا ہر چیز اُس کی تسبیح بیان کرتی ہے وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور وہ ذات غالب، زبردست اور حکمتوں کی مالک ہے۔ ہر جگہ اُسی کا اختیار ہے اور اُسی کا حکم چلتا ہے۔ ہر چیز کو وہی پیدا کرتا ہے اور وہی فنا کرتا ہے۔ اس طرح توحید کی بات بھی ذہن میں آجاتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جن سورتوں کی ابتدا تسبیح سے ہوتی ہے۔ مثلاً یہی سورۃ الحدید یا سورۃ الصف یا سورۃ الجمعہ وغیرہ حضور علیہ السلام اِن سورتوں کو رات کے وقت سونے سے پہلے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اِن سورتوں کو مسبحات کہا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ ان سورتوں میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں سے زیادہ فضیلت والی ہے اور وہ ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ .... الآیۃ یعنی سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت۔

آسمان و زمین کی بادشاہت

فرمایا ارض و سما کی ہر چیز اُسی وحدہٗ لاشریک کی تسبیح بیان کرتی ہے کیونکہ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت بھی اسی کی ہے۔ کائنات کا کوئی گوشہ اُس کی سلطنت سے باہر نہیں، لہٰذا مکمل تسلط

اور تصرف بھی اسی کا ہے یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت طاری کرتا ہے، گویا موت و حیات کا سررشتہ اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور ہر چیز فنا بھی اسی کے حکم سے ہوگی۔ مخلوق میں سے بعض پہ فنا طاری ہوتی ہے، اور بعض ایسی مخلوق ہے کہ اس کی ذات میں ہی فنا پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ممکن چیز کا وجود اور عدم برابر ہے۔ جب اس کے خالق نے چاہا اُس کو موجود کر دیا اور جب چاہا معدوم کر دیا۔ اپنی ذات سے قائم و دائم صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تمام چیزیں خواہ وہ ارضی ہوں یا سماوی، علوی ہوں یا سفلی، ملائکہ مقربین ہوں یا جن و انس سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ (الزمر-۶۲) ہر چیز کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور ہر چیز کا کارساز، مدبر اور متصرف بھی وہی ہے وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، کوئی چیز بھی اس کے اختیار سے باہر نہیں۔

اوّل و آخر ظاہر و باطن

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی مزید صفات کا ذکر کیا ہے۔ جس سے اس کی وحدانیت اور قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ سب سے پہلے بھی وہی ہے اور سب سے آخر میں بھی وہی ہے۔ اوّل سے مراد یہ ہے کہ اس کی کوئی ابتدا نہیں یعنی وہ ازلی ہے اور آخر کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں اور وہ ابدی ہے۔ حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ سِوَاہُ شَیْءٌ ایک وقت ایسا تھا جب صرف اللہ کی ذات تھی اور اُس کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ اسی طرح ایک وقت آئے گا جب صرف اللہ کی ذات باقی رہ جائیگی اور اس کے سوا کوئی چیز نہ ہوگی۔

فرمایا وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ظاہر بھی وہی ہے اور باطن بھی وہی ہے ظاہر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہیں جن سے اس کی ہستی کا اندازہ ہوتا ہے، گویا وہ اپنی نشانیوں اور آثار کے اعتبار سے ظاہر ہے۔ اور باطن اس اعتبار سے ہے کہ اُس کا ادراک عقل یا حواس کے ذریعے ممکن

نہیں۔ خدا کی ذات وراء الوراء ہے، وہ بہت لطیف اور باطن ہے۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ باطن باعتبار معرفت ہے۔ یعنی جن چیزوں کو انسان جانتا ہے ان میں سے سب سے دقیق، لطیف اور پیچیدہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ اُس کی ذات تک مخلوق کی رسائی ممکن نہیں۔ اسی لیے فرمایا لَا فِكْرَةَ فِی الرَّبِّ یعنی خدا تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ بلکہ اُس کو اس کی صفات کے مظاہر سے پہچانو۔ اس بات میں غور کرو کہ یہ انواع و اقسام کی مخلوق کس نے پیدا کی ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق سمجھ میں آ گئی۔ پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر جانور کو کس طرح روزی بہم پہنچاتا ہے۔ اس سے اس کی صفتِ رزاقیت عیاں ہوتی ہے۔ ذرا غور کرو کہ ہر چیز کو حدِ کمال تک کون پہنچاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کا کرشمہ ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کی مخلوقات اور مصنوعات سے سمجھا جاتا ہے براہ راست اُس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

فَفِی كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

ہر چیز میں اس کی وحدانیت کی دلیل پائی جاتی ہے۔ سعدی صاحبؒ نے بھی کہا ہے کہ پہچان والے لوگوں کے لیے درختوں کے سبز پتے ہی اللہ کی معرفت کے دفتر ہیں۔ اور مظاہر قدرت ہی اس کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔

حدیث میں یہ بھی آتا ہے اَنْتَ الظَّاهِرُ وَلَيْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ تو اس قدر غالب ہے کہ تیرے اُوپر کوئی چیز نہیں۔ یعنی تو ہی سب پر غالب ہے تیرے اُوپر کسی کا غلبہ، تصرف، یا اقتدار نہیں وَاَنْتَ الْبَاطِنُ وَلَيْسَ وَرَاءَكَ شَیْءٌ اور تو باطن ہے کہ تجھ سے ورے یعنی تجھ سے پوشیدہ کوئی چیز نہیں۔ الغرض! پیدا کرنا، زندہ کرنا، موت دینا، کائنات کا بادشاہ ہونا، قدرتِ تامہ کا مالک ہونا، ازلی اور ابدی ہونا، علامات کے اعتبار سے نمایاں اور ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن میں کوئی

دوسری ہستی شریک نہیں۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اُس کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

آسمان و زمین کی تخلیق

ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن کے وقفے میں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو ایک لحظہ میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ مگر چھ دن کے وقفہ میں بھی اُس کی خاص مصلحت ہے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اتنے عرصہ میں پیدا کرنے سے انسان کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ ہر کام تدریج ہونا چاہیے کیونکہ۔ اَلتُّؤَدَةُ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ آہستگی اور پختگی رحمانی کام ہے جب کہ جلد بازی شیطانی کام ہے۔ انسانوں کو یہ سمجھایا گیا ہے، کہ کسی کام میں جلد بازی نہ کرو۔ کہ اس سے کام خراب ہو کر ندامت کا باعث بنتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ چھ دن سے کتنا عرصہ مراد ہے تو اس سے ہماری دنیا کے نظام شمسی والے چوبیس گھنٹے والے دن مراد نہیں بلکہ اللہ کے نزدیک كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (السجدۃ - ۵) ایک دن کی مقدار ہزار سال کے برابر ہے۔ اللہ نے اپنی مصلحت کے مطابق کائنات کو گویا چھ ہزار سال کے عرصہ میں پیدا فرمایا۔ فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ قرآن میں استویٰ علی العرش کا کئی مقامات پر ذکر آیا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا اس طرح نہیں جس طرح ہم کسی پلنگ، کرسی یا تخت پر بیٹھتے ہیں، بلکہ اللہ کا استویٰ اس طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے اور جو ہماری عقل و فہم سے بالا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے استویٰ علی العرش کا مطلب یہ ہے کہ وہ عرش پر اپنی تجلی اعظم ڈالتا ہے جس سے سارا عرش اور اُس سے نیچے ساری کائنات رنگین ہو جاتی ہے اور پھر اس تجلی کے تغیرات اور آثار پلٹ کر واپس چلے جاتے ہیں یہ تجلیات کب سے پڑ رہی ہیں۔ اور کب تک پڑتی رہیں گی۔ اِس کو کوئی انسان نہیں جان سکتا۔

اللہ کا علم محیط

فرمایا علم محیط صرف اللہ تعالیٰ کا ہے یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز زمین سے نکلتی ہے۔ زمین میں داخل ہونے والی اشیاء میں بارش کا پانی، نباتات کے بیج اور خود مرنے والے انسان ہیں۔ اس سے نکلنے والی چیزوں میں پانی، تیل، گیس، سونا، چاندی، لوہا، کوئلہ، غلہ، سبزیاں، پھل اور پھول ہیں۔ غرضیکہ ہر قسم کی نباتات اور معدنیات زمین ہی سے نکلتی ہیں۔ جن سے انسان اور دیگر جاندار مستفید ہوتے ہیں۔ فرمایا ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

فرمایا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا اللہ تعالیٰ اُن اشیاء کو بھی جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں اور جو اُس کی طرف چڑھتی ہے آسمان سے نازل ہونے والی اشیاء، بارش، قضا و قدر کے فیصلے، روزی کا حکم، ترقی و تنزل کا فرمان وغیرہ ہیں اور اس کی طرف چڑھنے والی چیزوں میں فرشتے ہیں جو اُوپر جاتے ہیں اور نیچے بھی آتے ہیں۔ انسانوں کے اعمال بھی اُوپر جا کر حظیرۃ القدس میں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں بھی اللہ کے علم میں ہیں۔

معیت خداوندی

پھر ارشاد ہوتا ہے وَہُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو۔ اگلی سورۃ المجادلۃ میں آ رہا ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتے سرگوشی کرنے والے تین مگر ان کے پاس چوتھا وہ ہوتا ہے اور نہیں ہوتے پانچ مگر چھٹا وہ ہوتا ہے اس سے کم ہوں یا زیادہ اِلَّا ہُوَ مَعَہُمۡ اَیۡنَ مَا کَانُوۡا (المجادلۃ: ۷) مگر وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی ہوں۔

محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ معیت اس کے علم، قدرت اور تصرف کے ساتھ ہے۔ تاہم دوسرے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق معیت ہے۔ یعنی یہ علم، قدرت اور تصرف کے ساتھ تو ہے ہی، مگر ذاتی معیت بھی ہے۔ وہ ذاتی اعتبار سے بھی تمہارے ساتھ ہے۔ جیسا کہ سورۃ ق میں گزر چکا

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (آیت ۔ ۱۶) ہم تو انسان کی شہ رگ سے بھی اُس کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ معیت ذاتی ہونے کے ساتھ ساتھ بے کیف بھی ہے یعنی اس کی کیفیت کو کوئی بیان نہیں کر سکتا کیونکہ اس کو مخلوق کی ایک دوسرے کے ساتھ قربت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ہست رب الناس را با جان ناس
اتصال بے تکیف بے قیاس

اللہ تعالیٰ کی ذات کو لوگوں کی جانوں کے ساتھ اتصال حاصل ہے۔ مگر یہ معیت کیفیت اور قیاس کے بغیر ہے، ہم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے۔ رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں بھی اہلِ حق اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آخرت میں اہلِ ایمان کو حاصل ہوگی۔ مگر اس کی کیفیت کو آج کوئی نہیں بیان کر سکتا بہر حال اللہ تعالیٰ کی معیت ہر انسان کے ساتھ ذاتی بھی ہے مگر بے کیف۔

اللہ کی حاکمیت اعلیٰ

فرمایا وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ اور جو کام تم کرتے ہو اللہ دیکھنے والا ہے۔ تمہارے اعمالِ حسنہ یا سیئہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے تسلط سے کوئی چیز باہر نہیں۔ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور تمام معاملات اُسی کی طرف لوٹ کر جاتے ہیں۔ انسانوں کے تمام اعمال قیامت والے دن اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور پھر وہ ہر ایک کی جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔ انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے صحیح صحیح علم حاصل کریں۔ اسی علم سے انسان کو حقیقی حیات نصیب ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی اچھا نظام قائم ہوگا، اس کو قائم کرنے والی صالح جماعت ہی ہوگی جس کا اعتقاد، اخلاق اور اعمال صحیح ہوں گے۔ ایسی جماعت کے بغیر اسلامی نظام کا قیام ممکن نہیں۔ ہمارے ملک میں صحیح نظام جاری کرنے کے دعویدار بد کردار، نیم ملحد، دہریے، رافضی۔ قادیانی اور ایسے

ہی دورِ حاضر کے بے دین لوگ ہیں جن سے صالح نظام کی توقع عبث ہے، یہ لوگ نہ اسلامی نظام کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کر سکتے ہیں اگر سمجھ بھی جائیں تو یہ ان کے مزاج کے خلاف ہو گا۔ لہٰذا وہ کبھی بھی اس کو رائج کرنے کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ زبانی کلامی اس کی تعریفیں کرتے رہیں گے۔ دنیاوی اعتبار سے تو یہ لوگ بے وقوف نہیں ہیں بلکہ ان میں فکرِ معاش تو کمال درجے کی ہے، البتہ ان میں فکرِ معاد کا فقدان ہے۔ دنیا کی سپر طاقتیں اور ان کے نمائندے سب ایسے ہی ہیں۔ قرآن کے نظام کو صرف نیک لوگ ہی جاری کر سکتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ ہی کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور تمام چیزیں اُس کی طرف لوٹ کر جانے والی ہیں۔ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ کبھی رات بڑی ہوتی ہے اور کبھی دن بڑا ہوتا ہے اور اسی بناء پر سال بھر میں چار موسم گرما، سرما، بہار اور خزاں آتے ہیں۔ یہ تمام ظاہری تصرفات اور تقلبات اُس کی قدرت اور حکمت کی علامات ہیں۔ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور وہ دلوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ اُس کو علم ہے کہ کس کے دل میں توحید ہے یا کفر، شرک، ایمان ہے یا نفاق، الحاد اور شک۔ وہ ہر ایک کو اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ ع ۱۰/۱۷

ترجمہ:۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر ، اور خرچ کرو اُس میں سے جس میں اُس نے تمھیں نائب بنایا ہے پہلے لوگوں کا ۔ پس وہ لوگ جو ایمان لائے تم میں سے اور خرچ کیا انہوں نے ، اُن کے لیے بڑا اجر ہے ﴿۷﴾ اور کیا ہے تمہارے لیے کہ تم ایمان نہیں لاتے اللہ پر درآنحالیکہ رسول تم کو بلاتا ہے تاکہ تم ایمان

لاؤ اپنے رب پر۔ اور تحقیق اُس نے لیا ہے تم سے پختہ عہد، اگر تم ایمان والے ہو ⑧ وہ وہی ذات ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں واضح تاکہ وہ نکالے تمھیں اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ البتہ بہت شفقت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ⑨ اور کیا ہے تم کو کہ تم نہیں خرچ کرتے اللہ کے راستے میں، اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی۔ نہیں برابر تم میں سے وہ جنھوں نے خرچ کیا فتح سے پہلے اور لڑائی کی۔ یہ لوگ بڑے درجے والے ہیں اُن لوگوں سے جنھوں نے خرچ کیا بعد (فتح کے) اور لڑائی کی۔ اور ہر ایک سے اللہ نے خوبی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو، اس کی خبر رکھنے والا ہے ⑩

ربط آیات

سورۃ کے آغاز میں ارض و سما کی ہر چیز کی تسبیح بیان کرنے کا ذکر ہوا۔ اللہ کی قدرت میں سے موت و حیات کی صفت بیان ہوئی، پھر اس کے اوّل، آخر، ظاہر اور باطن ہونے کا ذکر ہوا اور اس کے قادرِ مطلق اور علیمِ کُل ہونے کی صفت بیان ہوئی۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس نے ارض و سما کو چھ دن کے وقفہ میں تخلیق کیا اور وہ عرش پر مستوی ہے۔ نیز یہ کہ وہ ارض و سما میں داخل ہونے والی اور نکلنے والی، نازل ہونے والی اور اُوپر چڑھنے والی ہر چیز کو جانتا ہے۔ اللہ نے ہر شخص کے ساتھ اپنی معیت کا تذکرہ فرمایا اور یہ بھی کہ وہ انسانوں کے دلوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔ اللہ نے پوری کائنات میں اپنی سلطنت کا دعویٰ کیا اور یہ بھی کہ تمام معاملات اُسی کی طرف لوٹتے ہیں۔

توحید و رسالت پر ایمان

اب اللہ نے پہلے ایمان کی درستگی کا ذکر کیا اور پھر جہاد فی سبیل اللہ میں

مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے ارشاد ہوتا ہے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ
لوگو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ کی وحدانیت کو صحیح طریقے سے
مانو۔ ایمان کے بغیر نہ انسان کی فکر پاک ہو سکتی ہے اور نہ ہی عقل اور فہم۔ ایمان کے
بغیر انسان کے اعمال کی سمت بھی درست نہیں ہو سکتی۔ فلاح اور کامیابی کی منزل
حظیرۃ القدس تک ایمان کے بغیر پہنچنا ممکن نہیں۔ اس بات کی وضاحت اللہ
تعالیٰ نے قرآن میں مختلف مقامات پر کی ہے۔ مثلاً سورۃ الانبیاء میں فرمایا۔
فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ
(آیت۔۹۴) پس جس شخص نے نیکی کا کام کیا بشرطیکہ اس میں ایمان موجود ہے تو اس
کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ اعمال کا دارومدار صحیح
ایمان پر ہے۔ اگر ایمان میں شرک کی ملاوٹ ہے یا دل کے کسی گوشے میں کفر،
نفاق، الحاد یا تردد نے ڈیرہ جما رکھا ہے تو ایسے آدمی کی کوئی نیکی اللہ کے ہاں
قابلِ قبول نہیں ہے۔ نجات حاصل کرنے کے لیے خالص ایمان کی ضرورت ہے
وہاں یہود و نصاریٰ والا ایمان نہیں چلے گا۔ وہ تو نبی آخر الزمان کی رسالت کا انکار
کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا ایمان درست نہیں ہے۔ تمام رسولوں پر ایمان لانا جزوِ ایمان ہے

انفاق فی سبیل اللہ کا حکم

ایمان کی درستگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ
مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں پہلوں کا نائب
بنایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس جو مال و دولت ہے وہ تمہارا ذاتی
نہیں ہے بلکہ اللہ نے پہلے لوگوں کی جگہ تمہیں عطا فرمایا ہے جن کے تم جانشین ہو
جَعَلَ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اُس نے یہ مال گزرے ہوئے لوگوں
کو دیا تھا۔ پھر ان کے بعد اللہ نے اُسے تمہاری مجازی ملکیت اور تصرف میں
دے دیا۔ اس لیے کسی شخص کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس نے یہ مال ذاتی محنت و
کاوش کے ذریعے اکٹھا کیا ہے۔ بلکہ یہ تو اللہ کا عطا کردہ ہے اور تم اس کے محض

امین ہو۔ لہٰذا اِس مال کو اللہ کے حکم کے مطابق جائز جگہ پر خرچ کرو، اور جہاں اجازت نہیں وہاں اپنی مرضی سے مت خرچ کرو۔ اس مال کا بہترین مصرف جہاد فی سبیل اللہ یا نیکی کے دیگر کام ہیں۔

پھر اللہ نے اس کے راستے میں خرچ کرنے والے کو بشارت سنائی ہے۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے۔ انہوں نے اللہ کی وحدانیت کو صحیح طریقے پہ مانا، رسالت کو تسلیم کیا، کتب سماویہ، ملائکہ، قیامت اور تقدیر پر ایمان لائے۔ اور اس کے ساتھ وَاَنْفَقُوْا انہوں نے اللہ کی رضا کے لیے اُس کے راستے میں خرچ بھی کیا تو فرمایا، یقین جانو لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ان کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ اس مقام پر اللہ نے ایمان اور انفاق دونوں چیزوں کا ایک ساتھ ذکر فرما کر دونوں پر عملدرآمد کا حکم دیا ہے۔

ایمان باللہ سے انکار

پھر ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ حالانکہ اللہ کا رسول تمہیں بلا رہا ہے کہ اپنے پروردگار پہ ایمان لے آؤ۔ رسول کی دعوت کے باوجود تم اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ آخر تمہارے پاس ایمان نہ لانے کی کون سی دلیل ہے؟ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ حالانکہ تم نے عہد بھی کر رکھا ہے مگر اس کو بھی پورا نہیں کر رہے ہو اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم ایمان لانے والے ہو تو بتلاؤ کہ تم عہد شکنی کر کے اللہ کی وحدانیت کا کیوں انکار کرتے ہو؟

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جس عہد کا ذکر کیا گیا ہے اس سے دو عہد مراد ہو سکتے ہیں۔ پہلا عہد تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں پوری بنی نوع انسان کی روحوں سے لیا تھا۔ یہ عہد الست کہلاتا ہے اور اس کا ذکر سورۃ الاعراف میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے

تمام روحوں کو نکال کر دریافت کیا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (آیت - ۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ تو سب کا جواب تھا۔ قَالُوْا بَلٰى پروردگار کیوں نہیں؟ تو ہی ہمارا رب ہے۔ اللہ نے ہر انسان کی فطرت میں اس عہد کا بیج رکھ دیا ہے اگر دنیا میں آکر کوئی شخص اس عہد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ ماخوذ ہوگا۔ یہ ایسا عہد ہے کہ جس کی یاد دہانی تمام انبیاء اور کُتبِ سماویہ کراتے آئے ہیں۔

دوسرا عہد میثاق النبین کہلاتا ہے جس کا ذکر سورۃ آلِ عمران میں کیا گیا ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (آیت - ۸۱) اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ جب میں نے تمھیں کتاب اور حکمت دی، پھر تمھارے پاس وہ رسول آیا جو اُس چیز کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم ضرور اُس پہ ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ پھر تم نے اقرار کیا کہ ایسا ہی کرو گے اس عہد کے تذکرے سے تمام نبیوں کے امتیوں کو یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ جس چیز پہ تمھارے انبیاء سے ایمان لانے کا عہد لیا گیا، اُس چیز پہ ایمان لانا امتیوں پر بطریقِ اولیٰ فرض ہے۔ لہٰذا اس عہد اور سابقہ کُتب کی پیشین گوئیوں کے مطابق تمام امتوں اور خصوصاً یہود و نصاریٰ پہ لازم آتا ہے کہ وہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری کتاب قرآنِ حکیم پہ ایمان لے آئیں۔

مذکورہ دو عہدوں کے علاوہ جب کوئی شخص ایمان لاتا ہے۔ تو اُس کے ساتھ وہ یہ عہد و پیمان بھی کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے احکام کی تعمیل میں ہر جانی اور مالی قربانی پیش کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ تو اب جب کہ اللہ تعالیٰ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلے میں مالی قربانی کا مطالبہ کر رہا ہے تو پھر اگر تم واقعی ایماندار ہو تو یہ مطالبہ کیوں پورا نہیں کرتے۔

قرآن بطور روشنی

آگے ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں اتارتا ہے

یہاں بندے سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے اور واضح آیات سے مراد قرآنِ کریم کی آیات ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسول پر اپنی آخری کتاب کی آیتیں نازل فرماتا ہے، جس کا مقصد یہ ہے لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔ نزولِ قرآن کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو کفر کے اندھیرے سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف لے آئے، اور معاصی کی تاریکیوں سے نکال کر اطاعت کی روشنی کی طرف لے آئے۔ نیز تم بدعات کے ظلمات سے نکل کر سنت کی روشنی میں آجاؤ۔ کفر، شرک، بدعات، لہو ولعب اور معصیت سب اندھیرے ہیں۔ عقیدہ، روح اور دماغ میں بھی تاریکی پائی جاتی ہے۔ قرآن چاہتا ہے کہ تمھیں ان تمام اندھیروں سے نکال باہر کیا جائے اور تمھارے دلوں میں ایمان اور توحید کی شمع روشن کر دی جائے جس سے تم رسم ورواج کی تاریکیوں سے نکل کر سنت کی روشنی کی طرف آجاؤ، اور تنزل کی تاریکی میں بھٹکنے کی بجائے ترقی کی منزل پہ گامزن ہو جاؤ۔ غرضیکہ قرآن پاک زندگی کے ہر موڑ پہ انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ کا نبی اس کی تشریح کرتا ہے اور تمام چیزوں کو کھول کر واضح کرتا ہے۔

قرآن کی اس مقصدیت کا ذکر قرآن کے مختلف مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ ابراہیم کے آغاز میں فرمایا كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ ہم نے یہ کتاب آپکی طرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ آج ہر طرف کفر، شرک، بدعات اور معاصی کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں، جن کا آج پتہ نہیں چلتا۔ جب موت واقع ہوگی اور انسان کا یہ مادی خول اتر جائے گا۔ تو فوراً پتہ چل جائے گا کہ ہم کس اندھیرے میں ٹکریں مارتے رہے۔ اس کی مثال کلوروفارم کی ہے کہ جس آدمی کو سونگھا دیا جائے اُس کو کچھ پتہ نہیں چلتا خواہ اُس کے جسم کی کتنی بھی چیر پھاڑ کر دی جائے۔ پھر جب بے ہوشی کا اثر جسم سے اتر

جاتا ہے، تو انسان کو درد محسوس ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح اندھیروں اور روشنی کا امتیاز انسان کو مرنے کے بعد ہی ہوگا۔ بہرحال فرمایا وَإِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ بے شک اللہ تعالیٰ بہت شفقت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے جس نے تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کا انتظام کر دیا ہے۔ مگر یہ انسانوں کی بدقسمتی ہے کہ وہ کفر و جہالت کے اندھیروں سے نکل کر علم اور ایمان کی روشنی میں نہیں آتے۔

مال بطور امانت

اس سورۃ مبارکہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا بہت زیادہ ذکر ہے۔ مدینے کے ابتدائی دور میں مالی قربانی کی سخت ضرورت تھی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یاد رکھو! وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ آسمانوں اور زمین کی ساری وراثت تو اللہ کے پاس ہے۔ انسان مر جاتے ہیں تو سب کچھ پیچھے رہ جاتا ہے۔ یہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہوتا ہے اور وہی اس کا وارث ہوتا ہے۔ جب مالک حقیقی بھی وہی ہے اور تمہارے بعد وارث بھی وہی ہے۔ تو پھر اس کا مال اُس کے حکم کے مطابق خرچ کیوں نہیں کرتے؟ ایسا کرنا تم کو بوجھل کیوں معلوم ہوتا ہے؟ تمہیں چاہیئے کہ اللہ کے عطا کردہ مال کو اُس کے حکم کے مطابق خوشی خاطر سے خرچ کرو تاکہ اُس کی خوشنودی حاصل ہو اور دین کے مقاصد بھی پورے ہوں۔

مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ کے لفظ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ تمہارے پاس یہ مال دراصل اللہ کی امانت ہے۔ اللہ نے عارضی طور پر اس میں تصرف کی اجازت دی ہے کیونکہ حقیقی ملکیت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ انسان اِس کو حقیقی اور ذاتی ملکیت سمجھ کر اس پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کو خدا تعالیٰ کا فضل، مہربانی یا عطا نہیں سمجھتے لہٰذا اس مالک حقیقی کا شکر بھی ادا نہیں کرتے۔ جس طرح انسان کے جسم میں اللہ کا حق ہے اسی طرح مال

میں بھی اس کا حق ہے۔ جس طرح انسان کے لیے جسمانی عبادت، نماز، روزہ، حج وغیرہ کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح مالی عبادت زکوٰۃ، صدقات وغیرہ کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ حضرت لبیدؓ زمانہ جاہلیت میں بڑے اونچے درجے کے شاعر تھے آپ نے لمبی عمر پائی اور نوے سال زمانہ جاہلیت میں اور پچپن برس اسلام کے دور میں گزارے۔ وہ کہتے ہیں۔

ؔ وَمَا الْمَرْءُ اِلَّا کَالشِّھَابِ وَضَوْءِہٖ
یَحُوْدُ رِمَادًا بَعْدَ اِذْ ھُوَ سَاطِعٗ

انسان تو ایک شہاب کی طرح ہے۔ اس کی روشنی تھوڑی دیر کے لیے خوب چمکتی ہے مگر بعد میں وہ جل کر خاک ہو جاتا ہے۔

ؔ مَا الْمَالُ وَالْاَھْلُوْنَ اِلَّا وَدَائِعٌ
وَلَا بُدَّ یَوْمًا اَنْ تُرَدَّا الْوَدَائِعٗ

یہ مال اور اہل تو امانتیں ہیں جو کہ ایک نہ ایک دن واپس لوٹانی پڑیں گی۔ جان بھی انسان کے پاس اللہ کی طرف سے امانت ہے اور مال بھی۔ انسان ان دونوں امانتوں میں اللہ کے حکم کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔ اور جب صاحب امانت اپنی امانت طلب کرے گا تو اسے لوٹانا پڑیگا۔ جب ہر چیز کا مالک حقیقی اللہ تعالےٰ ہی ہے تو پھر اس کے عطا کردہ مال کو خرچ کرنے میں بخل نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ اس کے حکم کی بخوشی تعمیل ہونی چاہیئے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان کی زبان مَالِیْ مَالِیْ یعنی میرا مال میرا مال کہنے سے نہیں تھکتی، کبھی کہتا ہے میری زمین ہے، کبھی میرا مکان، میرا کارخانہ اور میرا خزانہ فرمایا اے انسان! تیرا مال وہ ہے جو تو نے کھا لیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا پھر اپنے ہاتھ سے صدقہ کر دیا۔ جو کچھ باقی بچ گیا وہ تیرا مال نہیں۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ بچ رہنے والا مال تیرے وارثوں کا ہے، لہٰذا تو کس چیز پہ فخر کر رہا ہے؟ تیری ملکیت عارضی ہے جبھی تو اس دنیا سے رخصت ہو گا تیرے

دار اُن اپنا اپنا حصہ لے جائیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے گھر والوں نے بکری ذبح کی۔ اس کا سارا گوشت محتاجوں میں تقسیم کر دیا اور صرف ایک پایہ اپنے لیے رکھ لیا۔ حضور تشریف لائے تو گھر والوں نے عرض کیا، حضور! بکری ذبح کی تھی جس میں صرف ایک پایہ بچا ہے باقی ساری تقسیم کر دی ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ سارا گوشت باقی رہ گیا ہے۔ اور صرف ایک پایہ جو استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس کا اجر تمہیں نہیں ملے گا۔ تم سمجھتے ہو کہ صرف پایہ باقی ہے، نہیں بلکہ اس کے سوا سارا گوشت باقی ہے جس کا اجر اللہ کے ہاں ملے گا۔

انفاق میں سبقت کی فضیلت

آگے اللہ نے انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کی بھی درجہ بندی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ تم میں سے وہ شخص برابر نہیں ہے جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جنگ لڑی أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً یہ تو بلند مرتبت لوگ ہیں مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ اُن لوگوں سے جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا وَقَاتَلُوا اور لڑائی بھی لڑی مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے کا دور بڑا سخت تھا جب کہ مسلمانوں کے پاؤں ابھی طرح نہیں جمنے پائے تھے۔ اس دور میں جن لوگوں نے جانی اور مالی قربانی پیش کی اُن کے درجات فتح مکہ کے بعد میں خرچ کرنے اور لڑائی لڑنے والوں سے بدرجہا بلند ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ بعد والے لوگ خواہ کتنا بھی خرچ کریں وہ اس وقت کے خرچ کو نہیں پہنچ سکتے جب مسلمان سخت مشکل میں تھے اور خرچ کی شدید ضرورت تھی۔ چنانچہ صحیحین میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو اخلاص فتح سے پہلے والے ایمان والوں میں تھا۔ بعد والے اُس کے کروڑویں حصے کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قدر و منزلت اسی لیے زیادہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے اور انہوں نے سب سے پہلے مال خرچ کیا۔ اللہ کے نزدیک قدر و منزلت اسلام، دین اور ان کے ساتھ خلوص کی وجہ سے ہوتا ہے۔

لہذا جس نے مالی اور جانی قربانی سے اسلام کو تقویت پہنچائی وہ بڑے درجے والا ہے
حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمانِ مبارک ہے کہ بعض اوقات ایک درہم کا
درجہ لاکھ درہم سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ فتح مکہ سے پہلے اور بعد میں ایمان لانے
والوں میں بڑا فرق ہے۔ امیر معاویہؓ اور ابُوسفیانؓ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے
جنگیں بھی لڑیں مگر وہ پہلے لوگوں کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ البتہ یہ بات ضرور
ہے وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى کہ اللہ نے سبھی کے ساتھ خوبی کا وعدہ فرمایا
ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے اور بعد والے سب کو اجر عطا فرمائے گا۔ مگر اُن کے درجات
برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (الانعام ۱۶۴)
اللہ نے بعض کے درجات کو بعض کے مقابلے میں بلند فرمایا ہے، تاہم نیکی سے
کوئی گروہ بھی خالی نہیں۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ تم جو بھی کام
کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُن سے خبردار ہے۔ وہ ہر ایک کو اُس کے عمل کے مطابق
ہی بدلہ دے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾

ترجمہ:۔ کون شخص ہے، جو اللہ کو قرض دیتا ہے اچھا قرض، پس وہ اُس کو دُگنا دیگا، اور اس کے لیے عزت والا اجر ہو گا ⑪ جس دن آپ دیکھیں گے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو دوڑ رہا ہو گا اُن کا نور اُن کے سامنے اور دائیں طرف ۔ (اُن سے کہا جائے گا) خوشخبری ہے تمہارے لیے آج کے دن ، باغات ہیں جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اِن میں ۔ یہ بڑی کامیابی ہے ⑫ جس دن، کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ، دیکھو، انتظار کرو ہمارا تاکہ ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہاری روشنی سے کہا جائیگا لوٹ جاؤ پیچھے پس تلاش کرو روشنی ۔ پس کھڑی کر دی جائے گی اُن کے درمیان ایک دیوار جس کا دروازہ ہو گا ۔ اُس کے باطن کی طرف رحمت ہو گی اور ظاہر کی طرف عذاب ⑬ پکاریں گے یہ اُن کو (اور کہیں گے) کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے ؟ وہ کہیں گے ، کیوں نہیں ، لیکن تم نے فتنے میں ڈالا اپنی جانوں کو اور تم راہ دیکھتے رہے اور شک کیا ، اور دھوکے میں ڈالا تم کو جھوٹی آرزوؤں نے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا ۔ اور بہکایا تمہیں اللہ کے نام سے بڑے دھوکے باز نے ⑭ پس آج کے دن نہیں لیا جائے گا تم سے کوئی فدیہ اور نہ اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا ، اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے ، وہی تمہارے ساتھ زیادہ لائق ہے اور وہ بُری جگہ ہے لَوٹ کر جانے کی ⑮

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے مال خرچ کرنے کا ذکر فرمایا اور واضح کیا کہ جو لوگ بوقت ضرورت خرچ کرتے ہیں اُن کے لیے

زیادہ اجر ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے بعد میں اسلام قبول کرنے والوں سے بدرجہا افضل ہیں۔ تمھارے اموال کا حقیقی مالک اور متصرف تو اللہ تعالیٰ ہے، تاہم اس نے اپنی مہربانی سے تمہیں اس میں پہلے لوگوں کا نائب بنایا ہے اور خرچ کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا تمھیں اس سے گریز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اللہ کے عطا کردہ مال کو بڑھ چڑھ کر خرچ کرنا چاہیئے۔ یہ مال اللہ کی طرف سے تمھارے پاس بطورِ امانت ہے جس کے لوٹانے میں تمھیں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیئے۔

قرضِ حسنہ کی ترغیب

انفاق فی سبیل اللہ ہی کی ترغیب ایک دوسرے انداز سے دی جا رہی ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا وہ کون شخص ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دیتا ہے فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ تاکہ وہ اس کو دُگنا کر دے۔ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ اور اس قرضِ حسن کے بدلے میں اس کے لیے عزت والا اجر ہوگا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ فی الواقع قرض نہیں ہے بلکہ کنایہ کی زبان میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ کہ اس کا بدلہ ضرور ملیگا۔ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو قرض دیتا ہے تو اُس کو یقین ہوتا ہے کہ مقروض اتنی ہی رقم واپس لوٹائے گا، مگر یہاں پر اللہ نے قرض سے دُگنا مال واپس کرنے کی یقین دہانی کرائی ہے تاکہ لوگ اس کارِ خیر کی طرف راغب ہوں۔ البتہ یہ بدلہ اس صورت میں ملے گا۔ جب کہ انفاق فی سبیل اللہ کے وقت ایمان، اخلاص، صحیح نیت اور صحیح موقع و محل موجود ہو۔ اِن شرائط کا ذکر اللہ نے قرآن کے مختلف مقامات پر کر دیا ہے۔

یہ اصطلاحی قرض نہیں ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ قرض کا معنیٰ یہ ہے کہ تم اس وقت جہاد میں خرچ کرو۔ پھر تم ہی دولتیں برتو گے، اور آخرت میں بڑے مرتبے پاؤ گے۔ دُگنے کے یہی معنیٰ ہیں۔ آج خرچ کرو گے، غلبہ حاصل ہوگا، دولت تمھارے ہاتھ ہی میں رہیگی اور آخرت کا اجر بھی ملے گا۔ شاہ صاحبؒ

فرماتے ہیں ورنہ مالک اور غلام میں سود بیاج نہیں ہے، انسان تو غلام ہیں، وہ مالک کو کیا قرض دیں گے؟ جو دیا سو اُس کا جو نہ دیا سو اُس کا۔ وہ تو سارا اُس کا مال ہے لیکن خرچ کرنے سے یہ مراد ہے کہ دنیا میں بھی اُس کا اچھا نتیجہ آئے گا اسلام اور قرآن کے نظام کو قائم کرنے کے لیے جو مال صرف کرو گے اس کے بدلے میں تمھیں سلطنت اور دولت حاصل ہوگی، اور آخرت کا بدلہ الگ ہے خدا کوئی محتاج نہیں ہے، جو قرض مانگ رہا ہے۔

قرضِ حسن وہ قرض ہوتا ہے جس میں نہ سود ہو اور نہ کوئی دیگر غرض وابستہ ہو۔ سورۃ المدثر میں فرمایا وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (آیت ۶) یعنی کسی پر احسان کر کے مزید مفاد حاصل کرنا مقصود نہ ہو بلکہ محض مومن بھائی کی ضرورت پوری کرنا مقصود ہو۔ اس قرضِ حسنہ کا مقصد بھی ریاکاری یا غرضِ فاسد نہ ہو بلکہ اس سے اللہ کے ہاں سے اجر و ثواب مقصود ہو۔ اس کے برخلاف جو شخص اسلامی نظام کے قیام کے لیے حسبِ ضرورت مال صرف نہیں کرتا اس کا نام منافقوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے۔ اور ایسا شخص دُنیا اور عقبیٰ میں نقصان اٹھانے والا ہوگا۔

اہلِ ایمان کے لیے نور

اگلی آیت میں اللہ نے نیکی کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا ہے يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جس دن آپ دیکھیں گے۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ کہ ان کی روشنی ان کے آگے اور دائیں طرف دوڑتی ہوگی۔ یہ صورتِ حال حشر کے میدان میں پلصراط سے گزرتے وقت پیش آئے گی۔ اس وقت سخت اندھیرا ہوگا اور روشنی صرف ایمان اور نیک اعمال کی ہوگی جو مومنوں کے قلوب سے اُٹھ رہی ہو گی۔ تاہم یہ روشنی علی قدر المراتب ہوگی۔ جس قسم کا کسی کا ایمان ہوگا، اُسی کے مطابق اس کی روشنی ہوگی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کی روشنی پہاڑ جتنی بڑی ہوگی اور بعض کی صرف ناخن کے برابر جو کبھی جلے گی اور کبھی بجھ جائے گی۔ روشنی کا یہ تفاوت ایمان کی پختگی، اخلاص اور اعمال میں تفاوت کی وجہ سے ہوگا۔ بہر حال

ایمان کی روشنی تو اہلِ ایمان کے سامنے ہوگی اور اعمالِ صالحہ کی روشنی اُن کی دائیں طرف ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں سے کہا جائے گا۔ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا تمہارے لیے بشارت ہے باغوں کی جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ جس کو حاصل ہوگی۔ یہ اللہ کی رحمت جنت کا مقام ہے۔ جہاں ابدی نعمتیں میسر ہوں گی، اور جہاں سے نکالے جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی شاملِ حال ہوگی۔ انسان کا وہاں پہنچ جانا بہت بڑی کامیابی ہے۔

منافقوں کی درخواست برائے نور

ایمان والوں کا حال ذکر کرنے کے بعد اللہ نے منافقوں کا کچھ حال بیان کیا ہے ارشاد ہوتا ہے يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے۔ انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ٹھہر جاؤ، ہم بھی تمہاری روشنی میں سے کچھ لے لیں اور اس مشکل منزل کو عبور کر لیں۔ اُدھر سے جواب آئے گا قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا پیچھے لوٹ جاؤ اور وہاں سے روشنی تلاش کرو۔ وہ لوگ پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھیں گے کہ روشنی کہاں تقسیم ہو رہی ہے۔ اتنے میں۔ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ اُن کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس کا دروازہ ہوگا۔ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ اور اس کے اندر کی طرف خدا تعالےٰ کی مہربانی ہوگی وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ اور اس سے باہر عذاب ہوگا۔ سورۃ الاعراف میں اس فصیل کو اعراف کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مشرک اور کافر لوگ تو پلصراط پر سے گزرتے ہوئے پہلے ہی دوزخ میں گر چکے ہوں گے مگر امتی کہلانے والے خواہ وہ سچے مومن ہوں یا منافق، رلے ملے ہوں گے اعراف کے مقام تک تو سب اکٹھے آئیں گے، پھر ایمان والے تو اپنے ایمان اور

نیکی کی روشنی میں اپنے اپنے مراتب کے مطابق تاریکی کو عبور کر لیں گے، مگر دنیا میں فریب کاری سے کام لینے والے منافق لوگوں کے پاس نورِ ایمان نہیں ہوگا لہٰذا وہ پیچھے اہل ایمان سے درخواست کریں گے کہ انہیں روشنی میں سے کچھ حصہ دیا جائے تاکہ وہ بھی منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔ اس وقت یہ کیفیت ہوگی کہ جونہی وہ پیچھے مڑ کر دیکھیں گے ان کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔

منافقین کی محرومی

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ابتداء میں منافقین کو تھوڑی سی روشنی ملے گی۔ جس کے ذریعے وہ تھوڑی دور چلیں گے مگر پھر اچانک وہ روشنی چھین لی جائے گی۔ کیونکہ دنیا میں بھی انہوں نے دھوکہ دہی کے لیے ظاہر میں کلمہ پڑھا تھا اور کچھ نیکی کے اعمال بھی انجام دیے تھے۔ لہٰذا یہاں بھی انہیں تھوڑی سی روشنی دے کر پھر چھین لی جائے گی۔ پیچھے روشنی تلاش کرنے کا مطلب منافق لوگ یہ لیں گے کہ شاید یہاں کہیں تھوڑی دور روشنی تقسیم ہو رہی ہے، لہٰذا وہ پیچھے مڑ کر دیکھیں گے، مگر اہل ایمان کی پیچھے سے مراد یہ ہوگی کہ اس روشنی کا منبع تو دنیا میں تھا جہاں ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر روشنی تقسیم ہوتی تھی۔ وہاں تو تم اس کو حاصل نہ کر سکے۔ اب یہاں تمہیں یہ روشنی میسر نہیں آسکتی۔ الغرض! منافق لوگ جنت میں نہیں جا سکیں گے۔

حصولِ نور کے ذرائع

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ جس روشنی کی ضرورت میدانِ حشر میں پڑے گی اس کے حصول کے بہت سے ذرائع اس دنیا میں ہی موجود ہیں۔ چنانچہ صحیحین کی روایت میں آتا ہے، لوگو! اِتَّقُوا الظُّلْمَ ظلم سے بچ جاؤ کیونکہ ظلم کی وجہ سے آخرت میں بڑے اندھیرے پیش آئیں گے۔ اس دنیا میں کردہ ہر گناہ کا الگ الگ اندھیرا ہوگا۔ ان اندھیروں کو عبور کرنے کے لیے ابن ماجہ اور ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے بَشِّرِ الْمَشَّائِیْنَ فِی الظُّلَمِ اِلَی الْمَسٰجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ جو لوگ رات کی تاریکی میں مسجدوں کی طرف نماز کے لیے جاتے ہیں، انہیں قیامت والے دن مکمل نور کی خوشخبری سُنا دو یعنی قیامت کے روز

اُن کو پوری روشنی ملے گی۔ دنیا میں انہوں نے اندھیرے میں ٹھوکریں کھائیں، راستوں کی اونچ نیچ کی وجہ سے تکلیف اٹھائی، بڑھاپے اور بینائی کی کمزوری کی وجہ سے انہیں نماز کی خاطر جانے کے لیے مشقت برداشت کرنا پڑی، فرمایا اُن کو مکمل روشنی کی بشارت سُنادو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلٰوتِ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاتًا جس شخص نے نمازوں کی حفاظت کی یعنی انہیں ضائع ہونے سے بچایا اُس کے لیے قیامت والے دن روشنی، دلیل اور نجات ہوگی۔ جب اس شخص کو کسی دلیل کی ضرورت پڑے گی۔ تو اُس کی نمازیں اُس کے لیے دلیل بن جائیں گی جس مقام پر اُسے روشنی کی ضرورت ہو گی تو یہ نمازیں اُس کے لیے روشنی کا مینار بن جائیں گی، اور اس طرح اس کو عذاب سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ اِس کے برخلاف جس شخص نے نمازوں کی پرواہ نہ کی، اس کے لیے نہ دلیل ہوگی، نہ روشنی اور نہ نجات، اور اُس کا حشر فرعون اور ہامان جیسے بڑے مجرموں کے ساتھ ہوگا۔

حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمانِ مبارک ہے کہ جو شخص بروز جمعہ مکمل سورۃ کہف کی تلاوت کریگا یا اس کی ابتدائی اور آخری دس دس آیات پڑھیگا اس کو قیامت والے دن روشنی میسر آئے گی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اُس کے قدموں سے لے کر مکہ مکرمہ تک کی مسافت کی روشنی ملے گی۔ بعض روایات میں زمین سے آسمان تک کی روشنی کا ذکر آتا ہے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص سورۃ کہف کی ابتدائی یا کم از کم تین آیات تلاوت کرے گا۔ تو یہ تلاوت اُس کے لیے دجال کے فتنے سے بچاؤ کا کام دیگی۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس سورۃ کی صرف ایک آیت ہی تلاوت کرے گا۔ اُس کو بھی قیامت والے دن روشنی ملے گی۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے اَلصَّلٰوةُ نُوْرٌ عَلَى الصِّرَاطِ یعنی پلصراط پر نماز روشنی کا کام دے گی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نیک آدمی کی دنیا میں بینائی زائل ہوگئی اور اُس نے

گلہ شکوہ اور ناشکری کی بجائے صبر کا دامن تھامے رکھا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے قیامت والے دن روشنی بنا دیگا۔

بعض روایات میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے کہ جس شخص نے حج کے موقع پر اپنا سر منڈوایا تو اس کے ہر بال کے عوض قیامت والے دن اُس کو روشنی ملے گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ شیاطین کو کنکر مارنے کے عوض بھی اللہ تعالیٰ قیامت والے دن روشنی عطا کرے گا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ جس شخص کے اللہ کے راستے میں جلتے ہوئے بال سفید ہو گئے اُس کو قیامت والے دن نور ملے گا۔ نیز فرمایا مَنْ رَمٰى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ جس شخص نے اللہ کے راستے میں اس کے دشمنوں پر تیر چلایا، اس کو بھی قیامت والے دن نور ملے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً جس شخص نے کسی مسلمان کی پریشانی کو دور کیا۔ اُس کو پل صراط سے گزرتے وقت اس قدر روشنی ملے گی جس میں ایک جہان چل سکے گا۔ یہ اتنی بڑی روشنی ہو گی کہ جس کی مقدار کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مراقبہ یا کشف کی حالت میں بعض اہل اللہ کی روحوں کو برزخ میں دیکھا جو شفاف پانی کے تالاب کی طرح نظر آتی تھیں۔ ایسا پانی کہ جو ٹھہرا ہوا ہو، اور جب دوپہر کے وقت اُس پر سورج کی کرنیں پڑیں تو سارا تالاب روشنی کا ایک ٹکڑا معلوم ہو۔ اسی طرح بعض آدمیوں کو یادِ الٰہی کی وجہ سے نور ہو گا۔ جو نور یادداشت کہلاتا ہے۔ یہ لوگ دنیا میں ہر وقت اپنے پروردگار کو یاد کرتے رہتے ہے۔ پھر اللہ کی مہربانی کا نور بھی ہے جو بعض لوگوں کو میسر ہو گا۔ مثلاً آپ دیکھ رہے ہیں کہ کوئی چھوٹا بچہ کنوئیں میں گر رہا ہے یا کسی موٹر کے نیچے آنے والا ہے، آپ اُس کو بچانے کے لیے دوڑتے ہیں، تو بچے کے ساتھ اس مہربانی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نور ملے گا۔ یہ سب نور کے ذرائع ہیں جو قیامت والے دن تاریکی میں کام آئیں گے۔

منافقوں اور مومنوں کا مکالمہ

جب منافق لوگ مومنوں سے روشنی حاصل کرنے میں ناکام ہو جائیں گے تو پھر انہیں دُنیا کی زندگی میں اپنی معیت کی یاد دہانی کرائیں گے يُنَادُوْنَهُمْ وہ مومنوں کو پکار کر کہیں گے کہ آج تم ہمیں اپنے نور کا کچھ حصہ دینے کے لیے تیار نہیں بھلا یاد تو کرو اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں تھے یعنی ہم تو اکٹھے ہی گھر میں یا پڑوس میں یا ایک ہی گاؤں، قصبے یا محلے میں رہتے تھے، پھر آج تم ہمیں کس طرح فراموش کر رہے ہو۔ مومن جواب دیں گے قَالُوْا بَلٰى کہیں گے کہ بلاشبہ ہم اکٹھے ہی سکونت پذیر تھے وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنے میں مبتلا کر دیا۔ تم نے دنیا میں اخلاص کے ساتھ ایمان قبول نہ کیا۔ خالی زبانی کلمہ پڑھتے رہے اور دل میں پورا یقین نہ کیا۔ ظاہر ہے کفر، شرک، بدعات اور بد اعتقادی کے فتنے بدترین فتنے ہیں۔ جن میں اکثر انسان مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تم نے ایمان کی بجائے نفاق کو اختیار کیا۔ وَتَرَبَّصْتُمْ اور انتظار کرتے رہے کہ کب سچے مسلمانوں پر افتاد پڑے۔ تم ہر جنگ کے موقع پر یہی اُمید لگائے بیٹھے تھے کہ اب کی بار مسلمان ضرور ختم ہو جائیں گے۔ اور اسی بنا پر تم نے کافروں، مشرکوں اور یہودیوں کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔ وَارْتَبْتُمْ اور تم شک میں پڑے ہوئے تھے کہ پتہ نہیں مسلمان سچے ہیں یا نہیں اور پتہ نہیں کہ یہ کامیاب بھی ہوں گے یا یونہی ختم ہو جائیں گے۔ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ اور تمہیں جھوٹی آرزوؤں نے دھوکے میں ڈالا ہوا تھا کہ فلاں پارٹی کے ساتھ مل جائیں گے اور فلاں سردار کی پناہ حاصل کر لیں گے اور پھر ہم مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے، تم اسی طرح شکوک و شبہات اور خواہشات کے چکر میں پڑے ہوئے تھے۔ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا۔ یعنی یا تو مسلمانوں کو مکمل فتح حاصل ہو گئی اور یا پھر خود منافق کی موت واقع ہو گئی۔ اللہ نے فرمایا اصل بات یہ ہے۔ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ کہ اے منافقو! تمہیں اللہ کے بارے میں بڑے دھوکے باز یعنی شیطان نے دھوکے میں رکھا۔ وہ بڑا دھوکے باز ہے جو

ہر طریقے سے انسان کو دھوکہ دے کر گمراہ کرتا ہے۔ وہ کبھی دین کے راستے سے آتا ہے۔ اور کبھی مال کے راستے سے، غرضیکہ کہ ہر راستے سے آ کر انسان کو بہکاتا ہے اور پھر قیامت والے دن اُسے ساتھ لے کر جہنم میں چلا جائے گا۔

منافقوں اور کافروں کا انجام

آگے اللہ نے منافقوں اور کافروں کا انجام بھی بیان فرمایا ہے۔ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ آج کے دن اے منافقو! تم سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا جس کے بدلے میں تم عذاب سے بچ جاؤ۔ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور نہ ہی کفر کرنے والوں سے کوئی فدیہ لیا جائے گا۔ قیامت والے دن اوّل تو انسان کے پاس کوئی چیز ہو گی نہیں جو وہ فدیہ کے طور پر دے سکے۔ تاہم سورۃ المعارج میں اللہ کا ارشاد ہے کہ قیامت والے دن مجرم اپنے بیٹے، بیوی، بھائی اور قبیلہ حتیٰ کہ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (آیت ۱۴) زمین کی ہر چیز کا فدیہ دے کر بھی عذاب سے بچنا چاہے گا تو یہ ممکن نہیں ہو گا۔ فرمایا اس دن تم سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ تمہارا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہو گا۔ اور وہی تمہارے لیے زیادہ لائق ہے۔ مولیٰ کے کئی معنی آتے ہیں تاہم یہاں مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ہی تمہارے زیادہ لائق ہے۔ اور اگر مولیٰ مُولیٰ کے مادہ سے ہو تو اس کا معنی ہو گا ذلت پہنچانے والی چیز، گویا دوزخ کی آگ سے تم ذلیل ہو جاؤ گے۔ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ اور یہ لوٹ کر جانے کی بہت بری جگہ ہے۔ مولیٰ کا معنی آقا بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی دینے والا بھی۔ مُولی کا معنی قسم اٹھانے والا ہوتا ہے۔ اسی سے ایلاء کا مسئلہ بھی نکلا ہے کہ کوئی شخص قسم اٹھائے کہ وہ چار ماہ تک بیوی کے قریب نہیں جائے گا۔ بہرحال اس کا زیادہ معروف معنی لائق ہی ہے اس کی مثال عربی ادب میں بھی ملتی ہے جیسے ایک شاعر نے کہا ہے۔

فَغَدَتْ كِلَا الْفَرْجَيْنِ تَحْسَبُ أَنَّهُ
مَوْلَى الْمَخَافَةِ خَلْفُهَا وَأَمَامُهَا

اس نے دونوں خلاؤں کے بارے میں خیال کر لیا کہ دونوں خوف کے لائق ہیں، یعنی

آگے سے بھی خوف ہے اور پیچھے سے بھی خوف ہے۔

فرمایا اے منافق مرد اور عورتو! نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے بلکہ دوزخ کی آگ ہی تمھارے زیادہ لائق ہے جس میں تمھیں ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا، اور یہ لوٹ کر جانے کی بہت بری جگہ ہے۔

درس چہارم ۴ — آیت ۱۶ تا ۱۹

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿١٦﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾ ع ۲ ۹ ۱۸

ترجمہ:- کیا نہیں آیا وقت اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں کہ عاجزی کریں اُن کے دِل اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے اور اُس چیز کے لیے جو اُتری ہے حق سے۔ اور نہ ہوں اُن لوگوں کی طرح جن کو دی گئی کتاب اس سے پہلے، پس دراز ہو گئی اُن پر مدت، پھر سخت ہو گئے اُن کے دِل، اور بہت سے اُن میں سے نافرمان ہیں (۱۶)

جان لو کہ بےشک اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد۔ تحقیق بیان کر دی ہیں ہم نے تمہارے لیے آیتیں تاکہ تم سمجھ لو ⑰ بےشک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، اور جنہوں نے قرض دیا اللہ کو اچھا قرض، دگنا ہو گا اُن کے لیے ثواب، اور اُن کے لیے عزت والا اجر ہے ⑱ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر یہی لوگ سچے ہیں۔ اور یہ شہداء ہیں اپنے پروردگار کے پاس۔ اُن کے لیے اُن کا اجر ہے اور اُن کی روشنی۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو یہی ہیں دوزخ والے ⑲

ربطِ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کی ضرورت اور اہمیت کا ذکر کیا اور اس کو قرضِ حسن کے ساتھ تعبیر کیا، اور پھر اُن نتائج کا بھی بیان ہوا جو ایمانداروں کو حاصل ہوں گے۔ اللہ نے نور اور روشنی کا تذکرہ فرمایا جو آخرت کے اندھیروں میں پلصراط پر سے گزرتے وقت کام آئے گی۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ روشنی کن ذرائع سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے برخلاف کافروں کو مایوسی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اب آج کے درس میں پہلے اللہ نے اہلِ ایمان کو تنبیہ فرمائی ہے کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل ذکرِ الٰہی کے لیے عاجزی کرنے لگیں۔ اس ضمن میں اللہ نے اہلِ کتاب کی مثال بھی بیان فرمائی ہے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے غافل ہو گئے۔ اس کے بعد پھر انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کیا ہے۔ اور ایمان کی فضیلت اور اُس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے انعام کا ذکر فرمایا ہے۔

ذکرِ الٰہی سے غفلت

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کیا اہلِ ایمان کے لیے وہ وقت نہیں آیا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ کہ اُن کے دل عاجزی کریں اور

گڑگڑائیں اللہ کے ذکر کے لیے وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ اور اُس چیز کے لیے جو حق سے اُتری ہے یعنی کلامِ الٰہی قرآن حکیم۔ اللہ نے تنبیہ کے طور پر فرمایا ہے کہ ایمان والے آخر کب اللہ کے ذکر اور قرآنِ کریم کی طرف سے غفلت کا جوا اُتار کر اُن کی طرف متوجہ ہوں گے؟ مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان کے دِل ہر وقت اللہ کی یاد اور قرآن کے احکام و فرامین کے لیے نرم ہونے چاہئیں، اور اُن میں اطاعت، خشوع کا جذبہ پایا جانا چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ہم لوگوں کے ایمان لانے اور اس آیت کے نزول کے درمیان چار سال کا وقفہ حائل ہے۔ اس دوران میں لوگوں کی یادِ الٰہی اور قرآن سے غفلت کی وجہ سے اللہ نے سخت تنبیہ فرمائی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ غفلت سب لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی، بلکہ بعض لوگ تو ابتدا سے انتہا تک ذکرِ الٰہی، خشوع و خضوع اور اطاعتِ الٰہی میں مصروف رہے۔ البتہ بعض کمزور ایمان والوں میں غفلت بھی پیدا ہو گئی تھی۔

یہ غفلت بہت بُری چیز ہے۔ اللہ کی یاد سے بُعد قساوتِ قلبی کا باعث بنتی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس امت سے جو چیز سب سے پہلے رخصت ہو گی وہ خشوع و خضوع ہے جو کہ بہت بڑی صفت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اس کو اخبات سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ ہود میں موجود ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کی، وہ جنتی ہیں لہٰذا اے اہلِ ایمان! اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کا اظہار کرو۔ اور عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے خدا کی ذات کے سامنے خشوع و خضوع کیا جائے۔

اسی لیے اس آیت میں اسی بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ کیا اہلِ ایمان کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دِل اللہ کے ذکر اور قرآن کریم کے لیے عاجزی یعنی خشوع و خضوع کا اظہار کریں؟ اب خشوع یا عاجزی کرنے کا حکم مردوں اور عورتوں کے

لیے یکساں ہے کیونکہ دونوں اصناف مکلف اور اللہ کے ہاں جوابدہ ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں جہاں مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے وہاں وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ (آیت۔ ۳۵) عاجزی کرنے والے مردوں اور عاجزی کرنے والی عورتوں کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں ایمانداروں کی کامیابی کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں فرمایا ہے کہ وہ مومن آدمی فلاح پا گئے اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (آیت ۲) جو اپنی نماز میں خشوع و خضوع یعنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ خشوع و خضوع بنیادی اخلاقیات میں سے ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار کرنے کے بعد عام انسانوں کے ساتھ بھی تواضع سے پیش آنے کا حکم ہے۔ اللہ نے اپنے پیغمبر پر وحی نازل فرما کر حکم دیا ہے اَنْ تَوَاضَعُوْا وَلَا يَفْخَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور ایک دوسرے پر فخر نہ کرو۔

اہلِ کتاب کی سنگدلی

آگے اللہ نے اہلِ کتاب کی سنگدلی کا ذکر کر کے اہلِ ایمان کو خبردار کیا ہے وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی۔ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ پھر ان پر ایک مدت دراز گزر گئی فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ پس ان کے دل سخت ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یادِ خدا اور کتاب الٰہی سے غفلت برتنے لگے۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو! كَثْرَةُ الْمَعَاصِيْ وَمُسَاكَنَتُهَا وَاُلْفُهَا تُقْسِي الْقَلْبَ وَتُبْعِدُ مِنَ التَّوْبَةِ یعنی گناہوں کی کثرت اور ان کے ساتھ اجتماع اور ان کے ساتھ الفت دل کو سخت بنا دیتے ہیں، اور انسان کو توبہ سے دور کر دیتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں یہ بھی فرمایا ہے كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (المطففین۔ ۱۴) خبردار! لوگوں کے دلوں پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے زنگ چڑھ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے دلوں میں سختی پیدا ہو جاتی ہے۔

سنگدلی کا علاج

اس سنگ دلی کو دور کرنے کے لیے اللہ نے دو علاج تجویز کیے ہیں۔ پہلا علاج ذکرِ الٰہی ہے جس کے متعلق سورۃ الجمعہ میں بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آیت ۱۰) اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تمھیں فلاح نصیب ہو۔ اور دوسرا علاج اللہ کی نازل کردہ کتاب کی طرف رجوع ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی تلاوت، اس میں دلچسپی، اس کی نشر و اشاعت اور اس کے احکام پر عمل وغیرہ ساری باتیں اس ضمن میں آجاتی ہیں۔ شریعت کی بنیاد قرآن ہے اور حضور علیہ السلام کے فرمودات قرآن کی شرح اور تفسیر ہے۔ گویا قرآن وحی جلی ہے اور فرمانِ نبوی وحی خفی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ، امام شافعیؒ اور بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ تمام صحیح احادیث جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں، وہ قرآن کی شرح ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ بھی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ ساری سنت صادقہ تُفَسِّرُ الْقُرْاٰنَ وَتُبَيِّنُهٗ قرآن کی تفسیر و تبیین یعنی اس کی وضاحت ہے۔ اصل بنیاد چونکہ قرآن ہے۔ لہٰذا اسی کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے۔

ذکرِ الٰہی کی آسان ترین صورت لسانی ذکر ہے جس میں قرآن پاک کی تلاوت پاکیزہ کلمات کا ورد اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اطاعت کا ہر کام کرنے والا آدمی ذاکرینِ الٰہی میں ہی شمار ہوتا ہے امام جزریؒ فرماتے ہیں كُلُّ مُطِيعٍ لِّلّٰهِ فَهُوَ ذَاكِرٌ۔

بہر حال اللہ نے خبردار کیا، کہ اہلِ کتاب کی طرح سنگ دل نہ ہو جانا۔ کیونکہ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ان کی اکثریت نافرمان ہی ہے۔ اس سنگدلی کی وجہ سے اہلِ کتاب نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی، خود بے عملی کا شکار ہو گئے، ان کے فہم معکوس ہو گئے۔ ان پر بہیمیت غالب آگئی اور انسان دائرہِ انسانیت سے باہر ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں غفلت پیدا ہوئی، پھر توبہ کی توفیق سلب ہو گئی، معاصی کا ارتکاب کیا۔ اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور آخر ملعون و مغضوب ٹھہرے سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اللہ ان سے ناراض ہو گیا۔ غضب

اللہ علیہم سو اُن پر اللہ کا غضب ہوا۔ کیونکہ ان میں اکثر لوگ نافرمان ہی ہیں۔

مردہ اور زندہ زمین کی مثال

اس کے بعد اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مردہ ہو جانے کے بعد۔ انسان کا دل بھی زمین کی مانند ہے۔ جب یہ خشک ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اُس کے کلام پاک کی برکت سے زندہ ہو جاتا ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ زندہ آدمی اپنے اختیار اور ارادے سے کام کرتا ہے جب کہ مردہ بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے جو کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ کے ذکر سے دل بھی زندہ ہوتا ہے اور انسان کے حواس بھی اور اس میں شعور پیدا ہوتا ہے جب کہ ذکر نہ کرنے والا غافل آدمی بے شعور ہوتا ہے گویا کہ وہ مردہ ہے۔

فرمایا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ البتہ تحقیق ہم نے اپنی نشانیاں تم پر واضح کر دی ہیں، پتے کی باتیں بتا دی ہیں۔ مثال کے ذریعے بات سمجھا دی ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم معاملے کو سمجھ لو۔ مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مردہ دل انسان کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسے چاہیئے کہ وہ سچے دل سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اس کا ذکر کرے، اللہ کی نازل کردہ کتاب کو پڑھے، اُس کے احکامات پر عمل کرے تو اُس کا دل پھر سے زندہ ہو جائے گا اور اُس کو روحانی حیات نصیب ہو جائے گی۔

انفاق کی اہمیت

آگے پھر اللہ نے اس سورۃ کا مرکزی مضمون انفاق فی سبیل اللہ دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ بے شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں۔ اعمال کے لحاظ سے مرد اور عورتیں برابر ہیں جیسا کہ پچھلی نور والی آیت میں مُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ مومن مردوں اور مومن عورتوں کا ذکر کیا تھا۔ جس طرح کوئی عبادت مردوں پر فرض ہے اسی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے۔ اگر مردوں کو مال خرچ کرنے کا حکم ہے تو صاحب

حیثیت عورتوں کے لیے بھی لازم ہے۔

فرمایا بیشک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا اور جنہوں نے اللہ کو قرضِ حسن دیا۔ انہوں نے نیک نیتی کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لیے مال صرف کیا۔ اُن کے پیشِ نظر دین کی اقامت اور قرآن کے پروگرام کی ترویج ہے نہ کہ کوئی ذاتی مفاد۔ تو اُن کے متعلق فرمایا یُضٰعَفُ لَھُمْ اللہ تعالیٰ اُن کو دوگنا ثواب عطا فرمائے گا۔ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ اور اُن کے لیے عزت والا اجر ہو گا۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ مال اقامتِ دین کے لیے خرچ ہو گا۔ تو دو تیس تمہارے ہاتھ آئیں گی اور آخرت میں ایک کا بدلہ دس تو لازمی ہے بشرطیکہ نیت خالص ہو۔ اور جو مال جہاد کے لیے خرچ کیا جائے گا اُس کا بدلہ سات سو گنا سے شروع ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک کے بدلے میں سات سو نٹنیاں ملیں گی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جہاد دین کی کوہان ہے، اس کی وجہ سے عزت اور وقار حاصل ہو گا۔ تو اس مد میں خرچ کرنے کو قرضِ حسن سے تعبیر کیا گیا ہے آگے جہاد کے بھی مختلف شعبے ہیں۔ جہاد بالسیف کے علاوہ مجاہدین کی خوراک، اسلحہ سواری وغیرہ کا بندوبست کرنا بھی جہاد ہی کا حصہ ہے۔ اسی طرح دینی تعلیم کا انتظام کرنا بھی جہاد ہی کا شعبہ ہے دینی کتب کی اشاعت سے بھی اقامتِ دین کو تقویت ملتی ہے لہٰذا یہ بھی جہاد ہے۔ پھر دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے جانے والے اور اُن کے لیے سفر، خوراک اور کُتب کا انتظام سب جہاد ہی کے مختلف شعبے ہیں اور قرضِ حسنہ میں ہی آتے ہیں۔

زکوٰۃ فنڈ کا بیجا مصرف

اِدھر ہمارا حال یہ ہے کہ حکومتی سطح پر زکوٰۃ کی تحصیل اور صرف کا نظام موجود ہے جس میں ہر سال کروڑوں روپے جمع ہوتے ہیں مگر اس کا مصرف درست نہیں ہے زکوٰۃ کی رقم مسجد یا کسی بھی عمارت کی تعمیر پر خرچ نہیں کی جا سکتی۔ مگر یہاں سب کچھ ہو رہا ہے۔ یہاں پر زکوٰۃ فنڈ الیکشن پر خرچ ہو رہا ہے۔ کشمیر کے الیکشن کے لیے پانچ کروڑ روپے اس فنڈ سے حاصل کیے گئے۔ ممبروں کو خریدنے کیلئے

بھی یہ فنڈ استعمال ہوتا ہے۔ اب حکومت اس فنڈ سے مکانات تعمیر کر رہی ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ جو لوگ رشوت کے طور پر زکوٰۃ کا مال کھائیں گے اُن کا نہ ایمان ٹھیک رہے گا اور نہ اخلاق اور نہ ہی زکوٰۃ دینے والوں کو کچھ فائدہ ہوگا۔ زکوٰۃ کی رقم تو غریبوں محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں پر خرچ ہونی چاہیئے۔ مگر اتنی کثیر مقدار میں زکوٰۃ جمع ہونے کے باوجود لوگ بھیک مانگ رہے ہیں، گلیوں، بازاروں حتیٰ کہ مسجدوں میں بھی بھکاریوں کی یلغار ہے۔ آخر یہ زکوٰۃ فنڈ کس مرض کی دوا ہے؟ حقدار کو اُس کا حق ملنا چاہیئے نہ کہ یہ رقم رفاہِ عامہ کے کام پر صرف کر دی جائے جو کہ قطعاً جائز نہیں محض ووٹ کے لالچ میں زکوٰۃ فنڈ کا استعمال بڑی غلط بات ہے۔

محکمہ اوقاف کی ناقص کارکردگی

محکمہ زکوٰۃ کی طرح حکومت کا قائم کردہ محکمہ اوقاف بھی ناقص کارکردگی کا شکار ہے۔ اس محکمے کے قیام کے وقت اس کی بڑی تعریف کی گئی تھی۔ کہ اس سے وقف املاک کے نظام کو درست کیا جائے گا۔ مگر یہ محکمہ بھی اپنے مقاصد کی تکمیل میں ناکام رہا ہے قبروں پر ہونے والی شرکیہ اور بدعتیہ رسوم اسی طرح جاری ہیں۔ قبروں کو پختہ بنا کر اُن پر گنبد بنائے جاتے ہیں۔ عرقِ گلاب سے غسل دیا جاتا ہے، چادریں اور چڑھاوے چڑھتے ہیں۔ بہشتی دروازہ حسبِ سابق ہر سال کھلتا ہے اور پھر چند دن کے بعد بند ہو جاتا ہے، ہر سال جگہ جگہ عُرس منائے جاتے ہیں، قوالیاں ہوتی ہیں۔ یہ کون سا دین ہے اور بزرگانِ دین کی تعلیمات کی کون سی خدمت ہے۔ آخر محکمہ اوقاف نے ان غیر شرعی رسوم میں کیا اصلاح کی ہے؟ اس محکمہ کو اپنے ملازمین کی تنخواہوں سے غرض ہے۔ غریب طبقہ بدستور ذلیل ہو رہا ہے۔ امام مسجدوں کے گریڈ کم ہیں۔ جن میں وہ گزر اوقات نہیں کر سکتے؛ بیچارے تینتے چلاتے ہیں مگر کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ محکمہ کے وسائل جائز امور میں صرف ہونے چاہئیں تھے۔ مگر ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ کاش یہ محکمہ اپنی افادیت کو ثابت کر سکتا۔

صدیق اور شہداء

آگے اللہ نے اہلِ ایمان کی تعریف کی ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ

یہی لوگ سچے ہیں جنہوں نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا ہے وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ یہی لوگ اپنے پروردگار کے ہاں شہید ہیں۔ یہاں پر تمام اہلِ ایمان کو صدیق کا خطاب دیا گیا ہے۔ حالانکہ صدیق کا مرتبہ تو نبی کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ اسی طرح شہید وہ ہوتا ہے جو اللہ کی راہ میں جان قربان کر دیتا ہے۔ مگر یہاں پر تمام مومنوں کے لیے شہید کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ-۲۵۷) اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا ولی ہے۔ گویا ہر مومن ولی ہے۔ اسی طرح ہر مومن کو ایمان کی بدولت صدیقیت کا ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ پھر شہادت کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔ گویا کہ ہر مومن جان کا نذرانہ تو پیش نہیں کرپاتا مگر اس میں یہ جذبہ صادق موجزن ہوتا ہے۔ کہ وہ ضرورت کے وقت ایسا کرنے سے گریز نہیں کرے گا، لہٰذا اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں شہدا کی فہرست میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ صدیق کا معنی سچا اور راستباز انسان ہوتا ہے، لہٰذا اس سے اصطلاحی صدیق اور شہید مراد نہیں، کیونکہ وہ تو بلند مرتبت اور خال خال لوگ ہوتے ہیں۔ البتہ اِن صدیقین اور شہداء سے مراد خدا کے ہاں سچی شہادت دینے والے لوگ ہیں۔ سورۃ البقرہ میں موجود ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (آیت-۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تمہیں افضل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور اللہ کا رسول تم پر گواہی دے۔ قیامت والے دِن اِس آخری امت کے لوگ سابقہ امت کے لوگوں پر بطور گواہ پیش ہوں گے اور اللہ کا آخری رسول اس آخری امت پر گواہ ہوگا۔ اس طرح گویا شہید سے مراد گواہی دینے والا ہے۔ یا وہ شخص بھی مراد ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید، صداقت اور حقانیت کی گواہی پیش کرنے والا ہے، لہٰذا اس میں تمام صحیح ایمان والے شامل ہیں۔

حضرت امام مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام﷢

تو نبوت کے کمالات سے براہ راست مستفید ہونے والے تھے، لہٰذا اُن کی صدیقیت اور شہادت میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں فرمایا تھا اَنَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ لَا یَقُوْلُ بَعْدِیْ اِلَّا کَاذِبٌ یعنی میں صدیق اکبر ہوں، میرے بعد جو کوئی صدیقیت کا دعویٰ کرے گا۔ وہ جھوٹا ہو گا۔ اس لحاظ سے بھی صحیح ایمان والا صدیق کہلا سکتا ہے۔

امام ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے بھی شہید ہیں اور اُن میں یہ آٹھ آدمی شامل ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت حمزہؓ۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ چھٹے سال نبوت میں اسلام قبول کیا، مگر ان کی نیک نیتی اور صالحیت کی بنا پر اُن کو بھی نویں نمبر پر شمار کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے توحید کی گواہی دینے والے شہدا ہیں۔

اہل ایمان اور کفار کا بدلہ

فرمایا جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہ صدیق ہیں اور اپنے رب کے ہاں شہید ہیں لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ اُن کے لیے اجر اور روشنی ہے اس روشنی کے ذریعے وہ پلصراط کی گھاٹیوں کو عبور کریں گے اور پھر انہیں اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ملے گا۔ اِن کے برخلاف وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ایمان، توحید، احکام الٰہی اور اعمال صالحہ سب کو جھٹلا دیا۔ وحی الٰہی اور جزائے عمل کا انکار کیا، شریعت کو سچا تسلیم نہ کیا۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ یہی لوگ جہنم والے ہیں جنہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا ہو گا۔ ان دونوں گروہوں کا امتیاز بھی ہو گا کہ ہر گروہ کا انجام مختلف ہو گا۔

درس پنجم ۵ | آیت ۲۰ تا ۲۱

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

ترجمہ:۔ (اے لوگو!) اچھی طرح جان لو کہ بیشک دنیا کی زندگی کھیل اور تماشہ ہے، زینت ہے اور تمھارا آپس میں تفاخر ہے، اور مال واولاد کی کثرتِ طلب ہے۔ جیساکہ بارش، ہو جو خوش لگتا ہے کسانوں کو اس کا سبزہ، پھر وہ خشک ہو جاتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں اس کو زرد، پھر ہو جاتا ہے وہ روندا ہوا۔ اور آخرت میں عذاب ہے سخت اور بخشش ہے اللہ کی

طرف سے اور خوشنودی ۔ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر
سامان دھوکے کا (۲۰) سبقت کرو اپنے پروردگار کی
بخشش کی طرف اور جنت کی طرف جس کا چوڑان آسمان
اور زمین کے چوڑان کی طرح ہے ۔ تیار کی گئی ہے ان
لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے
رسولوں پر ۔ یہ اللہ کا فضل ہے ، دیتا ہے وہ جس کو
چاہے ، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے (۲۱)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والوں اور ایمان لانے والے مردوں اور عورتوں کی فضیلت بیان ہوئی ۔ اور ساتھ ہی کافروں اور مکذبین کے جہنم میں ٹھکانے کا بھی ذکر ہوا ۔ اب آج کی آیات کا تعلق بھی انفاق فی سبیل اللہ ہی سے ہے ۔ اللہ نے اس سلسلہ میں دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کر کے اس کے لوازمات کو کھیل تماشہ قرار دیا اور اس میں انہماک سے منع کیا گیا ہے ۔ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی تیار کردہ جنت کی طرف سبقت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اُسے اپنا فضل قرار دیا ہے ۔ مطلب یہی ہے کہ اللہ کے راستے میں زیادہ سے زیادہ خرچ کر کے اپنے لیے دائمی زندگی کا سامان پیدا کر لو ۔

دنیا کی زندگی کی حقیقت

ارشاد ہوتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ لوگو ! خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشہ ہے وَّزِيْنَةٌ زینت ہے وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ اور تمہارا آپس میں فخر کا اظہار ہے ۔ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ اور مال و دولت کی کثرت طلب ہے ۔ اللہ نے انسانی زندگی کو کھیل اور تماشے کا نام دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ لوگوں کی اکثریت کھیل کود میں ہی انہماک رکھتی ہے اور کرنے کے ضروری کام نہیں کرتی ۔ ظاہر ہے کہ آگے چل کر اس کا نتیجہ خراب ہی نکلے گا ۔ مفسرین کرام اس آیت میں مذکور پانچ چیزوں کو انسانی زندگی کے تین ادوار کے ساتھ منطبق کرتے ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ انسان اپنی عمر کے ابتدائی حصے

یعنی بچپن میں عموماً کھیل کود کا ہی دلدادہ ہوتا ہے۔ اس حصۂ زندگی کو لہو و لعب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر جب انسان پر شباب کا زمانہ آتا ہے تو وہ زیادہ تر زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اچھا لباس، اچھی خوراک، چہرے کی زیب و زینت اور بالوں کی تراش خراش کی طرف زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ اس دور کو اللہ نے زینت کا نام دیا ہے پھر جب بڑھاپے کی منزل آتی ہے تو پھر مال اور اولاد کی فکر بڑھ جاتی ہے کہ مال کو کس طرح سنبھال کر رکھا جا سکتا ہے اور اولاد کی آسودہ حالی کے کون سے ذرائع اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ حقیقت ہے کہ یہ تینوں چیزیں اور باہم مفاخرت سب فانی ہیں۔ یہ ساری چند دن کی رونق ہے۔ اگر انسان اسی میں پھنس کر رہ جائے اور آخرت کی فکر نہ کرے، ایمان اور نیکی سے اعراض برتے تو ظاہر ہے کہ یہ بڑے خسارے کا سودا ہوگا۔ انسان دنیا کی عارضی زندگی کے لیے تو بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے اور اس کے لیے ہر جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرنے سے بھی پرہیز نہیں کرتا، مگر آخرت کی دائمی زندگی سے اکثر بے فکر رہتا ہے۔ ملا جامیؒ نے اس مضمون کو اپنے شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

دلا تا کے دریں کاخ مجازی

کنی مانند طفلاں خاک بازی

اے دل! تم کب تک اس مجازی محل میں بچوں کی طرح مٹی سے کھیلتے رہو گے۔ بچے مٹی کے چھوٹے چھوٹے گھروندے بنا کر کھیلتے ہیں اور پھر خود ہی ان کو ٹھوکر مار کر گرا دیتے ہیں۔ دنیا کی زندگی بھی ایسی ہے۔ انسان چند دن کے لیے اپنی آسائش کے لیے بہت سے سامان کرتا ہے مگر بالآخر سب کچھ یہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں ضرورت سے زیادہ انہماک انسان کو آخرت سے غافل کر دیتا ہے جو کہ سخت خسارے والی بات ہے۔

بارش اور کھیتی کی مثال

آگے اللہ نے دنیا کی مثال بارش اور کھیتی کے ساتھ بیان فرمائی ہے کَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ دنیا کی مثال بارش کی ہے کہ جب وہ برستی

ہے تو کسانوں کے لیے خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ بارش کی وجہ سے زمین میں روئیدگی پیدا ہوگی، جس سے غلہ، پھول، پھل اور سبزیاں پیدا ہوں گی جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک کے طور پر استعمال ہوں گی۔ یہاں پر کسان یا کاشتکار کے لیے کافر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ دراصل کفر کا معنی کسی چیز کو چھپانا ہوتا ہے۔ اصطلاحی کافر کو کافر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دین اور ایمان کو چھپاتا ہے۔ کسان بھی زمین میں بیج ڈال کر اُس کو چھپا دیتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی کافر کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ جس ڈوڈی کے اندر پھل چھپا ہوا ہوتا ہے اُس کو بھی کافر کہتے ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے تو کاشتکاروں کو بھلی معلوم ہوتی ہے وہ خوش ہوتے ہیں کہ اُن کی محنت ٹھکانے لگی، اُن کی کھیتی پھل دے گی جسے وہ کاٹ کر اُس سے مستفید ہوں گے۔

فرمایا کہ کھیتی پک جانے کے بعد ثُمَّ يَهِيجُ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے اس کی سرسبزی ختم ہو جاتی ہے۔ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا پھر آپ دیکھتے ہیں اس کو زرد یعنی اُس کی حالت مزید متغیر ہو جاتی ہے، اُس کی ساری رونق ختم ہو جاتی ہے ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا پھر وہی سرسبز کھیتی سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے یعنی چورہ بن جاتی ہے۔ یہ مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس ناپائیدار زندگی میں زیادہ منہمک نہیں ہونا چاہیئے۔ کھیتی کی طرح انسان بھی جب پیدا ہوتا ہے تو پھول کی طرح نرم و نازک ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے تو پورے جوبن پر آجاتا ہے۔ بڑھاپا آنے لگتا ہے تو قویٰ مضمحل ہونا شروع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ایک دن آتا ہے جب اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ اس دُنیا سے نابود ہو جاتا ہے۔

زندگی کا انجام

اِس دنیا کی زندگی کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کا انجام بھی بیان کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس دُنیا کی رنگینیوں میں ہی پھنس کر رہ گیا اور آخرت کے لیے کوئی سامان تیار نہ کیا تو فرمایا ایسے شخص کے لیے وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ اور جس شخص نے

اِس دُنیا میں رہ ایمان اور نیکی کو حاصل کیا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو تسلیم کیا، وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کو برحق جان کر اُس کے لیے تیاری کی، تو فرمایا اُس شخص کے لیے وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہوگی، اور وہ اُس کی رحمت کے مقام جنت میں پہنچے گا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔ انسان اس زندگی کی آسائش اور آرام کے لیے بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے۔ بڑی بڑی مضبوط عمارتیں تعمیر کرتا ہے جن میں سہولت کی تمام چیزیں مہیا کرتا ہے، مگر جب وہ نہ تو کسی مصیبت کو ٹال سکتا ہے اور نہ موت سے راہِ فرار اختیار کر سکتا ہے تو دنیا کا یہ سارا ساز و سامان محض دھوکہ محسوس ہوتا ہے اور پھر جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو ناکام ہو جاتا ہے اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ دنیا کا سامان تو محض دھوکہ ہے اس میں اُلجھ کر نہ رہ جانا، بلکہ آخرت کی فکر بھی کر لینا۔ اس کے لیے ایمان اور نیکی کو اختیار کرو، جہاد کے لیے جانی اور مالی قربانی پیش کرو۔ جو لوگ ساری زندگی کھیل کود میں گزار دیتے ہیں، اُن کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے کام کر رہے ہیں مگر حقیقت میں بدترین خسارے میں ہوتے ہیں۔ سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا (آیت۔ ۱۰۳) اے پیغمبر! آپ اِن سے کہہ دیں کیا ہم تمہیں نہ بتلائیں کہ اعمال کے لحاظ سے خسارے میں جانے والے کون لوگ ہیں، فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی دنیا کی زندگی کو برباد کر لیا مگر وہ گمان کرتے رہتے ہیں کہ وہ بڑے اچھے اعمال انجام دے رہے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ دنیا کا ساز و سامان تو محض دھوکہ ہے۔

جائز اور ناجائز کھیل کود

ساری دنیا کو اللہ نے کھیل تماشہ قرار دیا ہے، تاہم دنیا کے اندر جو کھیل تماشے ہوتے ہیں، انہیں ایک خاص حد تک اسلام نے برداشت کیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام گھوڑ دوڑ یا اونٹ دوڑ میں حصہ لیتے تھے مگر ایسے مواقع پر جوئے کی شکل میں کوئی شرط وغیرہ نہیں لگائی جاتی تھی۔ آپ کے صحابہؓ بھی اس قسم

کے کھیل کود میں شامل ہو جاتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے کہ تیر اندازی ایک اچھا کھیل ہے
آپ نے بیوی کے ساتھ دل لگی کے کھیل کو بھی برحق فرمایا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں
جہاد میں گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہو کر دشمن سے مقابلہ کیا جاتا تھا۔ تیر، تلوار اور نیزے
کے جوہر دکھائے جاتے تھے، لہٰذا آپ نے ایسے ہی کھیلوں کو پسند فرمایا ہے۔

البتہ کھیل کود کو ہی مقصدِ حیات بنا لینا ہرگز درست نہیں۔ ہمارے ملک
میں آج کل کرکٹ کا بڑا زور شور ہے۔ بچے اور بڑے کھلے میدانوں کے علاوہ سڑکوں،
بازاروں اور گلی کوچوں میں کرکٹ کھیلتے نظر آتے ہیں حتیٰ کہ اب تو رات کو تیز روشنی
میں بھی یہ دھندا ہو رہا ہے۔ اُدھر حکومت بھی کرکٹ اور دوسری کھیلوں کی سرپرستی
کر رہی ہے۔ بیرونِ ملک سے ٹیمیں کھیلنے کے لیے آتی ہیں اور ہماری ٹیمیں باہر
جاتی ہیں۔ جس پر کروڑوں روپیہ صرف ہو رہا ہے، مگر نتیجہ صفر ہے۔ نہ قوم کا فائدہ نہ
ملک کا۔ آخر ہماری ٹیم جیت بھی جائے تو کونسا ملک فتح ہو گیا۔ مگر ادھر صدر اور وزیرِ اعظم
مبارکباد دے رہے ہیں، کھلاڑی قومی ہیرو بنے ہوئے ہیں۔ لوگ کئی کئی دن تک متواتر میچ
دیکھ رہے ہیں، ٹی وی یا ریڈیو کے سامنے کام کاج چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دفتروں اور
کارخانوں میں حاضری کم ہو جاتی ہے۔ یہی حال دوسرے کھیلوں کا بھی ہے۔ اس طرح
وقت، پیسہ اور توانائی برباد کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ کھیل کود کو مقصدِ حیات بنا لینا یہی
تو ہے اور اس قسم کا کھیل کود ہرگز پسندیدہ نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے۔

اس ضمن میں ہم ترقی یافتہ ممالک کی نقالی کرتے ہیں کہ ان کھیلوں کو عوامی سطح
پر مقبولیت حاصل ہے۔ بھائی وہ لوگ اگر ان کھیلوں میں دلچسپی لیتے ہیں تو وہ اپنا
کام بھی بطریقِ احسن انجام دیتے ہیں۔ اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد کھیل کی طرف
متوجہ ہوتے ہیں۔ ہم نے اس کام میں تو ان کی نقالی کر لی مگر جو کام وہ سائنس، ٹیکنالوجی
اور انجنیئرنگ میں انجام دے رہے ہیں، مختلف شعبوں میں ریسرچ کر رہے ہیں اس
کی طرف ہم توجہ ہی نہیں دیتے بلکہ کھیل کود کی نقالی کو ہی قابلِ فخر بات سمجھتے ہیں۔
اگر کھیل کود پر اٹھنے والا کروڑوں روپیہ تعلیمی مقاصد کے لیے صرف ہوتا، تحقیقی ادارے

قائم ہوتے ، محتاجوں کی اعانت ہوتی ، ملک سے بھوک ، غربت اور ناخواندگی دور ہوتی تو کچھ فائدہ بھی ہوتا - اِن کھیلوں سے قوم کو کیا فائدہ ہو رہا ہے ۔

مغفرت اور جنت طلبی

اللہ نے فرمایا کہ لہو و لعب ، زیب و زینت ، آپس میں تفاخر اور مال و اولاد کی کثرت طلب کو ہی زندگی کا مقصود نہ بنالو بلکہ اِن چیزوں کو جائز حد تک اختیار کرنے کی اجازت ہے ۔ اِن میں حد سے آگے نہ بڑھو ۔ بلکہ کرنے کا کام یہ ہے کہ سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرنے میں سبقت کرو ۔ وہ کام انجام دو جن سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہو اور وہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے اس کے علاوہ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کی طرح ہے اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ جو اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے ۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ۔ جنت ان کا حق ہے جو اللہ کی ذات و صفات اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائیں ۔ کسی ایک نبی اور رسول کا انکار تمام رسولوں کے انکار کے مترادف ہے ۔ اس لیے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے ۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی

فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کر دے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ، لوگو ! اگر تم پل صراط پر سے گزر جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی معافی کے ساتھ ہی گزر و گے اور اگر جنت میں داخلہ ملے گا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہی ممکن ہو سکے گا ۔ اور اگر تم مرتبے حاصل کرو گے تو وہ تمہارے اعمال کی بدولت ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (الاحقاف - ۱۹) ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق ہی درجات نصیب ہوں گے ۔ اس کے باوجود اپنی کامیابی کا مدار اعمال ہی کو نہ سمجھو ، کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ کی مہربانی شاملِ حال نہ ہو کامیابی ممکن نہیں ۔ ظاہر ہے ، کہ اگر انسان

لہو ولعب، عصیاں، زینت، اور تفاخر میں ہی مبتلا رہا۔ حرص اور لالچ کا بندہ بنا رہا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مہربانی کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

ہجرت کے بعد اکثر مہاجرین نادار ہو گئے تھے۔ ایک موقع پر وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضور مالدار لوگ تو نماز اور روزہ کے علاوہ حج اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں، اس کے علاوہ صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں جب کہ ہم ناداری کی وجہ سے دین کے یہ ارکان پورا کرنے سے قاصر ہیں اور اس وجہ سے ہم ان سے مرتبہ میں بھی کمتر ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم نماز کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ کلمات سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو تو تم کو اللہ تعالیٰ بڑا اجر عطا کریگا اور کوئی دولت مند آدمی بھی تم سے درجات میں آگے نہیں بڑھ سکے گا، اور تم ان سے سبقت لے جاؤ گے۔ جب صاحب ثروت لوگوں کو اس عمل کا علم ہوا تو انہوں نے بھی یہ کلمات پڑھنا شروع کر دیے۔ اس کے بعد غریب لوگ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور یہ عمل تو انہوں نے بھی شروع کر دیا ہے لہٰذا وہ پھر ہم سے سبقت لے جائیں گے۔ آپ نے یہی جواب دیا جو اس آیت کریمہ میں ہے یعنی ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَآءُ یہ تو اللہ کی مہربانی اور اس کا فضل ہے، وہ جس کو چاہے عطا کر دے۔ اگر مالدار لوگ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید بھی حسن نیت سے انجام دے رہے ہیں تو اس توفیق کا ملنا اللہ تعالیٰ کے فضل ہی کا مرہون منت ہے وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل اور مہربانی والا ہے۔

درس ششم ۶ | آیت ۲۲ تا ۲۴

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ نِ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۴﴾

ترجمہ :- نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہارے نفسوں میں مگر وہ ایک کتاب میں درج ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو ظاہر کریں ۔ بیشک یہ کام اللہ پر آسان ہے ﴿۲۲﴾ تاکہ تم نہ غم کھاؤ اس چیز میں جو تم سے فوت ہو چکی ہے ، اور نہ اتراؤ اس چیز پر جو اس نے تمہیں دی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ہر اترانے والے اور فخر کرنے والے کو ﴿۲۳﴾ وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں ، اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں ، اور جو شخص پھرا ، پس بیشک اللہ تعالیٰ غنی اور تعریفوں والا ہے ﴿۲۴﴾

گذشتہ آیات میں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہوا ، دنیا کی لہو و لعب زیب و زینت اور مال و اولاد کی کثرتِ طلب کو مہلک قرار دیا گیا ۔ دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کر کے خدا تعالیٰ کی بخشش و مغفرت اور وسیع و عریض جنت

کی طرف سبقت کرنے کی ترغیب دی گئی پھر فرمایا کہ یہ جنت اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم کے نظام کے قیام کے لیے مال صرف کیا۔ جس کا معاوضہ اللہ کے ہاں ملنے والا ہے۔

اندرونی اور بیرونی مصائب

بعض لوگ مال کو اللہ کے راستے میں اس لیے خرچ نہیں کرتے کہ یہ مال اُن کی مصیبت میں کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس نظریہ کی تردید فرمائی ہے اور اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ تمام آلام و مصائب اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر ہیں اور اللہ کی لوحِ محفوظ میں بھی درج ہیں لہٰذا ان کو مال و دولت یا کوئی دوسری تدبیر دُور نہیں کر سکتی، بلکہ وہ ضرور آکر رہیں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر یقین ہو گا تو مصائب کم معلوم ہوں گے، لہٰذا مال خرچ کرنے میں بخل نہیں کرنا چاہیئے۔ ارشاد ہوتا ہے مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ زمین میں، یا تمہارے نفسوں میں کوئی مصیبت یا تکلیف نہیں پہنچتی اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مگر وہ ایک کتاب میں درج ہے مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡـرَاَهَا پیشتر اس کے کہ ہم نے ظاہر کریں۔ زمین سے مراد ملک، علاقہ یا خطہ ہے اور نفس سے مراد انسان کا اپنا جسم ہے۔ مطلب یہ ہے ہر اندرونی اور بیرونی طور پر پیش آنے والی تکلیف اچانک نہیں آجاتی بلکہ یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی تقدیر اور لوحِ محفوظ میں درج ہے اور وہ ہر صورت میں وارد ہو کر رہے گی۔ لہٰذا کسی مصیبت کو ٹالنے کے لیے مال کو روک رکھنا بے سود ہے۔ بیرونی مصائب میں زلزلہ، قحط، جنگ، یا طوفان وغیرہ آتے ہیں جن کی وجہ سے بہت سا جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے، دنیا میں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں جن میں ہزاروں آدمی جان بحق اور لاکھوں بے گھر ہو جاتے ہیں، لوگوں کی املاک تباہ ہو جاتی ہیں اور پوری زندگی درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے ۱۹۲۳ء کا جاپان کا زلزلہ، بیس پچیس سال قبل بذرتہ بستی کا زلزلہ اور ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ میں آنے والے زلزلے کی مثالیں موجود ہیں۔ افریقی ممالک

میں اکثر قحط نمودار ہوتا رہتا ہے جس سے وسیع پیمانے پہ جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ بنگال کا قحط تو بڑا مشہور ہے۔ سرحدی علاقے کی بھاشان بستی کے زلزلہ میں چار ہزار کی آبادی ختم ہو گئی تھی اسی طرح سمندری طوفانوں کا سلسلہ بھی دنیا میں چلتا رہتا ہے ہمارے اس خطے میں بنگلہ دیش اکثر اس کا شکار بنتا ہے جس کی وجہ سے جانی نقصان کے علاوہ کھڑی فصلوں، مکانوں اور کارخانوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے اندرونی طور پر انسانی جسم طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ آج کل بلڈ پریشر اور شوگر کی بیماریاں عام ہیں، دل کی بیماریوں کی وجہ سے بھی بہت سی جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ اِس زمانے میں ماحول کی آلودگی بھی بیماریوں کا باعث بن رہی ہے۔ صنعتی ترقی کے نتیجے میں کارخانوں سے نکلنے والا زہریلا دھواں اور مختلف کیمیائی چیزوں کا فضلہ ماحول کی آلودگی میں اضافہ کا باعث بن رہا ہے جس سے انسانی بیماریوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح روز افزوں مہنگائی، عوام کی تنگدستی، منافقین کی ریشہ دوانیاں سڑکوں پر بڑھتے ہوئے حادثات، عیاشی، فحاشی، اور عریانی کا بڑھتا ہوا سیلاب سب مصائب ہی تو ہیں۔ جن کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ کی کتاب میں درج ہیں اور انھیں وارد ہونے سے روکا نہیں جا سکتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ارض و سماء کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل اللہ نے تقدیر کو مقدر کر دیا تھا، اُس وقت خدا تعالیٰ کا عرش پانی پہ تھا۔ ایک حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے مَا اَصَابَکَ لَمْ یَکُنْ لِیُخْطِئَکَ یعنی جو چیز تجھے پہنچنے والی ہے وہ چوکنے والی نہیں۔ خواہ تم کتنی ہی تدابیر اختیار کر لو وہ آ کر رہے گی۔ اور جو چیز تجھے نہیں پہنچی، وہ سمجھ لو کہ کبھی پہنچنے والی نہ تھی۔ سورۃ التغابن میں اللہ کا فرمان ہے مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آیت۔ ۱۱) ہر آنے والی مصیبت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی وارد ہوتی ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں یہ بھی موجود ہے۔ وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ (آیت۔ ۳۰) تمھیں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ

تمھارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ ہر مصیبت کے آنے میں انسان کی نیت ارادے اور عمل کا ضرور دخل ہوتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ بہت سی مصیبتوں سے درگزر بھی فرماتا ہے اور وہ تکلیف انسان کو نہیں پہنچتی۔ مفسر قرآن حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم تک یہ بات اپنے اساتذہ یا بزرگوں کے ذریعے پہنچی ہے کہ اگر انسان کو لکڑی کی ایک خراش آجاتی ہے، پاؤں کو ٹھوکر لگتی ہے اور وہ زخمی ہو جاتا ہے یا انسان کی کوئی رگ پھڑکتی ہے جس سے اُسے تکلیف لاحق ہو جاتی ہے تو یہ ساری تکالیف کسی نہ کسی گناہ کا نتیجہ ہوتی ہیں اور ان کے علاوہ جن سے اللہ درگزر فرما دیتا ہے وہ تو بہت زیادہ ہیں۔ ہاں اگر انسان کا عقیدہ درست ہو، اُس کا ایمان صحیح ہو اور وہ تکلیف میں صبر سے کام لے تو یہی تکلیف اُس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، اسی لیے بعض حضرات فرماتے ہیں مَنْ عَرَفَ سِرَّ الْقَدَرِ هَانَتْ عَلَيْهِ الْمَصَائِبُ جو شخص اللہ کی تقدیر کے راز کو پالیتا ہے اُس پر دُنیا کی مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں اور وہ جزع فزع نہیں کرتا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے یہ دُعا بھی سکھلائی ہے وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا اے اللہ! ہمیں یقین میں سے اتنا حصہ عطا فرمادے۔ جس کی وجہ سے ہم پر دنیا کی مصیبت آسان ہو جائے۔ چنانچہ جس قدر انسان کا یقین پختہ ہوگا۔ اسی قدر اُس کو تکالیف کم محسوس ہوں گی۔ جزع فزع اور گلہ شکوہ عموماً ایمان کے نقص اور یقین کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مصائب میں سے زیادہ خطرناک دینی مصائب ہیں کیونکہ دنیا کی تکالیف تو انسان کی زندگی تک محدود ہیں، انسان ختم ہوا تو اُس کی تکالیف بھی ختم ہو گئیں مگر دین کی مصیبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ اگر انسان کا اعتقاد خراب ہے، اُس میں کفر، شرک، نفاق یا الحاد کا کچھ حصہ پایا جاتا ہے اور پھر وہ اسی حالت میں دُنیا سے چلا گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے مصائب و آلام میں گرفتار رہے گا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دُعا سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا اے اللہ! دین کے معاملے میں ہمیں کسی

مصیبت میں نہ ڈال کیونکہ دنیا کی مصیبت تو ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی، مگر دین کی مصیبت کبھی ختم نہیں ہوگی۔ بہر حال فرمایا کہ کوئی مصیبت نہیں پہنچتی زمین میں یا تمھارے نفسوں میں مگر یہ ایک کتاب میں درج ہے پیشتر اس کے کہ ہم اس کو ظاہر کریں۔ فرمایا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ یہ کام یعنی تمام پیش آنے والے حالات کو کتاب میں پہلے ہی درج کر دینا اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں بلکہ آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے، وہ ازلی اور ابدی ہے، لہٰذا اس کے لیے کوئی کام دشوار نہیں۔

حسرت اور تکبر کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے ہر تکلیف کو پہلے سے کتاب میں درج کرنے کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے۔ لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ تاکہ جو چیز تمھارے ہاتھ سے نکل گئی ہے اُس پر افسوس نہ کرو۔ تمھیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کے علم اور تقدیر میں اسی طرح تھا کہ مجھے یہ تکلیف پہنچے گی یا یہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اگر یہ یقین پیدا ہو جائے تو پھر متاثرہ شخص پریشانی، بے چینی اور جزع فزع کا اظہار نہیں کرے گا۔

پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ اور جو نعمت اللہ نے تمھیں عطا فرمائی ہے اُس پر شیخی نہ بھگارو، اور نہ اُس پر غرور و تکبر کا اظہار کرو۔ تقدیر میں پہلے سے مقرر ہونے کی یہ بھی حکمت ہے۔ جب انسان کو علم ہوگا، کہ اُسے ملنے والا مال و دولت، اولاد، عزت و جاہ سب اللہ کی طرف سے لکھا ہوا ہے تو وہ اسے اپنی محنت اور کوشش کا ثمرہ نہیں سمجھے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوگا۔ بہر حال فرمایا کہ کسی مصیبت کے آنے پر افسوس نہ کرو اور کسی چیز کے حصول پر اتراؤ نہیں کیونکہ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کے بیٹے کے حق میں نصائح میں سے ایک یہ نصیحت بھی بیان فرمائی ہے وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (آیت ۱۸) اے بیٹے! لوگوں کے سامنے اپنے گال مت پھلاؤ اور زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور اپنی بڑائی بیان کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہوتے ہیں۔

بخل کی مذمت

دولت مند عام طور پر بخل کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ اپنی بڑائی تو بیان کرنے سے نہیں چوکتے مگر جب خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو بخل کرتے ہیں۔ اللہ نے ایسے لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ جو لوگ بخل کرتے ہیں، انہیں خود تو خرچ کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کی تلقین کرتے ہیں اپنے قول و فعل سے لوگوں کو کنجوسی پر آمادہ کرتے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص نیکی کا کام کرنا بھی چاہے تو اس پر طعنہ زنی کرتے ہیں یا غلط پراپیگنڈا کے ذریعے اُس کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ مال کو ضائع کر رہا ہے۔ ہاں اگر کسی بُرے کام یا بڑی رسم ورواج میں خرچ کرنے کی ضرورت پیش آئے، تو بخوشی خاطر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور اس طرح اسراف کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بخل بہت بُری خصلت ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ بخل سے مہلک کوئی روحانی بیماری نہیں ہے۔ جو شخص سب کچھ ہونے کے باوجود صحیح جگہ پر خرچ نہیں کرتا بلکہ روگردانی کرتا ہے تو اللہ نے فرمایا وَمَنْ يَّتَوَلَّ جو آدمی روگردانی کرتا ہے یعنی صحیح مقام پر خرچ کرنے کی بجائے اُس سے اعراض کرتا ہے، تو فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ تو بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ اُسے کسی کے مال کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس میں خود خرچ کرنے والے کا ہی فائدہ ہے۔ سورۃ کی ابتداء میں یہ بات سمجھادی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خرچ کیے گئے مال کا کم از کم دگنا عطا کریگا۔ اگر تم قرآن کے پروگرام کی ترویج کے لیے مال خرچ کرو گے تو اللہ دنیا میں بھی کئی گنا عطا کرے گا اور آخرت کا اجر تو بے حد بے شمار

انفاق کا فائدہ

انفاق کا فائدہ یہ ہے کہ فرض ادا ہوتا ہے، انسان کو تہذیب نفس حاصل ہوتی ہے اور وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے قابل ہو جاتا ہے۔ سخی آدمی بخل کی بیماری سے بچ جاتا ہے اور اس سے بنی نوع انسان کا بھلا بھی ہوتا ہے۔ دو خصلتیں بہت بڑی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست ہو، اور دوسری یہ کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھی رشتہ صحیح ہو۔ انفاق فی سبیل اللہ سے یہ دونوں مقصد حاصل ہوتے ہیں۔ صدقات اور زکوٰۃ کی یہی حکمت ہے کہ ایک طرف محتاجوں کی ضروریات پوری ہوں تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائے۔

مال کے متعلق پہلے واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ کسی کا ذاتی نہیں ہے، انسان تو اس کے صرف امین ہیں، اصل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی متصرف ہے۔ اُس نے مجازی طور پر انسانوں کو تھوڑے عرصے کے لیے اس کا مالک بنایا ہے اور اس کو صرف کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش کرتا ہے کہ وہ میرے دیئے ہوئے مال میں سے میرے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر طریقے سے انسان کو آزماتا ہے ———— کبھی مال دے کر آزماتا ہے اور کبھی چھین کر آزماتا ہے۔ کبھی تندرستی دے کر اور کبھی بیماری دے کر، کبھی عروج دے کر اور کبھی زوال دے کر۔ پھر جو شخص اِس آزمائش میں پورا اترتا ہے وہ اس کے اجر و ثواب کا مستحق بنتا ہے، اور جو اس آزمائش پر پورا نہیں اُترتا وہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتا ہے۔ بہر حال اللہ نے مصائب کے وقت دو چیزوں کو بطور علاج تجویز کیا ہے جن میں سے ایک ایمان ہے اور دوسرا صبر۔ اُن پر عمل کرنے والا کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔

درس ہفتم ۷ — آیت ۲۵

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

ترجمہ :- البتہ تحقیق بھیجے ہم نے اپنے رسول کھلی نشانیوں کے ساتھ ، اور اتاری ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزان تاکہ لوگ قائم رکھیں انصاف کو ۔ اور اُتارا ہم نے لوہا ، اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں ۔ اور تاکہ معلوم کر لے اللہ تعالیٰ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بغیر دیکھے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت زور والا ، اور کمال قوت کا مالک ہے ﴿۲۵﴾

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں بنیادی عقائد توحید ، رسالت اور قرآن کریم کی ہدایت سے مستفید ہونے والے اور محروم رہنے والے لوگوں کا انجام بیان ہوا ہے ۔ دنیا کی بے ثباتی کے پیش نظر آخرت میں کامیابی کے لیے ترغیب دی گئی ہے اللہ نے انسانوں پر آنے والے مصائب کے متعلق فرمایا کہ یہ سب لوح محفوظ میں درج ہیں ، پھر تکبر اور غرور کی تردید فرمائی کہ جس شخص کو آسودگی حاصل ہو اسے اترانا نہیں چاہیئے ۔ پھر اللہ نے بخل سے بچنے کی تلقین فرمائی کہ نہ خود بخل کا ارتکاب کرو اور نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دو ۔

مقصد بعثت انبیاء

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول اور پھر لوہے جیسی قیمتی دھات کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ البتہ تحقیق ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول کھلی نشانیوں کے ساتھ۔ تمام انبیاء اور رسولوں کی بعثت کا مقصد بنی نوع کی ہدایت رہا ہے۔ اللہ کے نبی انسانوں کی دُنیا و آخرت کی فلاح کا قانون اُن تک پہنچاتے ہیں، اُن کو صحیح راستے کی تعلیم دیتے اور اُس پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی قانون کا نام دین، شریعت یا ملت ہے جس میں انسانوں کی دنیوی اور اخروی بھلائی پائی جاتی ہے، چنانچہ تمام انبیائے کرام سب سے پہلے لوگوں کے عقائد کی اصلاح کرتے رہے ہیں کیونکہ جب تک فکر صحیح نہ ہو اُس وقت تک کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہوتا۔

بینات اور ہدایت

اسی ضمن میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو بینات یعنی کھلی نشانیاں دے کر مبعوث فرمایا۔ قرآنِ کریم میں بینات اور ہدایت کا ذکر بار بار اور اکٹھا بھی آیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی (آیت ۱۵۹) اللہ نے اس آیت میں بینات اور ہدایت کو چھپانے والوں کو ملعون ٹھہرایا ہے۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ بینات میں واضح اصول اور واضح قوانین آتے ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی اور جن پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ کی وحدانیت کے بیشمار دلائل موجود ہیں جن کو ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا ذکر انسانی فہم کے عین مطابق ہے، اس کا شکر، شعائر اللہ کی تعظیم اور مصیبت کے وقت صبر، اللہ کے ساتھ تعلقات کی درستگی کے لیے نماز کی پابندی وغیرہ بالکل واضح چیزیں ہیں جو بینات کہلاتی ہیں۔ بینات کی فہرست میں واضح دلائل، براہین، احکام اور معجزات بھی آتے ہیں جو نبی کی صداقت کی علامت ہوتے ہیں۔ اور ہدایت میں بعض دقیق حقائق اور مسائل بھی ہوتے ہیں جن کو سمجھنے کے لیے ایک عام انسان کو اُستاذ کی ضرورت ہوتی ہے اور سخت محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔

ہر حال فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔

کتاب اور میزان

فرمایا وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ اور رسولوں کے ساتھ ہم
ے کتاب اور میزان بھی نازل فرمائی۔ ہر نبی اور رسول کو اللہ نے کتاب یا صحیفہ عطا
رمایا جو دین کی بنیاد اور اساسی قانون ہوتا ہے، اور پیغمبر کا قول اور فعل اس کتاب
ہ شرح ہوتی ہے اور میزان کا عام فہم معنیٰ ترازو ہے تاہم اس کے معانی میں مفسرین
ے اختلاف کیا ہے بعض فرماتے ہیں کہ میزان سے مراد شریعت ہے جس سے
یح اور غلط چیز کی پہچان ہوتی ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ میزان سے انسانی عقل
مراد ہے کہ اس کے ذریعے بھی انسان حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ تاہم اکثر
مفسرین اس میزان کو ظاہری ترازو سے ہی تعبیر کرتے ہیں کیونکہ یہ حقوق کی پہچان
معیار ہوتا ہے۔ جب کوئی چیز ترازو میں تولی جاتی ہے تو اس سے لینے اور
دینے والے کے حقوق کا پتہ چلتا ہے اللہ نے سورۃ الرحمٰن میں بھی ترازو کا ذکر
کیا ہے وَوَضَعَ الۡمِيۡزَانَ (آیت ۔ ۷) اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور
اس کو رکھا تاکہ وزن کرنے میں زیادتی نہ کرو۔ ترازو کو انصاف کے ساتھ
قائم کرو۔ اور ماپ تول میں کمی نہ کرو۔ یہاں پر اللہ نے فرمایا ہے کہ میزان
نازل فرمایا۔ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ تاکہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں
اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہونے پائے۔ غرضیکہ اللہ نے کتاب نازل فرمائی
جس سے اساسی اصول معلوم ہوئے، نبی نے اپنے قول و فعل سے اس کتاب کی تشریح فرمائی۔
پھر میزان کو قائم کر دیا تاکہ حسی طور پر حقوق کی پہچان ہو سکے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک
مد رَفۡعُ التَّظَالُمِ مِنۡ بَيۡنِ النَّاسِ یعنی لوگوں کے درمیان سے ناانصافی
دور کرنا بھی ہے۔ اور ترازو کے نزول کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگوں کو ظلم و زیادتی
سے بچایا جائے۔ اللہ نے قرآن پاک میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا جو
ماپ تول میں کمی کرتی تھی۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا فَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ (هود-۸۵) ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو، اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔

ایک دفعہ حضور علیہ السلام بازار تشریف لے گئے تو تاجروں کو مخاطب کر کے فرمایا یٰمَعْشَرَ التُّجَّارِ اے تاجروں کے گروہ! تم دو چیزوں کے والی بنائے گئے ہو۔ اور وہ چیزیں اَلْکَیْلُ الْمِیْزَانُ پیمائش کے پیمانے اور میزان ہیں۔ بعض سابقہ قومیں اپنی چیزوں میں کمی بیشی کر کے تباہ ہوئیں۔ سورۃ المطففین میں بھی اللہ نے فرمایا وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ① الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ② وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ ③ ہلاکت اور بربادی ہے، اُن لوگوں کے لیے جو ناپ اور تول میں کمی کرتے ہیں۔ وہ جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

بہرحال بعثت انبیاء، نزول کتاب اور میزان کا مقصد لوگوں کے درمیان انصاف قائم کرنا ہے۔

لوہے کا نزول

آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے لوہے کی افادیت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ اور ہم نے لوہے کو اتارا فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ اس میں سخت لڑائی ہے وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے لیے بہت سے فوائد ہیں۔ لوہے کے لیے نزول کا لفظ کچھ غیر مانوس معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ دھات کہیں اوپر سے نازل نہیں ہوتی بلکہ زمین میں روپوش کانوں سے نکالی جاتی ہے۔ اس لیے اگر اَنْزَلْنَا کا معنی خَلَقْنَا کیا جائے یعنی نازل کرنے کی بجائے پیدا کرنا معنی کیا جائے تو زیادہ موزوں ہے۔ اس طرح کے مفہوم کی مثال سورۃ الزمر میں بھی ملتی ہے جہاں اللہ نے مویشیوں کے متعلق فرمایا ہے وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ (آیت۔ ۶) اللہ نے تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے نازل کیے۔ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری نر مادہ اللہ نے آسمان سے نازل نہیں کیے بلکہ یہ اُس نے سلسلہ تناسل کے ذریعے پیدا کیے ہیں۔ تاہم اِن کی اور ہر چیز کی پیدائش کا

حکم ضرور عالم بالا سے آتا ہے۔

لوہے کا استعمال

لوہے کی دریافت بڑی پرانی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے لوہے کی سوئی بنا کر اس سے کپڑے سیے۔ چنانچہ لوہے کا استعمال اُس وقت سے ہو رہا ہے۔ قدیم زمانے سے جنگی ہتھیار تلوار، نیزہ، تیر، زرہ، ڈھال وغیرہ لوہے سے ہی تیار کی جا رہی ہیں۔ گذشتہ صدی کو لوہے کا زمانہ (IRON AGE) کا نام دیا گیا تھا، چنانچہ اُس دور سے لے کر لوہے سے بے انتہا کام لیا گیا ہے۔ آج زندگی کے کسی شعبے سے بھی لوہے کو خارج نہیں کیا جا سکتا۔ آلاتِ حرب کے طور پر استعمال ہونے والی اشیاء بندوق، توپ، گولہ بارود، ٹینک، گاڑیاں، ہوائی جہاز، بحری جہاز وغیرہ سب لوہے سے تیار ہوتی ہیں صنعتی میدان میں تمام چھوٹی بڑی مشینری لوہے سے تیار ہوتی ہے۔ جن کی وجہ سے دنیا میں صنعتی ترقی اپنے عروج کو پہنچ چکی ہے اب تو زراعت کے لیے بھی روایتی زرعی آلات کی جگہ لوہے سے تیار ہونے والے جدید آلات، ٹریکٹر، ٹرالی، ہل، بلڈوزر وغیرہ استعمال ہو رہے ہیں جس سے زراعت میں بھی بڑی ترقی ہوئی ہے۔ عام گھریلو استعمال کی اشیاء میں لوہے کو جس حد تک دخل ہے وہ سب کے سامنے ہے حتیٰ کہ اب تو چارپائیاں بھی لوہے کی بن رہی ہیں۔ ٹرانسپورٹ کا سارا نظام لوہے پر منحصر ہے۔ چھوٹی بڑی گاڑیوں سے لے کر ریل گاڑیوں اور اُس کی پٹڑی سب لوہے سے بنتی ہیں۔ غرضیکہ لوہا ایک نہایت ہی کارآمد دھات ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت لڑائی ہے یعنی جنگ کے دوران اِس کی افادیت مزید بڑھ جاتی ہے اور اِس میں لوگوں کے لیے دیگر بھی بہت سے فوائد ہیں۔ بعض تفسیری روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ نے لوہا، آگ، پانی اور نمک آسمان سے اُتارا۔

جوں جوں آبادی بڑھ رہی ہے ضروریاتِ زندگی بھی بڑھ رہی ہیں۔ زیر زمین لوہا، کوئلہ، تانبہ، پٹرول جیسی چیزوں کا ذخیرہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔

لہٰذا دُنیا اب لوہے کے دور سے نکل کر ایٹمی دور میں داخل ہو رہی ہے ایٹمی توانائی سے بجلی کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایٹم کا استعمال شعبہ طب میں بھی آگے بڑھ رہا ہے اور مزید تجربات کیے جا رہے ہیں حتیٰ کہ اب جنگیں بھی ایٹمی دور میں داخل ہو چکی ہیں اور بے شمار ایٹمی ہتھیار ایجاد ہو رہے ہیں۔ بہر حال لوہے کی اپنی افادیت ہے اور ایٹمی توانائی کو بھی لوہے کے بغیر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

احادیث نبوی میں آہنی آلات کا ذکر

مسند احمد اور ابو داؤد شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدِي السَّاعَةِ قیامت سے پہلے اللہ نے مجھے تلوار کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ یہاں تک اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک لوگ توحید خالص پر ایمان نہیں لے آتے اور صرف اللہ کی عبادت پر کاربند نہیں ہو جاتے، مجھے اُن کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے جَعَلَ اللّٰهُ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي اللہ نے میری روزی نیزے کے سایے میں رکھی ہے۔ حضور علیہ السلام نے خود اپنے دستِ مبارک سے ایک بڑے کافر کو نیزہ مارا جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ لوگوں نے اُسے تسلی دینا چاہی تو وہ شخص کہنے لگا کہ محمد کے ہاتھ کے نیزے کو تو پورے مشرق کے لوگ برداشت نہیں کر سکتے، بھلا میں کیسے ــ زندہ رہ سکتا ہوں؟ چنانچہ وہ آدمی اسی زخم سے ہلاک ہو گیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے اس امت کے لیے مالِ غنیمت کو حلال اور طیب قرار دیا ہے، لہٰذا خمس الگ کر کے مالِ غنیمت کو صحیح طریقے سے تقسیم کرو۔ پھر فرمایا جُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ اَمْرِي۔ یعنی جس نے میرے حکم کی مخالفت کی اللہ نے اُس پر ذلت اور حقارت مسلط کر دی۔

اسی روایت میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جس نے کسی دوسری قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے

ہے۔ امام ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ لوہا وہ حقیقت ہے جس سے پوری نوعِ انسانی کا نظم و نسق صحیح معنوں میں قائم ہو سکتا ہے۔ وہ نظم و نسق جس سے اصلاحِ معاش بھی ہوتی ہے اور اصلاحِ معاد بھی، کیونکہ اس کی بنیاد علم و حکمت پہ ہے، اور عمل اور استقامت کے لیے جس چیز پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، وہ عدل ہے، اور عدل کا نفاذ سیف اور قلم سے ہی ممکن ہے۔ اسی طرح جمہور کی اصلاح کا مدار علم و حکمت اور قلم پہ ہے ظاہر ہے کہ اس میں بھی لوہے کا کتنا دخل ہے۔ بظاہر علم اور لوہے کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا مگر غور سے دیکھا جائے تو علم کے لیے قلم کی ضرورت ہوتی ہے جو لوہے سے ہی بنتی ہے۔ عوام کی اصلاح کا مدار بھی زیادہ تر لوہے سے بننے والی چیزوں پہ ہی ہے۔ تو امام ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ نفوسِ شریرہ کے قہر اور غلبہ کا مقابلہ آہنی ہتھیاروں سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ غرضیکہ اصلاحِ معاشرہ اور عدل و انصاف کے لیے لوہا ایک ناگزیر چیز ہے۔

مسلمانوں کی پسماندگی

لوہے کی اتنی زبردست افادیت کے باوجود افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کو لوہے کے استعمال کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ پچھلی صدی میں جاپان بھی ایک پس ماندہ قوم تھی۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد اس نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی منازل طے کرنا شروع کیں۔ باوجود اس کے کہ دوسری جنگِ عظیم میں یہ ملک بری طرح تباہ ہو گیا تھا۔ مگر آج اُس نے لوہے کے استعمال میں ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر اس قدر ترقی کر لی ہے کہ صنعتی میدان میں امریکہ کو بھی پیچھے چھوڑ گیا ہے مادی ترقی کے لیے وقت، محنت، قربانی اور سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو جاپان نے بالکل صحیح طریقے سے استعمال کیا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ملک میں چند آدمی بھی تیار نہیں ہو سکے جو ملک کو معاشی ترقی میں آگے بڑھا سکیں۔ اس ملک کے کارپردازوں نے قابل لوگوں کی کبھی قدر نہیں کی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر اچھا آدمی بیرونِ ملک جانا پسند کرتا ہے تاکہ اُسے بہتر معاوضہ حاصل ہو سکے۔ اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہم ہر میدان میں بیرونی طاقتوں

کے مشوروں، اُن کی مشینری اور ان کے تیار کردہ آلات حرب پر انحصار کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جونہی کسی ملک سے تعلقات میں خرابی آتی ہے وہ فوراً اپنی مدد روک کر پاکستان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا ہے ترقی یافتہ ممالک پس ماندہ ممالک کو کبھی ترقی یافتہ ممالک میں شامل ہوتے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ اس طرح اُن کے تیار کردہ اسلحہ، مشینری اور دیگر ضروریات زندگی کی منڈی ضائع ہو جاتی ہے۔ مغربی ممالک مشرقی ممالک کو ہمیشہ پس ماندہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ تو خود غریب ممالک کا فرض ہے کہ وہ مناسب منصوبہ بندی کر کے ترقی یافتہ ممالک کے چنگل سے آزاد ہونے کی کوشش کریں۔

سعودی عرب میں تیل کی وجہ سے دولت عام ہے جس کی وجہ سے امریکہ اور پورے یورپ کا مال یہاں سپلائی ہوتا ہے حتیٰ کہ غریب ممالک کے حجاج دنیا بھر کی چیزیں سعودی عرب سے خرید کر لاتے ہیں۔ افسوس کہ عربوں نے کبھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے اپنے ملک میں انڈسٹری قائم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ایسی سکیموں کے لیے انہیں ترقی یافتہ ممالک کے ماہرین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جو انہیں کبھی قابل عمل سکیم شروع کرنے کا مشورہ نہیں دیتے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ تیل کی دولت سے مالامال یہ عظیم ملک پورے مغرب کی منڈی بنا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ (الانفال۔۔۶۰) دشمنوں کے مقابلے میں جتنی بھی قوت جمع کر سکتے ہو کرو۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم پورے عالم اسلام یا کسی ایک اسلامی ملک کے تمام وسائل کو بھی جمع کرنے پر تیار نہیں۔ ہم دفاعی امور میں بھی غیروں کے مشیروں سے مشورہ لیتے ہیں، بھلا وہ ہمیں صحیح مشورہ کیسے دے سکتے ہیں؟ وہ تو ایسا منصوبہ بنائیں گے جس سے مسلمان کبھی صحیح لائن پر نہ چڑھ سکیں، بلکہ عیاشی، فحاشی، اسراف و تبذیر اور کھیل کود میں مشغول رہ کر مغرب کے دست نگر بنے رہیں۔ ہم نے نہ تو اپنی کتاب سے استفادہ حاصل کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے اور نہ ہی اسلامی نظریات کو اپنایا ہے۔ ہم تو مانگے تانگے کے نظریات پر عمل کر رہے ہیں۔ اپنا کوئی نصب العین

نہیں ہے لہٰذا ہم ترقی کی توقع کیسے کر سکتے ہیں؟

نزول آہن کا مقصد

اللہ نے فرمایا کہ لوہا بڑی اہم چیز ہے جس میں اللہ نے بڑے فوائد رکھے ہیں۔ اور اس سے مقصود یہ ہے وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اور تاکہ اللہ معلوم کرے یعنی ظاہر کر دے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے مدد کرتا ہے اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے، اور دین حق کو دنیا میں غالب کرنا مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے طاقت کی ضرورت ہے جس میں افرادی قوت اور اسلحہ دونوں چیزیں درکار ہیں۔ اسلحہ سازی میں لوہے کی اہمیت کو واضح کیا جا چکا ہے لہٰذا اللہ نے لوہے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اس کے دین کی کون مدد کرتا ہے مسلمانوں میں کون سا ملک یا کون سا خطہ ہے جو لوہے کو صحیح طریقے سے استعمال کر کے اس امتحان میں پورا اترے اور اس طرح پوری دنیا میں اسلام کو غالب بنا دے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ وہ کمالِ قدرت کا مالک ہے۔ اس کو تو کسی چیز کی ضرورت نہیں، وہ صرف مخلوق کا امتحان لیتا ہے کہ کون اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے دین کے غلبے کی کوشش کرتا ہے وہ یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اس کے نام لیوا لوہے کو استعمال کر کے جو آلاتِ حرب بناتے ہیں وہ دشمنوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں یا آپس کی خانہ بربادی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

درس ہشتم ۸ آیت ۲۶ تا ۲۷

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرٰهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنٰهُ الْإِنْجِيلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً ۗ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو (رسول بنا کر) ۔ اور ہم نے مقرر کی اِن دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب ۔ پھر اُن میں بعض ہدایت پانے والے ہیں اور بہت سے اُن میں سے نافرمان ہیں ﴿۲۶﴾ پھر ہم نے پیچھے بھیجے اُن کے نقش قدم پر اپنے دوسرے رسول ۔ اور پھر اُن کے پیچھے بھیجا ہم نے عیسٰی ابن مریم علیہ السلام کو ، اور دی ہم نے اُن کو انجیل ۔ اور رکھ دی ہم نے اُن لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اتباع کیا اُن (عیسٰیؑ) کا نرمی اور مہربانی ۔ اور رہبانیت

جس کو انہوں نے خود ہی نکالا تھا، ہم نے تو ان پر اُس کو فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی خوشنودی کو تلاش کرنے کے لیے۔ پس نہ رعایت کی انہوں نے اُس (رہبانیت) کی جیساکہ اُس کی رعایت کا حق تھا۔ پس دیا ہم نے اُن کو جو ایمان لائے اُن میں سے اُن کا بدلہ۔ اور بہت سے لوگ اُن میں سے نافرمان ہیں (۲۷)

ربطِ آیات

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بینات کے ساتھ انبیاء کی بعثت، نزولِ کتاب اور میزان کے قیام کا ذکر کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہ سکیں اور ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کریں۔ پھر اللہ نے لوہے کی تخلیق اور اس کے فوائد کا ذکر کیا، اور فرمایا کہ اس کا بڑا مقصد اللہ کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس چیز کو ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کون اس لوہے کا صحیح استعمال کر کے اس سے استفادہ کرتا ہے اور کون اس سے مستفید نہیں ہوتا۔ نیز فرمایا کہ خدا تعالیٰ بڑی قوت کا مالک ہے، اُس کو تو کسی چیز کی ضرورت نہیں مگر اُس نے یہ چیزیں لوگوں کی آزمائش کے لیے قائم کی ہیں تاکہ لوگ اِن سے ہدایت اور راہنمائی حاصل کریں۔

حضرت نوح اور ابراہیم کا تذکرہ

اب اسی ہدایت اور راہنمائی ہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو جلیل القدر انبیاء حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو رسول بنا کر۔ نوح علیہ السلام کے واقعات مختلف سورتوں میں مذکور ہیں۔ خاص طور پر سورۃ اعراف اور ہود میں آپ کے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے اور ایک مکمل سورۃ آپ کے نام پر سورۃ نوح بھی موجود ہے۔ اس سورۃ میں مکمل طور پر آپ ہی کا ذکر ہے۔ اللہ نے آپ کے طریقہ تبلیغ، لوگوں کے لیے ناصحانہ کاوش، قوم کی نافرمانی اور ایذا رسانی اور آخر میں قوم کے حق میں آپ کی بد دعا کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے

عظیم المرتبت رسول حضرت نوح علیہ السلام ہی ہیں جن کو اللہ نے مستقل شریعت اور احکام دیئے اور پھر نافرمانی کی وجہ سے آپ ہی کی قوم کو سب سے پہلے ہلاک کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں ابو الانبیاء کہلاتے ہیں کیونکہ آپ کے بعد تمام انبیائے کرام آپ کی ہی نسل سے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ کے عظیم المرتبت رسول ہیں جن کو شریعت اور احکام عطا ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ بھی اللہ نے بہت سی سورتوں میں کیا ہے اور آپ کے نام پر بھی ایک مستقل سورۃ قرآن میں موجود ہے۔ انہوں نے فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں بڑی تکالیف اٹھائیں حتیٰ کہ آپ کو عراق سے مصر اور پھر فلسطین کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ پھر آپ نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی تجدید فرمائی اور اپنی ایک بیوی ہاجرہؓ اور ایک بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو وہاں آباد کیا۔ اس کے علاوہ اللہ نے کئی امور میں آپ کی آزمائش کی اور آپ ہر آزمائش میں پورا اترے آپ کی دینی خدمات بہت نمایاں ہیں۔

اولادِ نوح اور ابراہیم علیہما السلام کی فضیلت

ان دونوں جلیل القدر رسولوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ اور ہم نے ان دونوں بندگوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھ دیا۔ طوفانِ نوح کے بعد آپ کے بیٹوں حام، سام اور یافث کی اولاد ہی مشرق و مغرب میں پھیلی اور سلسلہ نبوت بھی آپ کی اولاد میں ہی رہا۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام کا دور شروع ہوا تو نبوت اور کتاب کی امانت آپ کی اولاد میں منتقل ہو گئی۔ آپ حنیفی دور کے ابو الانبیاء ہیں۔ چنانچہ آپ کے بعد جتنے رسول اور نبی آئے سب آپ کی اولاد حضرت اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہوئے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں تو اللہ نے بے شمار انبیاء کو مبعوث فرمایا جنہیں انبیائے بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، البتہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اللہ نے سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا آسمانی کتابوں میں سے زبور، تورات اور انجیل انبیائے بنی اسرائیل میں نازل ہوئیں جب کہ اللہ نے اپنی آخری

کتاب قرآن حکیم اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی بعض خاندان اور نسلوں کو اللہ نے خصوصیت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا خاندان قریش عرب میں معزز ترین خاندان سمجھا جاتا تھا۔ قریش کو یہ عزت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

اللہ نے جو شرف حضور علیہ السلام کے خاندان کو بخشا ہے، وہ کسی سلسلہ نسب میں نہیں پایا جاتا۔ مثلاً خود آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ہمارے سلسلہ خاندان میں حرام کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جس کے متعلق کوئی دوسرا خاندان وثوق کے ساتھ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ دونوں عظیم الشان رسولوں میں سے حضرت نوح علیہ السلام نے تو طویل عمر پائی ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کے مطابق انہوں نے ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کی جس میں انہوں نے بڑی تکالیف برداشت کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اگرچہ بہت زیادہ نہیں تاہم انہوں نے بھی ۱۲۵ برس کی عمر محنت، کوشش اور آزمائشوں میں ہی گزاری۔

ہدایت یافتہ اور نافرمان لوگ

دونوں انبیاء اور ان کی اولاد کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ان میں سے بعض لوگ ہدایت یافتہ ہیں وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ تاہم ان کی اکثریت نافرمان ہی ہے۔ دونوں انبیاء کی اولاد میں نافرمان لوگ زیادہ ہوئے ہیں۔ قرآن میں اللہ نے بنی اسرائیل کے تذکرے میں فرمایا وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ (المائدہ ۵۹) تمہاری اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے، شرک، کفر اور معصیت کو اختیار کرنے والے ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ خصوصاً حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تو ساری دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والا ہزاروں میں اکا دکا ہی ہوگا۔ آج بھی دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے مسلمانوں کی تعداد ایک ارب کے قریب ہے۔ باقی چار ارب کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔ اور جہنم کے کندۂ ناتراش بنے ہوئے ہیں۔ خود کلمہ گو مسلمانوں کی حالت بھی بڑی پتلی ہے اُن کی اکثریت بھی گمراہی اور بدعقیدگی میں مبتلا ہے اور حق پرست بہت کم ہیں۔

اللہ نے نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد فرمایا ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا پھر ہم نے ان کے نقشِ قدم پہ دوسرے رسولوں کو بھیجا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یوسف علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار انبیاء اور رسول ایسے ہیں جن کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں نہیں ملتا۔ اللہ نے تمام انبیاء کا اجمالی طور پر اس طرح ذکر کیا ہے وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (یونس۔ ۴۷) اللہ نے ہر امت میں اپنے رسول بھیجے ہیں۔ نیز فرمایا رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء۔ ۱۶۵) یہ سارے رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے تاکہ لوگوں کی اللہ کے ذمے کوئی حجت باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔

پھر فرمایا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ پھر ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے عیسیٰ ابن مریم کو نبی بنا کر ان کے پیچھے بھیجا۔ آپ اپنی پیدائش اور معجزات کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی پیدائش حیرت انگیز طریقے سے باپ کے بغیر ہوئی، اور اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت کے جلیل القدر منصب پر فائز فرمایا۔ پھر آپ کو وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ انجیل کتاب بھی دی گئی۔ انجیل کا معنیٰ ہی خوشخبری ہے۔ چنانچہ آپ کے فرائض منصبی میں ایک فریضہ اللہ کے آخری نبی کی آمد کی بشارت دینا بھی تھا۔ آپ نے اپنی قوم سے واضح طور پہ فرمایا کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کی تصدیق کرنے والا ہوں وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف۔ ۶) اور میں اپنے بعد ایک عظیم الشان رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام نامی اور اسم گرامی احمد ہوگا۔ سریانی زبان میں احمد کا متبادل لفظ فارقلیط ہے جس کا معنیٰ سردارِ جہاں ہے جب کہ احمد کا معنیٰ تعریفوں والا ہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس فرض

کی ہر جگہ تبلیغ کی اور لوگوں سے آخری نبی کا تعارف کرایا اور خوشخبری دی۔

متبعین عیسیٰ کی خصوصیت

آگے اللہ نے مسیح علیہ السلام کے صحیح پیروکاروں کی خصوصیت بیان فرمائی ہے۔ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ہم نے آپ کے پیروکاروں کے دلوں میں نرمی اور مہربانی رکھ دی۔ وہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، اور آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے۔ یہ خصلت اللہ نے نبی آخر الزمان کے صحابہؓ میں بھی ودیعت کر دی تھی جن کے متعلق سورۃ الفتح میں فرمایا رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (آیت ۲۹) کہ وہ آپس میں بڑے رحمدل مگر کفار کے مقابلے میں بڑے سخت تھے۔

رہبانیت کی مذمت

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تو عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں میں نرمی اور مہربانی مقرر فرمائی تھی، مگر وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوهَا مگر رہبانیت یعنی ترک دنیا انہوں نے خود نکالی مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ جو ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔ تاہم رہبانیت سے ان کا مقصد اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تلاش کرنا تھا۔ مگر فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا وہ لوگ اپنے اس مقصد کی وہ رعایت نہ کر سکے جیسا کہ اس کی رعایت کا حق تھا۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی بجائے طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نرمی اور مہربانی کو نباہ نہ سکے۔

رہبانیت رہب کے مادہ سے ہے جس کا معنی ترکِ دنیا، ترکِ لذات اور ترکِ نکاح ہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعض پیروکاروں نے دنیا کا کاروبار چھوڑ چھاڑ کر جنگلوں میں جا کر عزلت کی زندگی اختیار کر لی اور وہیں کٹیا بنا کر عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ اگرچہ راہب کا معنی خدا تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہوتا ہے، مگر وہ لوگ خوفِ خدا کی بجائے طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو گئے جو ان کی گمراہی کا ذریعہ بن گئیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اپنی امت کے لوگوں کو رہبانیت سے منع فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي

اَلْاِسْلَامِ وَلَاصَبْرُوْرَةَ فِی الْاِسْلَامِ اسلام میں نہ ترکِ دنیا کی گنجائش ہے اور نہ ہی قطع تعلقی کی۔ اسلام تو دنیا میں رہ کر صلہ رحمی کی تلقین کرتا ہے۔

رہبانیت اور جہاد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد بھی ہے لِکُلِّ نَبِیٍّ رَهْبَانِیَّةٌ وَّ رَهْبَانِیَّةُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ہر نبی یعنی اس کی امت کیلئے رہبانیت ہوتی ہے اور اس امت کی رہبانیت جہاد ہے۔ مسند احمد کی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گھر بار، بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں علیحدگی کی زندگی گزارنا رہبانیت نہیں بلکہ ہماری اس امت کی اصل رہبانیت یہ ہے کہ وہ گھر بار اور دیگر لوازمات کاروبار وغیرہ کو چھوڑ کر جہاد میں شامل ہو جائیں جس کا مقصد اقامتِ دین ہو۔ یعنی دنیا سے کفر، شرک اور شر و فساد کو ختم کیا جائے اور اللہ کا کلمہ بلند کیا جائے غرضیکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت جہاد ہے۔

مسند احمد ہی کی روایت کے مطابق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے ایسی بات پوچھی ہے جو میں نے اس سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کی تھی۔ اور آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا اُوْصِیْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَعَلَیْكَ بِالْجِهَادِ فَاِنَّهٗ رَهْبَانِیَّةُ الْاِسْلَامِ میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ ہر شے کی بنیاد ہے۔ نیز جہاد کو لازم پکڑو کیونکہ اسلام کی رہبانیت یہی ہے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کے ذکر کو لازم پکڑو، اور اللہ کی کتاب کی تلاوت پر مداومت اختیار کرو کیونکہ یہ تمھارے لیے آسمانوں سے پاکیزہ رزق اور بلند روحانیت کا ذریعہ ہے۔ جب تم یہ دو کام کرو گے تو زمین میں تمھارا تذکرہ ہوگا۔ بہر حال اس حدیثِ مبارکہ میں بھی رہبانیت جہاد کو قرار دیا گیا ہے۔

رہبانیت کی تین قسمیں

مفسرین اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ رہبانیت کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت رہبانیت کی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حلال یا مباح چیز کو حرام

سمجھتا ہے یا اُس کو عملاً چھوڑ دیتا ہے تو یہ دین میں تحریف شمار ہوگی۔ جو قطعاً حرام ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (المائدہ - ۸۷) جو پاک چیزیں اللہ نے تمھارے لیے حلال قرار دی ہیں، اُن کو حرام نہ ٹھہراؤ۔

رہبانیت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی حلال یا مباح چیز کو اعتقاداً یا عملاً حرام تو نہیں سمجھتا مگر کسی دینی یا دنیوی مصلحت کی بنا پر اُس کو ترک کر دیتا ہے مثلاً گائے کا گوشت حلال ہے مگر سوداوی مرض کے مریض کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اسے استعمال نہ کرے بعض لوگوں کو طبی لحاظ سے دودھ موافق نہیں آتا اور انہیں کہا جاتا ہے کہ وہ اسے استعمال نہ کریں۔ یہ تو دنیوی یا طبی مصلحت سمجھ لیں اور دینی مصلحت یہ ہے کہ کوئی شخص غیبت، جھوٹ، فریب وغیرہ سے بچنے کے لیے بعض لوگوں سے میل جول چھوڑ دیتا ہے۔ ان دونوں مصلحتوں کی وجہ سے کسی جائز چیز کو ترک کرنا رہبانیت شمار نہیں ہوگی، بلکہ یہ تقویٰ ہے جو شریعت میں مطلوب ہے۔

فرماتے ہیں کہ رہبانیت کی تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی جائز اور مباح چیز کو حرام تو نہیں سمجھتا لیکن اُس کے ترک کو ثواب سمجھتا ہے، اس کو بدعت کہا جاتا ہے جس کی شریعت مطہرہ نے مذمت کی ہے اور جس سے منع کیا گیا ہے یہ صورت خالص رہبانیت ہے اور مذموم ہے۔

بدعت کی تعریف

بدعت ایک بڑی مذموم چیز ہے جس کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں ہے تو وہ مردود ہے تمام بدعات کو لوگ ثواب سمجھ کر ہی انجام دیتے ہیں لہٰذا یہ بڑی خطرناک چیز ہے مجدد صاحبؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں "تضررِ مبتدع زیادہ است از تضررِ کافر" یعنی بدعتی کا نقصان دین کے معاملے میں کافر سے زیادہ ہوتا ہے۔ کافر کو تو ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ کافر ہے لہٰذا اُس سے بچنے کی تدبیر کرتا ہے مگر بدعتی آدمی

ہر بدعت کو نیکی اور افضل کام سمجھ کر کرتا ہے لہٰذا اس کا بدعت سے بچ نکلنا بڑا ہی مشکل ہے۔

اس زمانے میں عبادات میں بھی بعض چیزوں کا اضافہ کر لیا گیا ہے اور اس کو بُرا سمجھنے کی بجائے اعلیٰ درجے کی نیکی تصور کیا جاتا ہے۔ مثلاً اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کو بڑی اعلیٰ عبادت سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اس موقع پر درود شریف پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے بعض لوگ اقامت کے آخر میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ سن کر محمد رسول اللہ کہہ دیتے ہیں۔ یہ کلمات اگرچہ بابرکت ہیں مگر ان کی ادائیگی کا یہ موقع اور محل نہیں ہے لہٰذا ایسا کرنا بدعت میں شمار ہوگا۔ ایک موقع پر ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے سامنے چھینک ماری اور کہا السلام علیکم۔ حضور علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا وَعَلَیْكَ وَعَلٰی اُمِّكَ یعنی تجھ پر اور تیری ماں پر سلام ہو۔ اُس شخص نے ناراضگی کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ سلام تو ہم بھی کہتے ہیں مگر چھینک مارنے کے وقت نہیں ایسے موقع پر الحمد للہ کہنا صحیح اور سلام کہنا بدعت ہے۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اذان ختم کرنے کے بعد مجھ پر درود پڑھو اور مسنون دُعا مانگو۔ یہاں بالجہر دُعا یا درود کا کوئی ثبوت نہیں۔ مگر آج لوگ اذان سے قبل سپیکر پر زور زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ یا بعد کے ادوار میں اس چیز کا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ یہ تو بالکل ماضی قریب میں ایجاد ہوا ہے۔ غرضیکہ صلوٰۃ وسلام کا محل اذان سے پہلے ہرگز نہیں ہے اور اگر اذان کے بعد درود کا حکم ہے تو آہستہ آواز سے۔ ہر شئے کا موقع اور محل ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص غسل خانے میں کپڑے اتار کر درود شریف پڑھنے لگے تو گنہگار ہوگا۔ کہ یہ درود شریف کا محل نہیں ہے۔

بعض لوگ دھوکہ دیتے ہیں کہ ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ایسا کر دیں گے تو موجودہ زمانے کی تمام ایجادات بدعات میں شمار ہوں گی جیسے لاؤڈ سپیکر،

موٹریں، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز اور دیگر ضروریاتِ زندگی جو اسلام کے ابتدائی دور میں نہیں تھیں۔ حقیقت میں بدعت وہ کام ہے جس کا ثبوت کتاب وسنت، عملِ صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین کے اقوال میں موجود نہ ہو اور لوگ اس کو نیک کام اور باعثِ ثواب سمجھ کر انجام دیں۔ یہ ایجادات تو ضروریاتِ زندگی ہیں جن کو کارِ ثواب کے طور پر نہیں کیا جاتا بلکہ یہ زندگی کی آسائش کا ذریعہ ہیں۔ پہلے بیلوں کے ذریعے کھیتی باڑی ہوتی تھی، اب لوگ ٹریکٹر استعمال کر رہے ہیں۔ پہلے اونٹ اور گھوڑے پر سواری ہوتی تھی اب موٹریں، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز ہیں۔ پہلے تلوار اور تیر کے ساتھ جنگ ہوتی تھی اب بندوق، توپ، گولہ بارود اور ٹینک ایجاد ہو چکے ہیں۔ یہ چیزیں بدعت کی تعریف میں نہیں آتیں۔ بدعت وہ ہے جو نیکی کا کام کارِ ثواب کے طور پر کیا جائے مگر قرونِ اولیٰ میں وہ پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا ہو۔

بزرگوں کی قبور کے ساتھ سلوک

قبروں کی حفاظت ضروری ہے۔ قبرستان میں بول وبراز نہیں ہونا چاہیئے۔ قبروں پر بیٹھنے کی ممانعت ہے۔ قبروں کو پختہ بنانے کے لیے اینٹ اور سیمنٹ وغیرہ استعمال کرنا اور اُن پر عمارت بنانا جائز نہیں ہے۔ لوگ اِس کو اہلِ قبور کی تعظیم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اسراف اور ناجائز ہے۔ بزرگوں کی تعظیم کا طریقہ یہ ہے کہ اُن کی تعلیمات کی اشاعت کی جائے اور اُن پر عمل کیا جائے نہ کہ پختہ قبریں بنا کر اُن کو چوما چاٹا جائے یا اُن پر سجدے کیے جائیں۔ حضرت میاں میرؒ زندگی بھر توحید کا درس دیتے رہے، اُن کی تعلیمات کو یکسر بھول کر محض قبر پر گنبد بنا دینا کون سی نیکی کا کام ہے۔ سید علی ہجویریؒ نے آج سے ایک ہزار سال قبل یہاں آکر لوگوں کو ایمان سے روشناس کرایا، اُن کی کتاب کشف المحجوب موجود ہے جس سے تصوف، سلوک اور خدا پرستی کا بہترین سبق ملتا ہے اُس کو نصب العین بنایا جائے۔ اس کی بجائے شرک، بدعت اور قوالی ہی اُن کی تعظیم کا ذریعہ رہ گیا ہے یا قبر کو چومنے چاٹنے، غسل دینے اور غلاف چڑھانے اور سجدہ کرنے سے بزرگوں کی تعظیم ہوتی ہے۔ یہودیوں نے بھی حرام چیزوں کو نبیوں کی طرف منسوب کر کے اُن پر عمل شروع کر دیا تھا اور مسلمان بھی انہی کے نقشِ قدم پر عمل رہے ہیں۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اِن بزرگوں نے قبر پر گنبد بنانے کا حکم دیا تھا یا عرس منانے کی تلقین کی تھی یہ سب چیزیں بدعات میں داخل ہیں۔ کوئی نیک آدمی فوت ہو جائے تو سنت کے مطابق غسل دو، کفن پہناؤ، جنازہ پڑھو، سنت کے مطابق قبر بناؤ اور اُس کے لیے دُعا کرو، ایصالِ ثواب کرو، کون روکتا ہے۔ مگر قل، تیسرا، ساتواں اور چالیسواں کرنا کس حدیث میں لکھا ہے۔ یا کس صحابی رضؓ کے عمل سے ثابت ہے؟ یہ تو برصغیر کی ایجاد بندہ چیزیں ہیں جنہیں کارِ ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے اور یہی بدعت ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ کا نظریہ

شاہ عبدالقادرؒ نے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر رہبانیت کے بارے میں نوٹ لکھا ہے جس میں لکھتے ہیں کہ فقیری اور ترکِ دُنیا کی رسم نصاریٰ نے نکالی جو نہ جورو رکھتے تھے نہ بیٹا، نہ کماتے نہ جوڑتے بلکہ جنگل میں تکیہ بنا کر بیٹھ جاتے، عبادت میں لگے رہتے اور خلق سے نہ ملتے۔ یہ حکم اللہ نے اپنے بندوں کو ہرگز نہیں دیا، مگر جب اپنے اُوپر ترکِ دنیا کا نام رکھ لیا تو اس پر رہنے میں دنیا چاہنا بڑا وبال ہے۔ اسی لیے شریعت نے فطری اعتدال سے تجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ اس امت کی رہبانیت جہاد میں ہے۔ اپنے نفس کی لذات سے الگ ہو کر اللہ کے راستے میں نکلنا مجاہدہ ہے۔

فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ

پس دیا ہم نے اُن کو جو ایمان لائے اُن میں سے اُن کا بدلہ اور بہت سے لوگ اِن میں سے نافرمان ہیں۔

درس نہم ۹ — آیت ۲۸ تا ۲۹

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

رکوع ۴

ترجمہ:۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور ایمان لاؤ اس کے رسول پر۔ دے گا وہ تم کو دو حصے اپنی رحمت سے اور بنائے گا تمہارے لیے روشنی، چلو گے تم اس کے ساتھ اور معاف کرے گا تم کو۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۲۸﴾ تاکہ جان لیں اہل کتاب کہ وہ نہیں قدرت رکھتے کسی چیز پر اللہ کے فضل سے، اور بیشک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، دیتا ہے وہ جس کو چاہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۲۹﴾

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں دین کے تمام بنیادی مسائل کا ذکر ہوا ہے خصوصاً انفاق فی سبیل اللہ پر زیادہ توجہ دی گئی ہے مسئلہ توحید، اللہ کی صفات، ایمان تخلیق کائنات، اس کی حکمت، نزول کتاب، رسالت کا ذکر، اور پھر آگے

دوسرے جہان میں نکلنے والے نتائج کا تذکرہ ہے۔ پھر منافقوں کی مذمت اور ایمان والوں کو تنبیہ کی گئی ہے خدا کے راستے میں مال صرف کرنے والوں کے اجر و ثواب کی بات کی گئی ہے۔ دُنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی زندگی کی طلب کا ذکر ہے۔ بخل کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ پھر رسولوں کی بعثت کی حکمت، نزولِ کتاب، قیامِ میزانِ عدل کا ذکر ہے۔ لوہے کی تخلیق کی حکمت اور فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور دینِ حق کے قیام کے لیے اس کے استعمال کی ترغیب دی گئی ہے انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کا ذکر ہے اور اُن کی اولاد میں نبوت کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھنے کا بیان ہے۔ آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں کے دلوں میں نرمی اور شفقت کا ذکر ہے اور رہبانیت کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے متبعین عیسیٰؑ پر رہبانیت مقرر نہیں کی بلکہ انہوں نے یہ چیز از خود رضائے الٰہی کی تلاش کے لیے نکالی مگر اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں ایماندار تھوڑے ہی رہے اور اِن کی اکثریت نافرمانی میں مبتلا رہی۔

دوہرا ایمان دُگنا حصہ

سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور نہ لانے والوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ اور ایمان لاؤ اس کے رسول پر۔ اِن ایمان والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے اپنے دور میں سابقہ انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ بھی پایا۔ اور رسول سے مراد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ سابقہ ادوار کے یہودیوں اور عیسائیوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنے سابقہ انبیاء پر تو ایمان لا چکے ہو، اب اللہ کے اس آخری نبی پر بھی ایمان لاؤ، کیونکہ اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان ضروری ہے، اور کسی ایک نبی کا انکار سارے انبیاء کے انکار کے مترادف ہے فرمایا اگر تم اس آخری نبی پر ایمان لے آؤ گے يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ تو اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے عطا کرے گا۔ ایک حصہ پہلے نبی کی نبوت

پر ایمان لانے کے بدلے میں اور دوسرا حصہ حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کرنے کے عوض میں ہوگا۔

بنی اسرائیل یا دیگر سابقہ امتوں کے لوگ اسی نقطہ پر آکر گمراہ ہوئے۔ یہود اور نصاریٰ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے مانتے تھے کہ اللہ کا آخری نبی آنے والا ہے اور اقرار کرتے تھے کہ جب وہ آئے گا تو ہم اس پر ایمان لائیں گے، اور اس کا ساتھ دیں گے جس کی وجہ سے ہمیں نافرمانوں پر غلبہ حاصل ہوگا۔ بلکہ جب اُن کی کافروں سے جنگ ہوتی تو یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (البقرہ۔ آیت۔ ۸۹) تو وہ آخری نبی کی برکت سے کافروں پر فتح حاصل ہونے کی دعائیں کرتے۔ وہ خود مشرکوں سے کہتے تھے کہ جب اللہ کے آخری نبی تشریف لائیں گے تو ہم اُن کا ساتھ دیں گے اور تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ مگر ہوا یہ کہ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (البقرۃ۔ ۸۹) جب اللہ کا وہ نبی آگیا اور انہوں نے آپ کو پہچان بھی لیا تو پھر انکار کر دیا جس کی وجہ سے یہود و نصاریٰ دونوں گروہوں پر خدا کی لعنت ہے۔ البتہ جو قلیل لوگ نبی آخر الزمانؐ پر ایمان لے آئے وہ اس لعنت سے بچ کر ایمانداروں میں شامل ہو گئے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اے سابقہ امتوں کے لوگو! اللہ کے اس آخری نبی پر بھی ایمان لے آؤ کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا، اور اگر ایسا کر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دگنا حصہ عطا فرمائے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص سابقہ امتوں میں سے اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا، اور پھر اُس نے میرا زمانہ پایا اور مجھ پر ایمان لایا تو اُس کو دہرا اجر ملے گا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ پہلا شخص وہی ہے رَجُلٌ مِّنْ اٰمَنَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ بِنَبِيِّهٖ وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جو اہلِ کتاب میں سے اپنے نبی پر ایمان لایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی

ایمان لایا۔ دوسرا شخص وہ ایماندار غلام ہے جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ اور اپنے مجازی آقا کا حق بھی، یعنی اس کی پوری ڈیوٹی ادا کرتا ہے ــــــ تیسرا آدمی وہ ہے کہ جس کے پاس زر خرید لونڈی ہے یا اُسے مال غنیمت کے طور پر یا کسی اور جائز ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے اُس کو اس لونڈی سے بغیر نکاح استفادہ کا حق حاصل ہے۔ اس شخص نے اُس لونڈی کو اچھی تعلیم دی، ادب سکھایا، پھر اُس کو آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا ان تین شخصوں کے متعلق فرمایا کہ ان کو اللہ کے ہاں دوہرا اجر ملے گا۔

بعض لوگ قربانی کے جانور پر سواری کرنے کو معیوب خیال کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایسا کرنا معیوب نہیں۔ بلکہ ضرورت کے وقت اس پر سواری جائز ہے۔

روشنی کی فراہمی

فرمایا کسی پہلے نبی پر ایمان لانے والے اور پھر آخری رسُول پر ایمان لانے والا شخص ایک تو دوہرے اجر کا مستحق ہوگا، اور دوسری بات یہ ہے کہ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے روشنی فراہم کرے گا جس کو لے کر تم چلو گے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکل کر ایمان لاتا ہے وہ گویا ایسی روشنی میں آتا ہے جس کو لے کر وہ انسانی سوسائٹی میں چلتا پھرتا ہے اور اُس کو کہیں تاریکی نظر نہیں آتی۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ ایسی روشنی ہوگی کہ جس کے ذریعے تم خدا تعالیٰ کی ذات کو پہچاننے لگو گے یعنی خدا تم کو اپنی ذات و صفات کا علم عطا کرے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ایمان کی بدولت تمہارے دل میں کشف جیسی کوئی چیز روشن کر دے۔ جس کے ذریعے مشکل اوقات میں تمہاری پریشانی دور ہو جائے، تاہم عام تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ایسا علم مقرر کر دے گا کہ تم تاریکی سے نکل آؤ گے اور ہر طرف تمہیں علم کی روشنی نظر آنے لگے گی۔ اس علم کی روشنی کو لے کر تم عام انسانوں میں چلو پھرو گے اور تمھیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اور تمہاری تمام مشکلات حل ہوتی چلی جائیں گی۔

حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ عَلَّمَهُ اللّٰهُ

عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ جو شخص اُس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کو ایسی چیزوں کا علم بھی عطا کر دے گا جن کو وہ نہیں جانتا۔ اس کے لیے تمام نادیدہ اور نادانستہ چیزیں آسان ہو جائیں گی۔ غرضیکہ یہ وہ نور ہے جو آخری نبی پر ایمان لانے کی بدولت حاصل ہو گا۔ اس کے علاوہ وَيَغْفِرْ لَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ یہ ایک عام اصول ہے کہ ایمان لانے پر سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ فرمایا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔

انعاماتِ الٰہیہ کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے لیے دوہرے اجر، نور اور مغفرت کا ذکر کرنے کے بعد اس کی توجیہہ یہ بیان فرمائی ہے لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ "تاکہ اہلِ کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔" مفسرینِ کرام اس حصۂ آیت کی تفسیر دو طریقے سے کرتے ہیں۔ شاہ عبدالقادرؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں لِئَلَّا میں لَا نافیہ ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اہلِ کتاب یہ خیال نہ کریں کہ اللہ کے فضل میں سے اُن کے لیے کوئی موقع نہیں ہے اور یہ صرف دوسروں کے لیے ہے۔ نہیں بلکہ اللہ نے اُن کے لیے مکمل گنجائش رکھی ہے۔ اگر وہ پہلے نبی کے بعد نبی آخر الزمان پر بھی ایمان لے آئیں گے تو وہ نہ صرف اللہ کے فضل کے مستحق ہوں گے، بلکہ ان کو دوہرا اجر ملے گا۔ مگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ لِئَلَّا کا لام زائد ہے اور صرف تاکید کے لیے آیا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن میں مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔ مثلاً سورۃ المعارج میں ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ (آیت ۴۰) پختہ قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی۔ یہ لام نافیہ نہیں بلکہ تاکید کے لیے آیا ہے۔ اسی طرح لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (القیٰمۃ-۱) قسم ہے قیامت کے دن کی یہ لا بھی زائد ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (النساء-۶۵) میں بھی یہی صورت ہے اور لا نفی کا معنیٰ نہیں دیتا۔ اور اس طرح آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے "تاکہ اہلِ کتاب ضرور جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر کچھ قدرت نہیں رکھتے" اور پھر فرمایا

وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللهِ اور بے شک فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وہ جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے۔ اہلِ کتاب اگر فضلِ خداوندی کو محض اپنے لیے مخصوص کہتے ہیں تو انہیں جان لینا چاہیئے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہے عطا کر دے، اس میں اللہ کو کسی کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔

دراصل اہلِ کتاب ضد اور عناد کی وجہ سے اپنے آپ کو اقوامِ عالم پر برتر سمجھتے تھے۔ ان میں پے درپے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی وجہ سے وہ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہو چکے تھے کہ اللہ کا آخری نبی بنی اسحاق میں سے ہوگا۔ مگر جب آخری نبی بنی اسماعیل میں سے آگیا تو وہ حسد کی آگ میں جل گئے اور اللہ کے آخری نبی اور رسول کی رسالت کا ہی انکار کر دیا۔ اسی بناء پر سورۃ المائدہ میں ہے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا (آیت-۸۲) اہلِ کتاب میں سے یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ بدترین عداوت ہے اور مشرکوں کو بھی، حالانکہ مشرک تو جاہل ہوتے ہیں اور اہلِ کتاب اہلِ علم ہونے کے باوجود سخت ترین عداوت رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ اللہ کا آخری نبی اُن کی قوم سے آتا، مگر اللہ نے فرمایا اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (الزخرف-۳۲) کیا تیرے پروردگار کی رحمت کے تقسیم کنندگان یہ ہیں کہ جس کو چاہا اس پر مہربانی کر دیں۔ نہیں بلکہ اللہ کا فضل تو اُس کے اپنے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی مبعوث فرمائے، یہ اس کی مشیت تھی اور اب آخر میں اس نے اپنے فضل میں سے بنی اسماعیل کو حصہ دے دیا ہے تو اہلِ کتاب کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ یہ چیز اُنکے ہاتھ میں تو نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے تقسیم کرتے پھریں۔ نبوت کا انتخاب اللہ تعالیٰ اپنی منشاء کے مطابق کرتا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی مثال

حدیث میں یہود و نصاریٰ کی مثال اس طرح بیان کی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی مزدور کو صبح سے لے کر دوپہر تک کسی کام پر لگاتا ہے اور اُس کے لیے وہ مزدوری کی رقم کا تعین بھی کر دیتا ہے۔ اور کام کے اختتام پر وہ اجرت ادا کر دیتا ہے۔ یہ یہودیوں کی مثال ہے کہ انہوں نے دوپہر تک کام کیا تو اُن کو اس کی اُجرت مل گئی۔ پھر اللہ نے دوپہر سے عصر تک کے لیے نصاریٰ کو کام پر لگایا اور اتنے عرصہ کے لیے اُن سے بھی مزدوری طے کر لی۔ انہوں نے بھی مقررہ وقت میں کام کیا اجرت پائی۔ پھر اللہ نے عصر سے مغرب تک کے لیے مزدور مقرر کیا جس کو ڈبل مزدوری دینے کا وعدہ کیا۔ یہ مسلمانوں کا دور ہے جن کو مقررہ عرصہ کے لیے کام کرنے کی ڈبل مزدوری مل گئی۔ اب یہود و نصاریٰ دونوں گروہ اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو تھوڑے وقت میں کام کرنے کی دگنی مزدوری کیوں مل گئی۔ تو اللہ نے اس سلسلہ میں اہل کتاب کو باور کرایا ہے کہ جتنے عرصہ کے لیے تم سے جو مزدوری مقرر کی گئی وہ تم کو ادا کر دی گئی یعنی جو کچھ تمہارے ساتھ ٹھہرایا تھا وہ پورا کر دیا اور تمہارے حق میں کسی قسم کی کمی نہیں کی گئی، اور نہ ہی تم پر کوئی زیادتی کی گئی ہے۔ باقی رہ گیا آخری وقت کی مزدوری کا معاملہ تو یہ میرا فضل ہے، میں جس کو چاہوں دے دوں، اس میں تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ جب تمہاری مقررہ مزدوری میں کوئی کمی نہیں کی گئی تو پھر تم دوسروں کی ڈبل اجرت پر کیوں حسد کرتے ہو؟ مقصد یہ ہے کہ اللہ نے اپنا آخری نبی اور رسُول بنی اسماعیل میں بھیج کر اُن کو زیادہ فضیلت بخش دی ہے جس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جس کو چاہے عطا کرے وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے، اُس کی مہربانی اور عنایت کا حد و شمار نہیں، وہ جس کو جتنا چاہے عطا کرے، وہ قادرِ مطلق ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ مجادلہ مدنی ہے۔ اور یہ بائیس آیتیں ہیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②

ترجمہ:۔ تحقیق سن لی اللہ تعالیٰ نے بات اُس عورت کی جو جھگڑتی تھی آپ کے ساتھ اپنے خاوند کے بارے میں، اور شکایت کرتی تھی اللہ کے سامنے۔ اور اللہ تعالیٰ سنتا ہے تمہاری گفتگو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے ① وہ لوگ جو ظہار کرتے ہیں (ماں بہن کہتے ہیں) تم میں سے اپنی عورتوں کو، نہیں ہیں وہ

سورة

المجادلة

(مدنی)
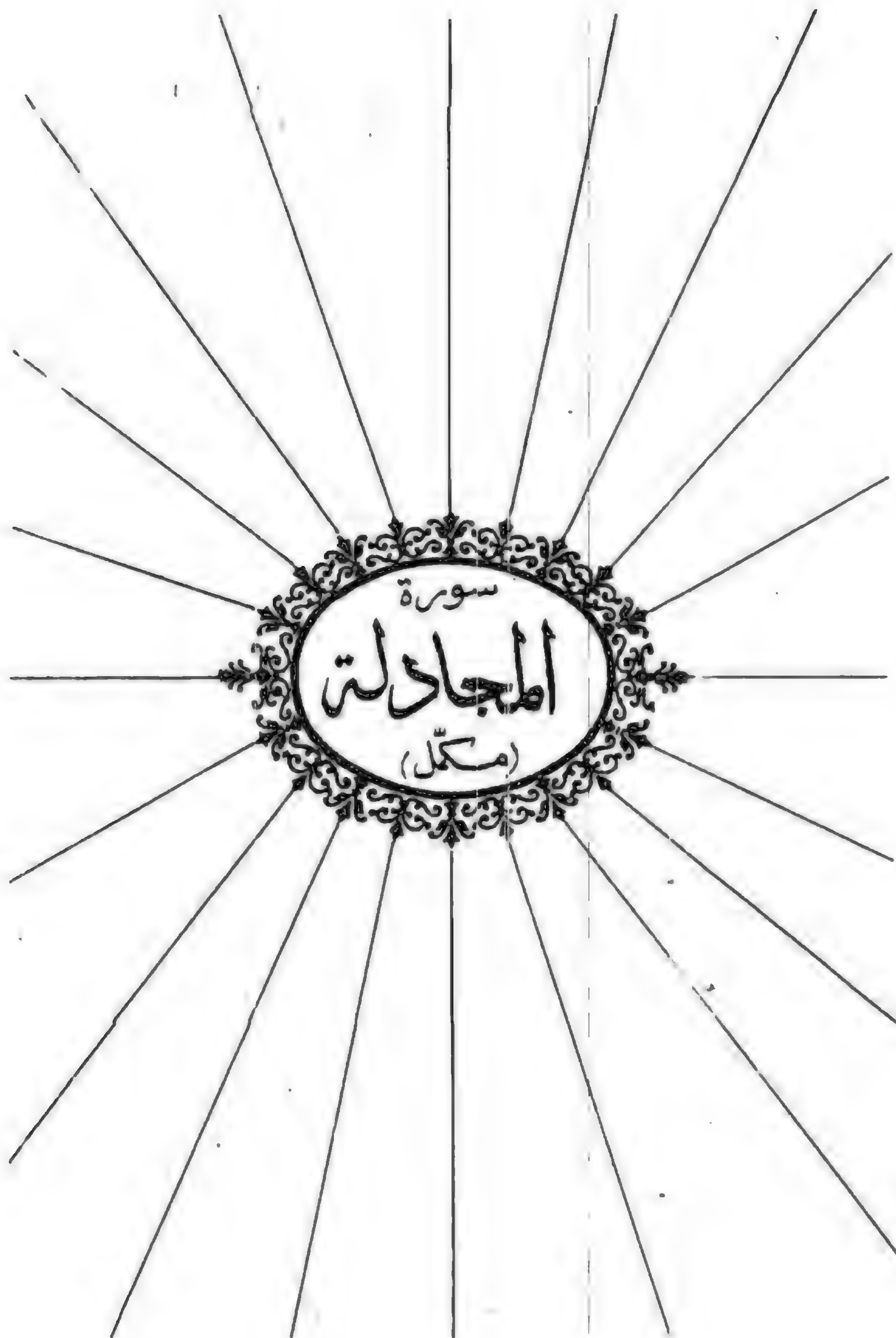
اُن کی مائیں، اُن کی مائیں تو وہی ہیں۔ جنہوں نے اُن کو جنا ہے۔ اور بیشک یہ لوگ البتہ کہتے ہیں ایک ناپسندیدہ بات اور جھوٹ۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ البتہ معاف کرنے والا اور بخشش کرنے والا ہے۔ ②

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ المجادلہ ہے جو کہ اس کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ تُجَادِلُكَ سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ سورۃ المنافقون کے بعد نازل ہوئی ہے اس سورۃ مبارکہ کی بائیس ٢٢ آیات اور تین رکوع ہیں، اور یہ سورۃ ٣٧٣ الفاظ اور ١٩٩٢ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

گزشتہ سورۃ الحدید کی طرح اس سورۃ میں بھی توحید اور انفاق فی سبیل اللہ کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ البتہ اس سورۃ میں مسئلہ ظہار بطور خاص بیان ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ اُس کے کفارے کا ذکر بھی ہے۔ علاوہ ازیں آداب مجلس کے طور پر آپس میں سرگوشی کرنے کا قانون بیان ہوا اور ساتھ ساتھ نااہل لوگوں سے عدم مشاورت کا بیان ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنی شوریٰ کا ممبر نہیں بنانا چاہیئے۔ اللہ نے اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ دشمنی رکھنے والوں کی دوستی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے

زمانہ جاہلیت کے غلط مسائل

زمانہ جاہلیت میں عربوں میں بعض غلط قسم کے مسائل رواج پا چکے تھے، جن کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ اِن میں سے دو مسائل کا ذکر اللہ نے سورۃ الاحزاب میں کیا ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی یعنی اپنی بہو کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ یہ مسئلہ قبل از اسلام بھی اسی طرح تھا اور آج بھی سسر اور بہو کا نکاح حرام ہے۔ مطلب یہ کہ اگر بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا وہ ہلاک ہو جائے تو باپ اُس مطلقہ یا بیوہ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ زمانہ جاہلیت میں جو چیز غلط رواج پا گئی تھی وہ یہ تھی کہ وہ لوگ منہ بولے بیٹے کو بھی حقیقی بیٹے کا درجہ دے کر اُس کی بیوی کا نکاح اُس کے باپ کے ساتھ حرام سمجھتے تھے دوسرا غلط مسئلہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ بیوی کو ماں بہن کہہ دیتا تو عربوں کے

نزدیک وہ عورت اُس مرد کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں اِن دونوں مسائل کی تردید فرمائی ہے۔ وہاں ارشاد ہوا۔ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔىْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ (آیت۔۴) جن عورتوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو اللہ نے انہیں تمہاری مائیں نہیں بنایا، اور نہ ہی تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے بنایا ہے۔ یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ اب انہی میں سے ظہار کا مسئلہ اللہ نے اس سورۃ میں بھی بیان فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ جن عورتوں کو تم ماں بہن کہہ بیٹھتے ہو وہ تمہاری مائیں نہیں ہوتیں بلکہ تمہاری مائیں تو وہ ہیں، جنہوں نے تم کو جنم دیا ہے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کی بیوی کے حق میں ظہار کرنے سے وہ عورت ماں بہن کی طرح ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہو جاتی اور نہ ہی اس پر طلاق پڑ جاتی ہے بلکہ یہ ایک بری اور گناہ کی بات ہے جسے زبان سے نہیں نکالنا چاہیئے۔ پھر آگے اللہ نے اس دروغ گوئی کا کفارہ بھی بیان کیا ہے۔ جس کے ادا کرنے سے ایسی عورت اپنے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ظہار کا آغاز:

حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت اَوس بن صامت خزرجیؓ ہیں، جو مشہور صحابی حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بھائی تھے۔ حضرت اَوس کی طبیعت کچھ تیز تھی۔ یہ کسی بات پر اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہؓ سے ناراض ہو گئے اور اس کو کہہ دیا اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ یعنی تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہو۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ عربوں کے غلط مسئلہ کی بناء پر خولہؓ حضرت اَوسؓ پر ہمیشہ کے لیے حرام ٹھہرائے جانے کی وجہ سے سخت پریشان ہو گئیں۔ اُس کے بچے بھی تھے اور وہ عمر کا کافی حصہ طے بھی کر چکی تھیں لہٰذا انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی حالت زار بیان کی۔ کہنے لگی میرے بچوں کی پرورش کیسے ہوگی۔ میں نے جوانی کا بہترین حصہ اس شخص کے ساتھ گزارا ہے مگر اب وہ مجھے بے یار و مددگار چھوڑ رہا ہے۔ وہ سمجھتی تھی کہ اگر اُس نے بچوں کو اپنے

پاس رکھا تو اُن کو فاقے آئیں گے اور اگر نہ رکھا تو ضائع ہو جائیں گے۔ اس پریشانی کے عالم میں وہ حضور علیہ السلام سے مسئلہ کا حل دریافت کرتی اور ساتھ دُعا بھی کرتی کہ مولا کریم اپنے نبی کی زبان سے میری مشکل کو حل فرما۔ اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں آیا تھا لہٰذا حضور علیہ السلام بھی کوئی حل بتانے سے قاصر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اس مسئلہ کے متعلق کوئی حل نہیں جانتا اور بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں کی جدائی ہو چکی ہے۔

استغاثہ کا جواب

وہ عورت سخت پریشانی کی حالت میں حضور علیہ السلام سے گفتگو کر رہی تھی کہ عین اُسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی دُعاؤں کا جواب آگیا۔ اس طرح اسلام کے دَور میں ظِہار کا یہ پہلا مسئلہ پیدا ہوا جس کے متعلق اللہ نے احکام نازل فرمائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کا آغاز حضور علیہ السلام اور خولہؓ کی گفتگو کے ذکر سے کیا ہے ارشاد ہوتا ہے قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اُس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ کے ساتھ اپنے خاوند کے بارے میں تکرار کرتی ہے۔ مجادلہ کا لفظی معنیٰ جھگڑا ہوتا ہے مگر یہاں پر مراد گفتگو یا تکرار ہے جو وہ عورت حضور علیہ السلام سے اس مسئلہ کے بارے میں پریشانی کے عالم میں کر رہی تھی۔ فرمایا ہم نے اُس کی بات سُن لی ہے وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اور وہ اللہ کے سامنے شکایت کر رہی تھی کہ اُس کے خاوند نے اُس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اب اُس کا اور اس کی اولاد کا کون پرسانِ حال ہوگا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا۔ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اور اللہ تعالیٰ تمہاری گفتگو کو سنتا ہے۔ تحاور کا معنیٰ آپس میں کلام کرنا ہوتا ہے۔ یہ اُسی ـــ بات چیت کا ذکر ہو رہا ہے جو وہ عورت حضور علیہ السلام کے ساتھ کر رہی ہے۔ تحاور کا یہ معنیٰ عربی ادب میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ایک عربی شاعر اپنے گھوڑے کے متعلق کہتا ہے۔

؎ لَوْ كَانَ يَدْرِيْ مَا الْمُحَاوَرَةُ اشْتَكٰى
وَلَكَانَ لَوْ عَلِمَ الْكَلَامَ مُكَلِّمِيْ

جب اُس نے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ لڑی تو گھوڑے کو بھی سخت تکلیف پہنچی۔ تو شاعر نے کہا کہ اگر یہ گھوڑا محاورہ یعنی بات چیت کرنا جانتا ہوتا تو ضرور شکایت کرتا کہ اُسے جنگ کے دوران کس قدر زخم آئے ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بات چیت کو سنتا ہے اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

مسئلہ ظہار کی بعض تفصیلات

ظہار ظہر کے مادہ سے ہے جس کا معنی پشت ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ ظہار کا مسئلہ اُس وقت پیدا ہوا جب حضرت اوسؓ نے اپنی بیوی سے کہا اَنۡتِ عَلَیَّ کَظَھۡرِ اُمِّیۡ یعنی تو میری ماں کی پشت کی مانند ہو۔ اور مفہوم اس کا یہ بنتا ہے کہ تو مجھ پر اُسی طرح حرام ہو جس طرح میری ماں کی پشت مجھ پر حرام ہے۔ فقہائے کرام بیان کرتے ہیں کہ ظہار کرنے کے لیے پشت کا لفظ بولنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر اُس عضو کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جس کا دیکھنا روا نہیں جیسے ران سرین، پیٹ، اعضائے مستورہ وغیرہ۔ اسی طرح ظہار کے لیے ماں کی تشبیہ بھی ضروری نہیں بلکہ ہر ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے جیسے بیٹی، پوتی، بھتیجی، بھانجی، باپ کی بیوی، بہن، رضاعی بہن، رضاعی ماں وغیرہ۔ اِن میں سے کسی کا نام لے کر اُن کے کسی بھی اعضائے مستورہ کے ساتھ تشبیہ دیکر ظہار کرے گا تو ظہار واقع ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص غیر محرم عورت کا نام لیتا ہے جس کے ساتھ نکاح حلال ہے یا کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے جس کا دیکھنا جائز ہے جیسے ہاتھ، پاؤں یا سر وغیرہ تو ایسی صورت میں ظہار نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تُو سے خطاب نہیں کرتا یعنی یہ نہیں کہتا کہ تو میری ماں کی پشت کی مانند ہے بلکہ کہتا ہے کہ تیری پشت، تیری شرمگاہ، تیری روح، تیرا نفس، تیرا نصف حصہ، تیرا ثلث حصہ، تیرا چہرہ یا تیرا بدن میری ماں کی پشت کی مانند ہے تو ایسے تمام الفاظ سے عورت کی ذات ہی مراد لی جائے گی اور ظہار واقع ہو جائے گا۔

ظہار پر اللہ کی ناپسندیدگی

اگرچہ مذکورہ طریقے سے ظہار واقع ہو جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو ناپسند فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں یعنی انہیں اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ فرمایا مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ وہ اُن کی مائیں نہیں ہیں، بلکہ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ اُن کی مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے اُن کو جنم دیا ہے حقیقی ماں کے علاوہ دوسری عورت محض کہہ دینے سے تو ماں نہیں بن جاتی۔ اللہ نے فرمایا وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا اور بے شک وہ لوگ ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ یہ بہت بُرا فعل ہے اور اُسے نہیں کرنا چاہیئے۔ ناپسندیدہ بات اس لیے ہے کہ کوئی شخص کسی حلال چیز کو خود ہی اپنے اوپر حرام قرار دے لیتا ہے، اور جھوٹی اس لیے کہ کوئی بھی عورت حقیقی ماں کی طرح نہیں ہو سکتی۔ بہرحال بحیثیت مجموعی ظہار کرنا کوئی پسندیدہ بات نہیں ہے اور یہ چار وجوہات کی بنا پر ایک ناپسندیدہ فعل ہے یعنی (۱) بیوی کو ماں کہنا (۲) ناپسندیدہ بات کہنا (۳) جھوٹی بات کہنا (۴) گناہ کا ارتکاب کرنا۔

فروعی مسائل متعلقہ ظہار

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مِنْكُمْ کے لفظ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ظہار کا وقوع اہل ایمان کے ساتھ ہی مخصوص ہے، اگر کوئی غیر مسلم ایسی بات کر دے تو اس پر ظہار واقع نہیں ہوگا۔ البتہ بعض کہتے ہیں کہ اگر ذمی کافر بھی ایسے الفاظ بولے گا تو وہ بھی ظہار کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے تاہم دوسرے ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ مِنْكُمْ سے مراد محض ایمان والے نہیں بلکہ اس میں اسلامی سلطنت کے تمام باشندے آجاتے ہیں۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ ظہار صرف مرد ہی کر سکتا ہے، عورت کو یہ حق حاصل نہیں، بالکل اسی طرح جس طرح اللہ نے طلاق کا حق مردوں کو دیا ہے بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرہ - ۲۳۷) یعنی نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے، اسی طرح ظہار کا حق بھی مردوں کو ہے۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کو ماں کی پشت

کے ساتھ تشبیہ دے دے تو وہ ظہار نہیں ہو گا کیونکہ آیت کے الفاظ یہ ہیں اَلَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ
جو مرد ظہار کرتے ہیں اپنی عورتوں سے، نہ کہ وہ عورتیں جو مردوں سے ظہار کرتی ہیں۔
مِنْکُمْ اور مِنْ نِّسَآئِھِمْ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ظہار کے لیے اپنی
ماں یا کسی دوسری محرم عورت کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ضروری ہے جس
کا دیکھنا روا نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص عضو کی تشبیہ کے بغیر کہتا ہے۔ اَنْتِ کَاُمِّیْ
یعنی تو میری ماں کی مانند ہے یا کسی دوسری محرم عورت کی مانند ہے تو اس سے ظہار
لازم نہیں آئے گا۔ اسی طرح اگر کوئی ک کی بجائے مثل کا لفظ استعمال کرتا ہے کہ
تو میری ماں کی مثل ہے اور اسکے کسی عضو مستورہ کے ساتھ تشبیہ نہیں دیتا تو بھی
ظہار واقع نہیں ہو گا۔ البتہ ایسے شخص سے وضاحت طلب کی جائے گی کہ ماں کی
طرح یا ماں کی مثل کہنے سے تیری کیا مراد ہے اگر وہ بتائے کہ اس سے میری مراد ماں کی
طرح معزز ہے تو یہ ظہار نہیں ہو گا۔ اور اگر وہ بیان کرے کہ اس سے مراد ماں کی طرح
حرام ہے، تو پھر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اگر وہ کہتا ہے کہ ان الفاظ کے
ذریعے میں اپنے لیے اپنی عورت سے استفادہ کو حرام کرتا ہوں تو پھر یہ ظہار ہو گا۔
ہاں اگر صرف ماں کی بجائے ماں کی پشت، ران، پیٹ یا کسی دیگر عضو مستورہ کے ساتھ
تشبیہ دیتا ہے تو پھر اس میں نیت معلوم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہو گی، بلکہ یہ
واضح طور پر ظہار ہی ہو گا۔

ظہار کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا
ہے کہ تو مجھ پر ایک ماہ کے لیے ماں کی پشت کے برابر ہے۔ ایسے ظہار کے حکم کے
متعلق ائمہ کرام میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اس کو بھی مکمل ظہار شمار کرتے
ہیں جب کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو ظہار تسلیم نہیں کرتے، امام ابوحنیفہؒ کا
مسلک یہ ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی بیوی کی طرف لوٹنا چاہے تو وہ کفارہ ادا کر کے
لوٹ سکتا ہے اور اگر ایک ماہ کا عرصہ یونہی گزر گیا تو پھر جس طرح قسم میں آدمی بری

ہو جاتا ہے اسی طرح اس ظہار سے بھی بری ہو گیا، اب مسئلہ ختم ہو گیا۔

ایک اور مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں اور وہ سب کو کہتا ہے کہ تم میری ماں کی پشت کی مانند ہو تو اس طرح سب پہ ظہار واقع ہو جائیگا البتہ واپسی کے لیے کفارے کا مسئلہ پیدا ہو گا کہ سب کے لیے ایک ہی کفارہ کافی ہے یا ہر بیوی کی طرف رجوع کے لیے الگ الگ کفارہ دینا پڑے گا۔ امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح کے نزدیک ہر بیوی کا الگ الگ کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ جب کہ امام مالک اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سب کے لیے ایک ہی کفارہ کافی ہو گا۔ مگر کفارے کے بغیر اُن میں سے کسی کے قریب بھی نہیں جا سکتا۔

فرمایا جو لوگ ظہار کرتے ہیں یعنی اپنی عورتوں کو ماں بہن کی پشت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں یا کسی دوسری محرم عورت کے کسی عضو مستورہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ اُن کی وہ مائیں یا بہنیں تو نہیں ہیں، بلکہ اُن کی مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے اُن کو جنا ہے یہ لوگ ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کرتے ہیں۔ تاہم اگر وہ کفارہ ادا کر دیں وَإِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے بشرطیکہ اُس کے قانون کا احترام کیا جائے۔

وَالَّذِينَ يُظٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا
فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۚ ذٰلِكُمْ تُوعَظُونَ
بِهِۦ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ
فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ
فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذٰلِكَ
لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَلِلْكٰفِرِينَ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَآدُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ
كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَقَدْ أَنزَلْنَآ
ءَايٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ
اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوٓا ۚ أَحْصٰىهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۚ
وَاللَّهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ﴿٦﴾ ع

ترجمہ:- اور وہ لوگ جو ظہار کرتے ہیں اپنی عورتوں
کے ساتھ، پھر پلٹتے ہیں اُس کام کے کرنے کے لیے
جو انھوں نے کیا تھا، پس آزاد کرنا ہے ایک گردن
کا قبل اس کے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو
ہاتھ لگائیں۔ یہ تمھیں نصیحت کی جاتی ہے، اس بات
کی، اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کام تم کرتے ہو اُس کی خبر

رکھتا ہے (۳) پس جس نے طاقت نہ رکھی اس امر کی پس روزے ہیں دو ماہ کے مسلسل قبل اس کے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ پس جس نے طاقت نہ رکھی اس کی، پس کھانا کھلانا ہے ساٹھ مساکین کو۔ یہ اس لیے تاکہ تم ایمان رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور یہ اللہ کی حدیں ہیں باندھی ہوئی، اور کفر کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے (۴) بیشک وہ لوگ جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی، وہ ذلیل کیے جائیں گے جیسا کہ ذلیل کیے گئے وہ لوگ جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور تحقیق اتاری ہیں ہم نے واضح آیتیں۔ اور کفر کرنے والوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے (۵) جس دن کہ اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ان سب کو، پھر ان کو بتلا دے گا جو کام انہوں نے کیے۔ اللہ نے ان کو شمار کیا ہوا ہے اور یہ بھول گئے ہیں ان کو۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے (۶)

ربط آیات

گذشتہ درس میں ظہار کی ناپسندیدگی کا ذکر تھا کیونکہ یہ ناپسندیدہ اور جھوٹی بات ہے اور دوسرے معنوں میں گناہ کبیرہ بنتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرتا ہے یعنی اس کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دیتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بیوی سے عدم مباشرت اور علیحدگی کا اعلان کر رہا ہے۔ مگر ایسا کہنے سے بیوی کو طلاق نہیں ہو جاتی بلکہ آدمی گنہگار بن جاتا ہے اور اگر وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ جس کا ذکر آج کے درس میں آرہا ہے۔

کفارہ ظہار (۱) غلام کی آزادی

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَالَّذِينَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ جو

لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں یعنی ان کو اپنی ماں کی پشت سے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا پھر پلٹتے ہیں اس چیز کے لیے جو انہوں نے کہی تھی یعنی اپنی کہی ہوئی بات پر نادم ہو کر اپنی سابقہ حالت پر واپس آنا چاہتے ہیں اور بیوی سے دوبارہ تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں، تو اس کی صورت یہ ہے فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا کہ کفارہ کے طور پر ایک گردن یعنی غلام آزاد کرنا ہے پیشتر اس کے کہ میاں بیوی آپس میں مباشرت کریں۔ مفسرین کرام اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ أَن يَتَمَاسَّا میں صرف مباشرت ہی نہیں۔ بلکہ اسمیں بوس و کنار وغیرہ بھی شامل ہیں لہٰذا جب خاوند رجوع کا فیصلہ کرے تو سب سے پہلے کفارہ ادا کرے اور اس کے بعد بیوی سے متمتع ہو کفارے کی ادائیگی سب سے پہلے غلام کی آزادی کی صورت میں کی جائے گی۔ اگر متعلقہ شخص کے پاس غلام موجود ہے تو اسے آزاد کرے گا۔ اور مالی استطاعت ہے تو غلام خرید کر اُس کو آزاد کر دے گا۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں غلامی کا رواج ساری دنیا میں موجود تھا اور اس وقت پہلے نمبر پہ غلام کی آزادی ہی ظہار کا کفارہ تھا۔ ہاں اگر کسی شخص کے پاس غلام نہیں ہے اور وہ مالی لحاظ سے بھی غلام خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر دوسرا متبادل طریقہ اختیار کرے گا۔ فرمایا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ تمہیں اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے کہ اللہ کے ان احکام کی پوری پوری تعمیل کرو۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ وہ تمہارے ظہار کرنے اور کفارہ ادا کرنے کے تمام واقعات کی خبر رکھتا ہے۔ اگر تم کفارے کی ادائیگی میں کوتاہی کرو گے تو وہ تو سب کچھ جانتا ہے حتیٰ کہ تمہاری نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے، لہٰذا تم لوگوں کو تو کسی معاملہ میں دھوکہ دے سکتے ہو مگر اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ تمہیں تمہاری نیت، ارادے اور عمل کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس غلام کی آزادی بطورِ کفارہ ظہار مطلوب ہے

کیا اُس کے لیے کچھ شرائط بھی شریعت نے مقرر کی ہیں کہ وہ کیسا ہونا چاہیئے؟ جہاں قتلِ خطا میں غلام کی آزادی کو کفارہ بنایا گیا ہے وہاں شرط یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مومن آدمی کو خطأً قتل کرے گا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء-۹۲) تو اُس کا کفارہ ایک مومن غلام کی آزادی ہوگا۔ گویا کسی غیر مسلم غلام کی آزادی سے کفارہ ادا نہیں ہوگا ظہار کے کفارہ کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غلام خواہ مومن ہو یا کافر، عورت ہو یا مرد، کم سن ہو یا عمر رسیدہ کسی بھی قسم کے غلام کی آزادی سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ اس آیت میں مطلق غلام کی آزادی کا ذکر آیا ہے۔ البتہ بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح قتلِ خطا کے کفارے کے لیے مومن غلام کی آزادی کا حکم ہے، اسی طرح ظہار کے کفارے کے لیے بھی مومن غلام ہی ہونا چاہیئے۔

(۲) دو ماہ کے روزے

فرمایا فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ پس جس نے غلام نہ پایا یعنی جس کے پاس غلام ہی نہیں ہے جس کو وہ آزاد کر سکے یا اُس کے پاس اتنا مال نہیں کہ غلام خرید کر آزاد کر سکے تو پھر اس کے لیے فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ کفارہ یہ ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا پیشتر اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یعنی مجامعت کریں۔ مسلسل کا مطلب یہ ہے کہ دو ماہ یعنی ساٹھ دن کے روزے متواتر رکھے حتیٰ کہ درمیان میں ایک دن بھی افطار نہ کرے۔ اگر درمیان میں کسی دن روزہ چھوٹ گیا یا بیماری کی وجہ سے رہ گیا تو تسلسل ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا اُس کو پھر شروع سے گنتی شمار کرنا ہوگی۔ قسم کے کفارے کے روزوں کا بھی یہی حکم ہے کہ لگاتار ہوں۔ ہاں عورت کے لیے گنجائش ہے کہ اُس نے روزے رکھنا شروع کیا اور درمیان میں ایامِ حیض شروع ہو گئے تو روزے ترک کر دے اور پاک ہو کر بقایا روزے رکھ لے۔ ایسی حالت میں تسلسل کی پابندی ساقط ہو جائے گی۔

(۳) ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا

کفارے کی تیسری صورت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اور جو شخص مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، مثلاً

بیمار ہے یا جسمانی طور پر اس قدر کمزور ہے کہ دو ماہ متواتر روزے نہیں رکھ سکتا تو فرمایا فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِيْنًا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ساٹھ مسکینوں کو دو وقت اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہوگا۔ جیسا کہ قسم کے کفارے میں واضح کر دیا گیا ہے مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ (المائدہ - ۸۹) درمیانے درجے کا کھانا ہو جو عام طور پر گھر والوں کو کھلایا جاتا ہے نہ تو بالکل معمولی ہو اور نہ ہی بہت اعلیٰ درجے کا ہو، بہر حال دو وقت کھلانا ہوگا اور اگر کوئی شخص کھانا پکا کر کھلانے کی بجائے جنس کی صورت میں دینا چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے۔ اگر وہ گندم دینا چاہے تو نصف صاع (دو سیر) فی مسکین ادا کرے، اور اگر گندم کے علاوہ کوئی دوسرا غلہ مکی، باجرہ، چنے وغیرہ دینا چاہے تو ایک صاع یعنی چار سیر فی کس ادا کرے۔ اس میں دو وقت کا کھانا آجائے گا۔ صدقہ فطر کے لیے بھی یہی مقدار مقرر ہے۔ اگر غلہ نہ دے تو اس قدر غلے کی قیمت بھی ادا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ صدقہ فطر میں عام طور پر کیا جاتا ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک دو وقت کھانا کھلاتے رہے تو پھر بھی کفارہ ادا ہو جائے گا مگر ایسی صورت میں کفارے کی مکمل ادائیگی تک میاں بیوی کی قربت نہیں ہو سکتی۔ بہتر ہے کہ ساٹھ مساکین کو اکٹھا کھانا کھلا دے یا اُس کی قیمت ادا کر دے۔

فرمایا ذٰلِكَ یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ نیز فرمایا وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ یہ اللہ کی حدیں ہیں جو اس نے مقرر کر دی ہیں۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور کفر کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے جو لوگ اللہ کے احکام کا انکار کریں گے، اللہ نے اُن کے لیے سزا بھی بڑی سخت تجویز کر رکھی ہے۔

ظہار کا دوسرا واقعہ

گذشتہ درس میں ظہار کے اولین واقعہ کا ذکر ہو چکا ہے جو حضرت اوس بن صامت رضؓ نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہؓ سے کیا تھا، اور بیوی نے حضور علیہ السلام

کے پاس شکایت کی تھی جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ امام ترمذیؒ نے ایک دوسرے صحابی سلمہ ابن صخرؓ کا واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ وہ صحابی خود بیان کرتے ہیں کہ رمضان کی آمد پر میں نے اپنی بیوی سے ایسے الفاظ کہے۔۔۔ کہ میں ایک ماہ تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا کہ تو میری ماں کی پشت کی طرح ہے اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ عورت نماز پڑھ رہی تھی کہ صحابی پر شہوانی غلبہ طاری ہوا اور اُس نے اُس سے مباشرت کر لی اس کے بعد انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو نادم ہو کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ دریافت کیا کہ اب ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ حضور علیہ السلام نے صحابی سے دریافت کیا کہ کیا تو نے واقعی ایسا کیا ہے اُس نے اقرار کیا کہ حضور! یہ غلطی ہو گئی ہے۔ اس روایت میں یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ ظہار کرنے کے بعد تمہیں کفارہ ادا کیے بغیر ہرگز عورت کے قریب نہیں جانا چاہیئے تھا۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اب کفارہ ادا کرو یعنی ایک غلام آزاد کرو۔ وہ شخص کہنے لگا۔ کہ حضور! میرے پاس تو اپنی گردن کے سوا کچھ نہیں۔ فرمایا پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو۔ وہ کہنے لگا کہ روزے کی وجہ سے تو مجھ پر یہ آفت پڑی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا! ساٹھ مساکین کو دو وقت کھانا کھلا دو۔ وہ شخص کہنے لگا ہمارے پاس نہ کھجوریں ہیں اور نہ اناج، ہم یہ کفارہ کیسے ادا کریں؟ آپ نے فرمایا، تم یہاں ٹھہرو، اگر کوئی صدقہ وغیرہ آئے گا تو تم کو دلا دیں گے اور تم اس سے اپنا کفارہ ادا کر دینا۔ چنانچہ آپ نے اُس شخص کو دو وسق کھجوریں صدقہ کے مال میں سے دلائیں تاکہ وہ ایک وسق سے کفارہ ادا کرے اور دوسرا وسق خود گھر میں استعمال کرے۔

مخالفین کا انجام

مسئلہ ظہار اور اس کے کفارے کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول کے مخالفین کا انجام بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وہ اسی طرح ذلیل و خوار ہوں گے۔

جس طرح اُن سے پہلے مخالفین ذلیل ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کبھی عزت نصیب نہیں ہوئی بلکہ وہ عذاب ہی کا شکار ہوئے۔

جس مخالفت کا اللہ نے یہاں ذِکر کیا ہے وہ اعتقاد میں بھی ہو سکتی ہے اور قول و فعل میں بھی۔ اللہ کے قوانین کی مخالفت کرنے والے یا اللہ کے قانون کے خلاف خود قانون بنانے والے یہی لوگ تو ہیں۔ عام طور پر یہ ملوکیت کا خاصہ ہوتا ہے وہ اللہ کے قوانین نافذ کرنے کی بجائے انسانوں کے وضع کردہ قوانین رائج کرتے ہیں، اُن پر خود بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی کرواتے ہیں۔ پھر جب اللہ اور رسول کی بات کی جائے تو کہتے ہیں کہ یہ قوانین موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتے لہٰذا ہمیں خود جدید قانون وضع کرنے ہوں گے۔ بہرحال یہ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت ہے خواہ قانون تیار کرنے میں یا قانون کو نافذ کرنے میں ہو۔ سعدی صاحبؒ نے بھی بوستان میں ایک شعر لکھا ہے۔

مدبر کہ قانونِ بد می نہد
تمامی برد تا بہ آتش دہد

فرماتے ہیں کہ جو قانون ساز بُرا قانون بناتا ہے وہ تو اُسے لے کر جہنم میں ہی داخل کرے گا اور جو شخص ایسے قانون پر عمل کرے گا وہ بھی جہنم رسید ہو گا۔

آج ہم گرد و پیش پر نظر دوڑاتے ہیں تو دنیا میں کہیں بھی اللہ کے قانون اور اس کے دین کی عملداری نظر نہیں آتی۔ لوگ خود ہی قانون بنا کر انہیں اللہ کی مخلوق پر نافذ کرتے ہیں۔ کہیں مارشل لاء کے نام پر قانون بن رہے ہیں اور کہیں جمہوریت کے نام پر غیر اسلامی قوانین بن رہے ہیں۔ کہیں بالکل ہی شخصی نظام رائج ہے۔ یہ سب اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرنے والے ہیں، آج کے زمانے میں شاید ہی کوئی خوش نصیب ہو گا جو اللہ کے قانون کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرما دیا کہ یہ بھی پہلے مخالفین کی طرح ذلیل و خوار ہوں گے۔

فرمایا یاد رکھو وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ اور البتہ تحقیق ہم نے واضح واضح احکام اور آیتیں نازل کر دی ہیں۔ واضح دلائل اور معجزات بھی پیش کر دیے ہیں۔ اس کے باوجود اگر لوگ مخالفت سے باز نہیں آتے اور اللہ کے قانون کو زندگی کی ہر سطح پر نافذ نہیں کرتے تو یاد رکھو! وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ایسے کافروں کے لیے اللہ کے ہاں ذلت ناک عذاب موجود ہے جس سے وہ بچ نہیں سکیں گے۔ جو لوگ خدا کی حدود کو توڑتے ہیں، اپنی خواہشات کو مقدم رکھتے ہیں اور انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو نافذ کر رہے ہیں، وہ اپنے انجام سے خبردار ہو جائیں۔

یہ برا انجام کب ہو گا؟ فرمایا يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے گا یعنی جب قیامت برپا ہو گی، حساب کتاب کی منزل آئے گی۔ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ان کے اعمال سے آگاہ کر دے گا۔ کیونکہ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ اللہ نے تو انکے تمام اعمال نیک و بد کو شمار کر رکھا ہے جب کہ وَنَسُوْهُ اور انسان ان کو بھول چکا ہے کہ اس نے کس وقت میں کون سا اچھا یا کون سا برا کام کیا تھا۔ یہ تمام اعمال اللہ کے علم اور اس کی لوحِ محفوظ میں بھی محفوظ ہیں، اور خود انسان کی روح اور اس کے نامۂ اعمال میں بھی محفوظ ہیں اللہ تعالیٰ کسی کے کسی عمل کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ بلکہ قیامت والے دن سب کو ان کے سامنے رکھ دے گا۔ فرمایا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان، محافظ اور گواہ ہے اس کے لیے کسی چیز کی حفاظت کرنا کچھ مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔

درس سوم ۳ — آیت ۷ تا ۱۰

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑦ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔـا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩

ترجمہ :- کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالےٰ

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتا کوئی مشورہ تین آدمیوں کا مگر چوتھا وہ (اللہ تعالیٰ) ہوتا ہے۔ اور نہ پانچ آدمیوں کا مگر چھٹا وہ ہوتا ہے۔ اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔ پھر وہ بتلا دے گا اُن کو جو کچھ انہوں نے عمل کیا قیامت والے دن۔ بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۷) کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جن کو روکا گیا تھا سرگوشی کرنے سے، پھر وہ پلٹ کر وہی بات کرتے ہیں جس سے اُن کو روکا گیا تھا اور سرگوشی کرتے ہیں گناہ، زیادتی اور رسول کی مخالفت کے ساتھ۔ اور جب آتے ہیں وہ آپ کے پاس تو سلام کرتے ہیں آپ کو اُس کے ساتھ کہ اللہ نے اس کے ساتھ سلام نہیں کیا آپ کو۔ اور کہتے ہیں اپنے نفسوں میں کہ کیوں نہیں سزا دیتا ہم کو اللہ تعالیٰ اس بات پر جو ہم کہتے ہیں۔ کافی ہے اِن کے لیے جہنم۔ داخل ہوں گے اُس میں۔ پس بہت ہی بُری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی (۸) اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو آپس میں تو مت سرگوشی کرو، گناہ تعدی اور رسول کی مخالفت کے ساتھ۔ اور سرگوشی کرو آپس میں نیکی اور تقویٰ کے ساتھ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے وہ جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے (۹) پس اس قسم کی سرگوشی شیطان کی طرف سے ہے تاکہ وہ غم میں ڈالے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں وہ اُن کو نقصان پہنچا سکتا کچھ بھی مگر اللہ کے

حکم سے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے اوپر ہی چاہیئے کہ بھروسہ
کریں ایمان والے (۱۰)

ربط آیات

پہلے مسئلہ ظہار اور اس کی قباحت بیان ہوئی کہ یہ گناہ کی بات
ہے اور نہیں کرنی چاہیئے ۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ غلطی کر بیٹھے اور اپنی بیوی کو ماں
یا بہن کی پشت کے ساتھ تشبیہ دے دے تو وہ عورت اس شخص کے لیے حرام ہو
جاتی ہے جب تک کہ وہ اس کے لیے مقررہ کفارہ ادا نہ کرے ۔ پھر اللہ نے کفارے
کی تین متبادل صورتیں بیان فرمائیں یعنی ایک غلام آزاد کرے ۔ اگر طاقت نہیں ہے تو
دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے ۔ اگر ایسا بھی نہیں کر سکتا تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے
قبل اس کے کہ اپنی بیوی کی طرف دوبارہ رجوع کرے ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے
احکام کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیئے ورنہ اس کا نتیجہ ذلت ناک عذاب کی
صورت میں ان کے سامنے آئے گا ۔

اللہ کا علمِ محیط

دنیا میں تو لوگ ایک دوسرے کو دھوکہ دے لیتے ہیں اور بعض امور چھپ
کر بھی انجام دے لیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی نظروں اور اس کے علم سے کوئی
چیز مخفی نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا یعنی کیا تمہیں
اس بات کا علم نہیں کہ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی
الْاَرْضِ کہ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں
ہے ، یعنی خدا تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے ۔ سورۃ الملک میں اللہ نے
اس حقیقت کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ
(آیت ۱۴) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے ؟ جو ہر چیز کا خالق ہے
اس سے کون سی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ
ہر وقت اور ہر جگہ حاضر ناظر ہے فرمایا مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ
اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ نہیں ہوتا مشورہ تین آدمیوں کا مگر چوتھا خدا تعالیٰ ہوتا ہے
اس لیے تمہاری تمام سرگوشیاں باتیں اور سکیمیں اس کی موجودگی میں ہوتی ہیں ۔ اور وہ

انہیں بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ اور نہ پانچ آدمیوں کا مشورہ ہوتا ہے مگر چھٹا وہاں وہ ہوتا ہے۔ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے أَيْنَ مَا كَانُوا جہاں کہیں بھی ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جو (نعوذ باللہ) اللہ کی پہنچ سے باہر ہو اور یہ لوگ وہاں جا کر کوئی سرگوشی کر لیں اور چاہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہ ہو۔ نہیں بلکہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ کسی مجلس میں جو بھی کوئی خفیہ یا علانیہ بات کرتا ہے، سب اللہ کے علم میں ہوتی ہے۔ جب اُس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے تو وہ تمہارے ہر عمل کو بھی جانتا ہے۔ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ پھر وہ قیامت والے دن اِن کو اِن کے اعمال سے باخبر کر دیگا۔ اور بتلا دے گا کہ دنیا میں تم فلاں فلاں وقت میں فلاں فلاں کام کرتے رہے۔ یہ حجت پوری کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہر انسان کے لیے جزا اور سزا کا فیصلہ کریگا بہرحال إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور کوئی چیز اس کے علم محیط سے باہر نہیں ہے۔

مشاورت کی اہمیت

یہاں پر علیحدگی میں بعض آدمیوں کے خفیہ مشورے کا ذکر آیا ہے تو اس ضمن میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر تین آدمی کسی جگہ موجود ہوں یا سفر کر رہے ہوں۔ تو اُن میں سے دو آدمی علیحدگی میں مشورہ نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تیسرے آدمی کو شک گزرے کہ علیحدگی میں اس کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔ بہرحال مشورہ تو دو کا بھی آپس میں ہو سکتا ہے مگر کسی کی دل شکنی کر کے نہیں۔ ویسے اللہ نے اہل ایمان کو مشورے کا حکم دیا ہے وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ۔ ۳۸) یعنی وہ اپنے کام مشورہ سے انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام کو بھی حکم دیا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران۔ ۱۵۹) آپ اپنے صحابہ سے مشورہ کر لیا کریں یعنی جن امور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات وصول

نہیں ہوئیں، اُن معاملات میں باہم مشورہ کے بعد کوئی فیصلہ کریں اور پھر اللہ پہ توکل کرتے ہوئے اُس کام کو کر گزریں۔ مشورہ کر لینا بہت اچھی بات ہے کہ اس طرح انسان خسارے سے بچ جاتا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ نے تین اور پانچ آدمیوں کا ذکر کیا ہے کہ اگر کہیں تین اشخاص ہوں تو چوتھا خدا تعالیٰ ہوتا ہے اور اگر پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہوتا ہے۔ اِن دو اعداد کے ذکر میں بھی خاص مصلحت ہے۔ تین اور پانچ کے اعداد طاق ہیں۔ اگر یہ آپس میں مشورہ کریں تو اختلاف رائے کی صورت میں بھی آسانی سے فیصلہ ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ تین میں سے دو ایک طرف اور ایک دوسری طرف ہو گا۔ لہٰذا اکثریت کی رائے پر عمل درآمد ہو جائے گا۔ یہی صورتِ حال پانچ یا دیگر طاق اعداد میں ہوگی۔ اور اگر آدمیوں کی تعداد جفت ہو یعنی دو چار، چھ وغیرہ تو اُن میں رائے برابر برابر تقسیم ہونے کی صورت میں فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گی۔

حضرت عمرؓ پہ قاتلانہ حملہ ہُوا تو انہوں نے اپنے جانشین کے انتخاب کے لیے اُن چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائی جن پہ حضور علیہ السلام دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ چھ آدمی باہمی مشاورت سے کسی شخص کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ اگرچہ اس کمیٹی میں آپ کا بیٹا عبداللہؓ بھی شامل تھا۔ مگر آپ نے فرمایا تھا کہ یہ مشورہ تو دے سکتے ہیں مگر خود خلافت کے اُمیدوار نہیں بن سکتے چنانچہ یہ حضرات تین دن تک باہمی مشورہ کرتے رہے اور اس دوران حضرت صہیب رومیؓ بطور قائم مقام خلیفہ نماز پڑھاتے رہے اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ بھی انہوں نے ہی پڑھایا بہرحال تین دن کی مشاورت کے بعد مذکورہ کمیٹی نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ غرضیکہ مشاورت کی اپنی اہمیت ہے جس کے لیے نبی اور امت دونوں کو حکم دیا گیا ہے۔

منافقین کی سرگوشیاں

مکی زندگی میں تو مشرک اور کافر اسلام اور اہلِ اسلام کے کھلم کھلا دشمن تھے اور اُن کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے ہی مسلمانوں کو پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ

بالآخر ہجرت کرنا پڑی۔ مدینہ پہنچ کر اگرچہ اہلِ ایمان کو قدرے سکون نصیب ہوا۔ اور اسلامی ریاست کی بنیاد بھی قائم ہوگئی تاہم یہاں بھی دو طاقتوں کے ہاتھوں مسلمان زک اٹھاتے رہے۔ ایک تو یہودی تھے جو کافی تعداد میں مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں آباد تھے۔ اور مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ دوسرا گروہ منافقین کا تھا جو بظاہر تو ایمان قبول کر چکے تھے مگر ان کی ہمدردیاں یہودیوں اور مشرکوں کے ساتھ تھیں اور وہ آئے دن درپردہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ بہرحال یہودی اور منافق مسلمانوں کے خلاف خفیہ میٹنگیں کرتے، صلاح مشورہ کرتے کہ ان کو کس طرح تنگ کیا جائے۔ تو اللہ نے فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ جن کو سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا ہے ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ پھر وہ پلٹ کر وہی بات کرتے ہیں۔ جس سے ان کو روکا گیا تھا وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ اور سرگوشی کرتے ہیں گناہ، زیادتی اور رسول کی مخالفت کے ساتھ۔ مطلب یہ کہ ان کی خفیہ میٹنگیں تو مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں کے لیے ہوتی ہے جن میں یہ طرح طرح کے منصوبے بناتے ہیں تاکہ اہلِ ایمان کے راستے میں مشکلات کھڑی کی جائیں۔

منافقوں کی ایک خصلت یہ تھی کہ جب وہ حضور علیہ السلام کی مجلس میں آکر بیٹھے تھے تو اہلِ ایمان کا مذاق اڑاتے تھے: ایک دوسرے کے کان میں کانا پھونسی کرتے ایمان والوں کی طرف آنکھوں سے اشارے کرتے اور ان کی عیب جوئی کرتے۔ اس قسم کی حرکات سے مخلص مسلمانوں کو سخت کوفت ہوتی تھی۔ یہودی بھی اس قسم کی حرکات کر کے اہلِ ایمان کے لیے اذیت کا باعث بنتے تھے۔ سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان ہے لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ (آیت۔ ۱۱۴) ان کی سرگوشیوں میں بہتری کی کوئی بات نہیں ہوتی بلکہ ان کے مشوروں میں شر و فساد ہی پایا جاتا ہے

سلام کرنے میں منافقت

آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے یہودیوں کی خباثت کی ایک مثال بیان فرمائی ہے وَإِذَا جَآءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ جب یہ لوگ آپ کی مجلس میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بدبخت اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سلام نہیں کرتے۔ یہودیوں کی دیکھا دیکھی منافقین بھی اسی طرح کرنے لگے۔ مخلص مسلمان تو حضور کی مجلس میں آتے تو السلام علیکم کہتے، مگر یہ بدبخت اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہنے لگے۔ حالانکہ سلام کا معنی سلامتی ہے جب کہ سام کا معنی موت اور ہلاکت ہوتا ہے۔ تو اس طریقے سے وہ لوگ حضور علیہ السلام اور اہلِ ایمان کے لیے سلامتی کی بجائے ہلاکت طلب کرتے تھے۔

سلام کرنے کا صحیح طریقہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ فرشتوں کے پاس جا کر السلام علیکم کہو، اور جو جواب وہ تمہیں دیں گے وہی جواب قیامت تک کے لیے تمہاری اولاد کے حق میں ہوگا۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں سے السلام علیکم کہا تو انہوں نے جواب میں وعلیک السلام کہا۔ اب تمام اہل ایمان کے لیے یہی طریقہ رائج ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں وعلیک السلام یا وعلیکم السلام کہا جاتا ہے سورۃ النساء میں اللہ کا یہ فرمان بھی موجود ہے وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا (آیت ۸۶) جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر جواب دو ورنہ کم از کم اسی کو لوٹا دو۔ مطلب یہ ہے السلام علیکم کا جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہونا چاہیئے یا کم از کم وعلیکم السلام تو ہو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے سلام کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ برصغیر کے لوگ بندگی، نمسکار، آداب عرض کہتے ہیں یا عرب لوگ أَنْعِمْ صَبَاحًا کہتے تھے۔ اسی طرح انگریزی میں (GOOD MORNING) وغیرہ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ یہودی اور منافق لوگ جب آپ کی مجلس میں آکر سلام

کرتے ہیں تو ایسے طریقے سے جو اللہ نے نہیں سکھلایا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہ لوگ السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہتے تھے جو کہ نہایت ہی قبیح بات ہے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ لفظ سن کر برداشت نہ کر سکیں تو جواب میں فرمایا عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ تم پر خدا کی ہلاکت اور لعنت ہو۔ مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا، عائشہؓ! یوں نہ کہو کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ جب وہ ہمارے سامنے ایسی بات کرتے ہیں تو ہم صرف اتنا کہہ دیتے ہیں وعلیکم یعنی جو کچھ بھی تم نے بکواس کی ہے یہ تمہیں پر پڑے۔ مگر یہ بدنیت لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی ایسی دُعا قبول نہیں کریگا۔ بلکہ ہماری دعا قبول ہو گی۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ بدبخت اپنی حرکات سے باز آنے کی بجائے وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اگر ہمارا طرزِ عمل مسلمانوں کے ساتھ اچھا نہیں ہے اور ہم غلط بات کہتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا۔ فرمایا یہ سزا دینا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جب چاہے گا پکڑ لے گا مگر دُنیا میں وہ بسا اوقات مہلت دیتا رہتا ہے اور آدمی کو راہِ راست پر آنے کا موقع دیتا ہے۔ پھر جب وہ باز نہیں آتا تو بعض اوقات دنیا میں بھی سزا دے دیتا ہے مگر آخرت میں حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ اُن کے لیے جہنم ہی کافی ہے يَصْلَوْنَهَا جس میں وہ داخل ہوں گے۔ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بُری جگہ ہے۔

صحیح مشورے کا حکم

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو صحیح مشاورت کی ہدایت کی ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ اے ایمان والو! جب تم آپس میں کوئی خفیہ مشورہ کرو فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ تو کوئی ایسا مشورہ نہ کرو جس میں گناہ، تعدی یا اللہ کے رسول کی مخالفت کا پہلو نکلتا ہو۔ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ بلکہ ہمیشہ نیکی اور تقویٰ کا مشورہ کرو۔ یعنی ایک دوسرے کی خیر خواہی اور مصلحت کی بات کرو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد

مبارک بھی ہے وَالنُّصْحُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ ہر مسلمان کے حق میں خیر خواہی کی بات کرو، کبھی شر کی بات نہ کرو۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا۔ اللہ نے فرمایا یہودیوں اور منافقوں کے مشورے میں کوئی اچھی بات نہیں ہوتی اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (النساء - ۱۱۴) بہتری کی بات تو یہ ہے کہ لوگوں کو صدقہ، خیرات، نیکی اور لوگوں کے درمیان اصلاح سے متعلق مشورہ کیا جائے تاکہ ان کے حالات درست ہو جائیں اور ان کے آپس کے اختلافات دُور ہو جائیں۔ فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جس کی طرف تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے اور پھر جزائے عمل کی منزل آئیگی ہمہ اعمال پیش ہونگے اور اللہ تعالیٰ جزا اور سزا کا فیصلہ فرمائے گا۔ لہٰذا اُس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ کہیں تمہارے حق میں سزا کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

فرمایا جن مشوروں میں گناہ، زیادتی اور رسول کی مخالفت کی بات ہو۔ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ تو یہ شیطانی مشورے ہوتے ہیں۔ شیطان ہی بری باتوں پہ اُبھارتا ہے تاکہ شر و فساد کا بازار گرم ہو، ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی ہو۔ اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تاکہ اہلِ ایمان کو غم میں ڈالا جائے، اُن کو تکلیف پہنچے۔ اور وہ ایمان سے بدظن ہو جائیں۔ مگر اللہ نے فرمایا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ یہ لوگ اہلِ ایمان کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔ خدا کی مشیت ہو گی تو مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا ورنہ یہودیوں اور منافقوں کی حیلہ سازیاں ناکام ہوں گی۔ سورۃ فاطر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (آیت ۴۳) جو شخص کسی کے بارے میں کوئی بُری تدبیر سوچتا ہے، اللہ تعالیٰ خود اُسی کو اُس تدبیر میں پھنسا دیتا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِاَخِيْهِ وَقَعَ فِيْهِ جو اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ غرضیکہ بدنیت کبھی کامیاب نہیں ہوئے، وہ مسلمانوں کو از خود کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بشرطیکہ ایماندار صحیح روش پر قائم رہیں۔ اگر خود مسلمان ہی رستے سے بھٹک جائیں تو پھر اللہ کا اُن سے کوئی وعدہ نہیں ہے۔ پھر اُن کی حالت بھی دوسرے نافرمانوں کی

شیطانی مشورے

طرح ہی ہو جائے گی۔

فرمایا نیک نیتی کے ساتھ دین پر قائم رہو، مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے بددل نہ ہو۔ خدا پر بھروسہ
نہ ہو۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ
وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بھروسہ کریں۔ ان کو یقین ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ
اپنے بندوں کی ضرور مدد کرے گا اور بدنیت، سازشی اور منافق قسم کے لوگ ناکام و
نامراد ہوں گے۔

درس چہارم ۴ آیت ۱۱ تا ۱۳

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا۟ فِى ٱلْمَجَٰلِسِ فَٱفْسَحُوا۟ يَفْسَحِ ٱللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ ٱنشُزُوا۟ فَٱنشُزُوا۟ يَرْفَعِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْ وَٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ دَرَجَٰتٍ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نَٰجَيْتُمُ ٱلرَّسُولَ فَقَدِّمُوا۟ بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَىٰكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ ءَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا۟ بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَىٰكُمْ صَدَقَٰتٍ ۚ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا۟ وَتَابَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ ۚ وَٱللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾ ع

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب کہا جائے تم سے کشادگی کرو مجلسوں میں تو کشادگی کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی پیدا کر دے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ بلند کریگا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں تم میں سے اور وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے درجے۔ اور اللہ تعالےٰ جو کچھ تم

کرتے ہو اُس کی خبر رکھنے والا ہے (۱۱) اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو اللہ کے رسول کے ساتھ تو آگے بھیجو اپنی سرگوشی سے صدقہ۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور پاکیزہ۔ پس اگر تم نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (۱۲) کیا ڈر گئے ہو تم اس بات سے کہ تم آگے بھیجو اپنی سرگوشی سے صدقات۔ پس اگر تم نے نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مہربانی سے رجوع فرمایا ہے۔ پس قائم کرو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے (۱۳)

ربط آیات

پہلے اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علم کا ذکر ہوا، پھر یہودیوں اور منافقوں کی مذمت بیان ہوئی۔ یہ لوگ مجلسوں میں تکلیف دہ باتیں کرتے تھے۔ وہ مجلس میں آکر سلام بھی غلط طریقے سے کرتے تھے جس سے مخلص مسلمانوں کی دل آزاری ہو اُن کی اس حرکت کو اللہ نے بد اخلاقی سے تعبیر کیا کہ وہ سلام کی بجائے سام کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ مجلس میں بیٹھ کر سرگوشیاں بھی کرتے تھے۔ اور اہلِ ایمان کی اذیت کا باعث بنتے تھے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مجلس کے بعض آداب سکھائے ہیں۔ دو قسم کے آداب میں سے پہلی قسم عام مومنوں سے متعلق ہے جب کہ دوسری قسم کا ادب پیغمبر علیہ السلام کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔

مجلس میں کشادگی

ارشاد ہوتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو فَافْسَحُوْا پس تم کشادگی کرو۔ حاضرین کی نسبت اگر بیٹھنے کی جگہ تنگ ہو تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ

بیٹھنے والے لوگ ذرا مِل کر بیٹھ جائیں تاکہ بعد میں آنے والوں کو بھی بیٹھنے کے لیے کچھ نہ کچھ جگہ میسر آجائے۔ فرمایا اگر تم اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے کشادگی پیدا کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی پیدا فرما دے گا۔ یہ عام لوگوں کے لیے مجلس کے آداب ہیں کہ کھلے ہو کر نہ بیٹھو بلکہ ضرورت ہو تو مِل کر بیٹھ جاؤ تاکہ دوسروں کے لیے بھی بیٹھنے کی گنجائش نکل سکے اگر بعض لوگ کھلے کھلے باسہولت بیٹھے رہیں گے تو دوسرے لوگ اُس مجلس سے مستفید نہیں ہو سکیں گے۔ یہ آداب حضور علیہ السلام کی مجلس کے لیے مزید اہم ہیں تاکہ تمام لوگ رسولِ خدا کی گفتگو، آپ کی ہدایات اور احکام سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہاری تنگی دُور کر کے رزق میں وسعت پیدا کر دے گا۔ وہ اپنی رحمت اور مہربانی کے دروازے تمہارے لیے کشادہ کر دے گا۔ لہٰذا اگر مجلس میں سکڑ کر بیٹھنا پڑے تو اس سے تنگ دل نہ ہو، اور نہ ہی اس میں کوئی توہین آمیز بات ہے بلکہ اس ذرا سی تکلیف کا اللہ بہت بہتر بدلہ عطا فرمائے گا۔

اِس کے ساتھ اللہ نے مزید فرمایا وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کر چلے جاؤ تو چلے جاؤ۔ اس میں کوئی حیل و حجت نہ کرو۔ ایسا حکم دو وجہ سے ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ موضوع گفتگو ختم ہو کر مجلس برخاست کر دی جائے، تو بلاوجہ بیٹھے رہنا درست نہیں۔ لہٰذا اب چلے جاؤ دوسری وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ مجلس کی جگہ اس قدر تنگ ہے کہ مزید بیٹھنے کی بالکل گنجائش نہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں اگر پہلے بیٹھنے والوں کو کہا جائے کہ اب چلے جاؤ تاکہ دوسرے لوگ بھی استفادہ کر سکیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حکم کے مطابق اٹھ کھڑے ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان لانے والوں وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ اور علم حاصل کرنے والوں کے درجات بلند فرمائے گا۔

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ یہ آداب ہیں جو اللہ نے اس آیت میں بیان فرمائے ہیں کہ تھوڑا ہٹیں تاکہ مکان کشادہ ہو جائے یا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور پرے چل کر حلقہ کر لیں یا اگر بالکل چلے جانے کے لیے کہا جائے تو چلے جائیں اتنی حرکت میں غرور یا خلل نہ کریں۔ شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ خوئے نیک پر اللہ مہربان ہے، اچھے اخلاق اور اچھی خصلت پر اللہ کی مہربانی شامل حال ہوتی ہے اور خوئے بد سے بیزاری ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُس سے بیزار ہوتا ہے۔ یہ مکارمِ اخلاق میں سے ہے کہ مجلس سے اٹھ جائیں تاکہ دوسروں کو بھی بیٹھنے اور بات سننے کا موقع ملے یا پیچھے سرک جائیں تاکہ جگہ کشادہ ہو جائے اور سارے حاضرین مستفید ہو سکیں، اور ایسا کرنے میں توہین محسوس نہ کریں۔ حضور علیہ السلام کی مجلس میں تو ہر شخص قرب کا خواہشمند ہوتا تھا جس کی وجہ سے بعض اوقات جگہ کی تنگی کی شکایت محسوس ہوتی تھی حتیٰ کہ بعض اوقات اکابر صحابہؓ کو بھی قریب جگہ نہیں ملتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے۔ تاکہ سب کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع مل سکے اور نظم و ضبط بھی قائم رہے۔ ایسے انتظامی معاملات میں صدرِ مجلس کے احکام کی تعمیل ضروری ہے جہاد یا کسی دیگر اہم معاملہ کے متعلق مجلس قائم ہو تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا سب کو استفادہ کا موقع ملنا چاہیئے۔

آدابِ مجلس

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ہر مجلس کی ابتداء اور انتہا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مجلس برخاست کرتے وقت یوں کہو سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ اے اللہ تیری ذات پاک ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ فرمایا اگر مجلس میں کوئی معصیت والی بات ہو گئی ہو گی تو یہ دعا اُس کا کفارہ بن جائے گی۔ آدابِ مجلس میں یہ بھی شمار ہوتا ہے کہ کوئی شخص باہر سے آتا ہے تو آکر موجود

لوگوں کو سلام کرے ۔ اور اگر کوئی آدمی مجلس کو چھوڑ کر جا رہا ہے تو بھی سلام کر کے جائے
آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابتدائی سلام آخری سلام سے زیادہ اہم نہیں ہے بلکہ دونوں
برابر ہیں ۔ حضور علیہ السلام نے راستوں پر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ۔ صحابہ کرامؓ نے عرض
کیا حضور! اگر ضرورت ہو تو سڑک کے کنارے کسی تھڑے پر بیٹھ کر بات چیت کر لیں؟
آپ نے فرمایا کہ اگر کسی راستے پر بیٹھنا واقعی ضروری ہو تو پھر بیٹھ جاؤ ۔ مگر راستے کا حق
ادا کرو ، اور راستے کا حق یہ ہے کہ نظریں نیچی رکھو تاکہ کسی غیر محرم پر نگاہ نہ پڑے
کوئی بھٹکا ہوا مسافر ملے تو اس کو راستہ دکھاؤ ۔ اگر کوئی معاونت طلب کرتا ہے ، تو
اُس کی مدد کرو ، اور سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دو ۔

غرضیکہ ایمان اور علمِ صحیح ہمیشہ انسان کو ادب سکھاتا ہے اور اس کی وجہ سے
انسان متواضع ہوتا ہے ۔ حدیث میں آتا ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ
جو شخص اللہ کے لیے عاجزی کرے گا ، اکڑ اور غرور سے پرہیز کرے گا ، اللہ تعالیٰ
اُس کو بلند کرے گا ۔ متکبر لوگ ہمیشہ جاہل اور اجڈ ہوتے ہیں ۔ جن میں کوئی تہذیب
اور شائستگی نہیں ہوتی ۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ اللہ تعالیٰ تمہارے
ہر کام کی خبر رکھنے والا ہے ۔ تمہارا ہر صحیح اور غلط عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے جسے
وہ جزائے عمل کے وقت ظاہر کر دے گا ۔ اور پھر اُس کے مطابق فیصلہ کرے گا ۔

سرگوشی سے پہلے صدقہ کا حکم

نبی علیہ السلام کی مجلس میں بعض اوقات بڑے دولتمند اور سردار قسم کے لوگ
بھی حاضر ہوتے تھے اور وہ آپ سے بات چیت میں علیحدگی اور زیادہ وقت
بھی چاہتے تھے ، ایسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کوئی خاص کام تو اُن کو ہوتا نہیں تھا
محض اپنی بڑی حیثیت کو منوانے کے لیے زیادہ وقت لے لیتے ۔ لہٰذا اللہ نے یہ
ادب بھی سکھایا ہے ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اے ایمان والو ! اِذَا نَاجَيْتُمُ
الرَّسُوْلَ جب تم اللہ کے رسول کے ساتھ سرگوشی کرنے کا ارادہ کرو ، کوئی اہم
بات علیحدگی میں کرنا چاہو ۔ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً
تو اس گفتگو سے پہلے صدقہ دے لیا کرو ، تاکہ غربا اور مساکین کا بھی بھلا ہو جائے ۔

فرمایا ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ایسا کرنا تمہارے لیے بہتر بھی ہے اور پاکیزہ بھی۔ اس سے تمہیں بہت سے فوائد حاصل ہوں گے فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا اور اگر صدقہ کرنے کے لیے کوئی چیز نہ پاؤ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور ازحد مہربان ہے۔ اس حکم کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ منافق لوگ اپنی کنجوسی کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا وقت ضائع کرنے سے باز آ گئے کیونکہ وہ بات چیت کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کے پابند ہو گئے۔ چونکہ وہ خرچ کرنے سے گریز کرتے تھے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام سے سرگوشی کرنے سے بھی باز آ گئے۔ اب صرف وہی لوگ صدقہ دے کر حضور سے سرگوشی کرنے لگے جنہیں واقعی کسی اہم معاملہ کے متعلق گفتگو کرنا ہوتی۔ مدینے کے سب لوگ ایک دوسرے کو جانتے تھے اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ کون آدمی صاحب مال ہے اور صدقہ ادا کر سکتا ہے۔ اگر ایسا کوئی آدمی بغیر صدقہ کے سرگوشی کرنے کی کوشش کرتا تو لوگوں کی نظروں میں آ جاتا اور اس طرح اسے خفت اٹھانا پڑتی۔

اس حکم کی منسوخی

آیت زیر درس کے ذریعے اللہ نے سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے کو واجب قرار دیا تھا، البتہ نادار لوگ اس سے مستثنیٰ تھے۔ اس ضمن میں حضرت علیؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس صدقہ کی مقدار کیا ہونی چاہیے، اور کیا ایک دینار کافی ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ تو بہت زیادہ ہے کم کرو۔ حضرت علیؓ نے نصف دینار تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی زیادہ ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے ایک حبہ کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا کہ تم اس کی مقدار بہت قلیل رکھنا چاہتے ہو۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اس آیت پر خود عمل کیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ ادا کیا۔ لیکن بعد میں صدقہ کا یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ کیا تم اس بات سے ڈر گئے ہو کہ اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ ادا کرو؟ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا پھر اگر تم یہ کام نہیں کر سکے یعنی سرگوشی سے پہلے صدقہ نہیں دیا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ تو اللہ تعالیٰ

نے اپنے فضل و مہربانی سے تمہاری طرف رجوع کیا ہے۔ اب صدقہ کی ادائیگی کی شرط منسوخ کر دی گئی ہے۔ اب ایسا کرنا ضروری نہیں رہا۔ البتہ اگر تم از خود استحباب کے طور پر صدقہ دینا چاہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس میں تمہارے لیے بہتری اور پاکیزگی ہے۔ حدیث میں آتا ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ صدقہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دور کرتا ہے اور برائیوں کو مٹاتا ہے۔ اس سے بخل دور ہو کر انسانی ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر صدقہ دینا چاہو تو یہ اچھی بات ہے ورنہ ضروری نہیں رہا۔

نماز اور زکوٰۃ

پھر فرمایا فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ہر حالت میں نماز کو قائم رکھو وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ مال جب نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ ادا کرو۔ نماز کے ذریعے انسان کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہوتے ہیں جب کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے ذریعے مخلوقِ خدا سے ہمدردی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور ان سے تعلقات استوار ہوتے ہیں دوسرے الفاظ میں نماز اللہ کا حق ہے تو زکوٰۃ بندوں کا حق ہے۔ اسی لیے قرآن میں نماز اور زکوٰۃ کا اکثر اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ نے نماز کو جسمانی عبادت بنایا ہے جب کہ زکوٰۃ کو مالی عبادت میں داخل کیا ہے۔ یہ دونوں اعمال جماعت المسلمین کی علامت ہیں۔ انہی دو چیزوں کی وجہ انسان جماعت کے رکن کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص میں یہ علامات نہ پائی جائیں تو اس کے ایمان کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

پھر فرمایا وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو وہ جس کام کا حکم دیں اسے کر گزرو، اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ گویا اللہ نے یہاں پر چار باتوں کا حکم دیا ہے یعنی نماز، زکوٰۃ، اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت۔ انہی چیزوں پر انسان کی کامیابی کا دارومدار ہے لہٰذا ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ وہ تمہاری نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے۔ تمہاری ہر حرکت اور سکون اللہ کی نگاہ میں ہے، لہٰذا اس کے احکام کی کبھی خلاف ورزی

نہ کرو۔ وہ تمھارے تمام اچھے اور بُرے اعمال کو جزائے عمل کے، وقت ظاہر کر دے گا اور پھر انہی کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔

درس پنجم ۵ آیت ۱۴ تا ۲۱

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

ترجمہ :۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف

جنہوں نے دوستی کی ہے اُس قوم سے جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے ۔ یہ لوگ نہیں ہیں تم میں سے ، اور نہ اُن میں سے ۔ اور یہ جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں (۱۴) تیار کیا ہے اللہ نے اُن کے لیے سخت عذاب ۔ بیشک بُری ہے وہ بات جو یہ کرتے ہیں (۱۵) بنا لیا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال ۔ پس روکا ہے انہوں نے اللہ کے راستے سے ، پس اِن لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے (۱۶) ہرگز نہیں کام آئیں گے اُن سے اُن کے مال اور نہ اُن کی اولادیں اللہ کے سامنے کچھ بھی ۔ یہی لوگ ہیں دوزخ والے ، وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (۱۷) جس دن اللہ اٹھائے گا اِن سب کو ، پس یہ قسمیں اٹھائیں گے اُس کے سامنے جیساکہ یہ قسمیں اٹھاتے ہیں تمہارے سامنے ۔ اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کسی راہ پر ہیں آگاہ رہو ، بیشک یہی لوگ جھوٹے ہیں (۱۸) غالب آگیا ہے اِن پر شیطان ۔ پس اِن کو فراموش کرادیا ہے اللہ کا ذکر ، اور یہ ہے شیطان کا گروہ آگاہ رہو کہ بیشک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے (۱۹) بیشک وہ لوگ جنہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی ، یہ لوگ ذلیلوں میں ہوں گے (۲۰) اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول بھی ۔ بیشک اللہ تعالےٰ

قوت والا اور زبردست ہے (۲۱)

یہودی اور عملی و اعتقادی منافق

گذشتہ درس میں آدابِ مجلس کے سلسلے میں یہودیوں اور منافقین کی ایذا رسانی کا ذکر ہوا تھا۔ اب، اللہ نے اُن کی بعض بُری خصلتوں کا ذکر کر کے اُن کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ مدنی زندگی میں آ کر اہلِ ایمان کو منافقین کے ساتھ واسطہ پڑا۔ یہ اعتقادی منافق تھے جو کہ کافروں کی بدترین قسم ہے اللہ نے اُن کے متعلق سورۃ النساء میں فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔ (آیت ۔ ۱۴۵) بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے اور خطرناک گڑھے میں ہوں گے۔ یہ لوگ بظاہر اسلام کا کلمہ بھی پڑھتے تھے اور ظاہری طور پر تعمیلِ احکام بھی کرتے تھے مگر اُن کے دل پہلے کی طرح کفر سے لبریز تھے۔ اِن بدبختوں کی پہچان مشکل تھی لہذا اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اِن کے نفاق کا پردہ چاک کر دیتے تھے بعض اوقات ان کی حرکات سے بھی کسی حد تک اِن کی خباثت کا پتہ چل جاتا تھا کہ یہ دشمنانِ اسلام ہیں۔ یہ لوگ مخلص مسلمانوں اور دینِ اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اِن کا سرغنہ عبداللہ بن ابی تھا۔ جب کہ اُس کا بیٹا مخلص مسلمان تھا۔ یہ لوگ مدینہ اور گرد و نواح کی بستیوں میں آباد تھے۔ یہودی کم و بیش ایک ہزار سال سے مدینہ کے اطراف میں رہائش پذیر تھے، عربی زبان بولتے تھے مگر اپنی مذہبی رسومات باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ تورات کے عالم تھے عام پڑھنا لکھنا بھی جانتے تھے اس لیے صاحبِ علم کہلاتے تھے۔

اِس کے برخلاف عربوں کی ۹۸ فیصد آبادی اَن پڑھ تھی جو کہ اُمی کہلاتے تھے اور تمام باتیں زبانی یاد رکھتے تھے۔ اس میں بھی اللہ کی حکمت تھی۔ اس نے اپنا آخری نبی اپنی امیوں میں مبعوث فرمایا جس نے علم و عرفان کے وہ خزانے بکھیرے جس نے ساری متمدن اور تعلیم یافتہ قوموں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ بہر حال اللہ نے قرآن پاک میں منافقوں سے بچنے کی بار بار تلقین کی ہے۔ کافروں کی دشمنی تو کھلے عام تھی اور اُن سے دفاع بھی کیا جا سکتا تھا مگر منافق لوگ مارِ آستین ثابت

ہوئے تھے جو اپنی سازشوں اور غلط پراپگینڈے کے زور پر مسلمانوں میں بد دلی پیدا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں ان کا پردہ چاک کر کے ان کی بڑی رسوائی کی ہے ان کا ذکر سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ مائدہ میں بھی آیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مستقل سورۃ انہی کے نام پر سورۃ المنٰفقون بھی قرآن میں موجود ہے۔ غرضیکہ مدنی سورتوں میں منافقوں کا بکثرت ذکر آیا ہے۔

یہ تو اعتقادی منافقوں کا ذکر تھا۔ حضور علیہ السلام نے عملی منافقوں کی کچھ نشانیاں بھی بتائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ: جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے۔ اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے اور جب کسی سے جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ پہ اتر آتا ہے۔ جس فرد یا قوم کے قول اور فعل میں تضاد ہو وہ بھی عملی منافق ہے، اور ایسے منافقوں سے ساری دنیا بھری پڑی ہے، یہ لوگ اللہ کی وحدانیت، رسالت، قرآن اور معاد پر یقین تو رکھتے ہیں مگر عمل درست نہیں ہیں۔ یہی عملی منافق ہیں جن کو اخلاقی منافق بھی کہا جاتا ہے۔

یہود منافقین کی اسلام دشمنی

یہاں پر اللہ نے اعتقادی منافقوں کے متعلق فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جنہوں نے ان لوگوں سے دوستانہ کر رکھا ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ مغضوب علیہ قوم سے مراد یہودی ہیں جن کے ساتھ منافقوں کا دوستانہ تھا۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی بار بار نافرمانیوں کی بنا پر اللہ نے فرمایا وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرہ - ۶۱) کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے غضب لے کر لوٹے۔ ان کے ہاں نبی بھی آتے رہے جو ان کو راہِ راست پر لانے کی پوری پوری کوشش کرتے رہے۔ مگر یہ بدبخت اس قدر بگڑ چکے تھے کہ ان کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی اس قوم کے چار ہزار سے زائد انبیاء میں سے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام ہیں مگر آپ کے بدترین

دشمن یہی یہودی تھے۔ انہوں نے مشرک رومیوں کی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ چلا کر آپ کو سزائے موت دلوانے کی سعی نامشکور کی تھی۔ کہتے تھے کہ اس شخص نے ہمارا دین بگاڑ دیا ہے۔ یہی لوگ حضور علیہ السلام کی مخالفت میں بھی پیش پیش تھے۔ مشرک تو سرزمین عرب سے ختم ہو گئے مگر ان کی عداوت ختم نہ ہوئی جو آج تک قائم چلی آرہی ہے۔ دنیا بھر کی خبر رساں ایجنسیوں پر یہودیوں کا قبضہ ہے یہ لوگ اپنے مقصد کی خبریں شائع کرتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ مغضوب اور ملعون لوگ ہیں۔ ان کے بڑے خاندان بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے جن میں سے اول الذکر دو تو جلاوطن کر دیے گئے۔ بنو قریظہ نے غزوہ خندق کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف سازش کی تو ان کے سارے مرد قتل کر دیے گئے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا گیا۔ خیبر کے یہودی بھی مغلوب ہو گئے، انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا، مگر حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ لوگ پھر بھی ناقابلِ اعتبار تھے لہذا حضرت عمرؓ کے زمانے میں انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ بہرحال یہ مغضوب علیہ قوم ہے۔

منافقوں کی جھوٹی قسمیں

فرمایا کیا آپ نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جنہوں نے مغضوب علیہ قوم سے دوستانہ کیا۔ یہ منافق لوگ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ نہ تو تم میں سے ہیں اور نہ اُن میں سے۔ مطلب یہ کہ نہ تو یہ پکے یہودی ہیں اگرچہ ان کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور نہ یہ مسلمان ہیں حالانکہ بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں۔ فرمایا یہ بھی سازش کی کامیابی کے لیے وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں مسلمانوں کو جھوٹی قسموں کے ذریعے یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں وَهُمْ يَعْلَمُونَ حالانکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ منافق جھوٹی قسمیں کھانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ مسند احمد، مستدرک حاکم کی روایت میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کسی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے وحی الٰہی کے خبر دینے پر حاضرین مجلس کو بتایا کہ ابھی تمہارے پاس نیلگوں آنکھوں والا شخص آئے گا جو شیطان

کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، لہذا تم اُس سے کوئی بات نہ کرنا۔ تھوڑی دیر بعد وہ شخص آگیا۔ حضور علیہ السلام نے اس شخص سے فرمایا کہ تم اور تمھارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو۔ وہ شخص قسمیں اٹھانے لگا۔ کہ اُس نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ پھر وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی بلا لایا۔ اور انہوں نے بھی جھوٹی قسمیں اٹھائیں کہ ہم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ حالانکہ وہ حقیقت کو جانتے ہیں۔

سورۃ المنٰفقون میں اللہ نے فرمایا کہ اِن کی قسمیں جھوٹی اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔ یہ لوگ زبان سے تو کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر دل سے آپ کو سچا رسول نہیں مانتے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے کیونکہ اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ان کی کارگزاری بہت ہی بری ہے۔ اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً انہوں نے اپنی قسموں کو اپنے دفاع کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔ قسمیں اٹھا کر مسلمانوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا چاہتے ہیں فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ پس انہوں نے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کی سازشوں، جھوٹ اور فریب کاری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح مسلمان دینِ اسلام سے بدظن ہو جائیں۔ ایسے لوگوں کے انجام کے متعلق فرمایا فَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ کہ ان کے لیے ذلت ناک عذاب ہے۔ اُن کی رسوائی کے متعلق سورۃ توبہ میں بھی ہے اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ (آیت ۱۲۶) کہ اُن کو ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمایا جاتا ہے، ان کی منافقت ظاہر ہوتی ہے مگر یہ پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ شرم سے عاری یہ لوگ اپنی سازشوں کا جال پھر بھی پھیلاتے رہتے ہیں۔

فرمایا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ

شَيْئًا اُن کے مال اور اُن کی اولادیں اللہ تعالیٰ کے روبرو کچھ بھی کام نہیں آئیں گے۔ مال و دولت، خویش، قبیلہ، برادری، بیٹے، بھائی وغیرہ تو اس دنیا میں کسی حد تک کام آجاتے ہیں جب کہ اللہ کی مشیت ہو مگر آخرت میں تو ان میں سے کوئی بھی چیز مفید نہیں ہوگی۔ جو لوگ اس دُنیا میں منافقت پر کاربند ہے وہ اللہ کے ہاں کبھی سرخرو نہیں ہو سکتے بلکہ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ یہ تو دوزخ کی آگ میں جانے والے ہیں هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی بھی وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے۔ فرمایا ان کی جھوٹی قسمیں اس دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ اِن کی بدبختی کی انتہا یہ ہے کہ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا جس دن اللہ اِن سب کو دوبارہ اٹھائیگا۔ حساب کتاب کے لیے اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ تو وہاں بھی جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے جس طرح آج تمھارے سامنے اٹھاتے ہیں۔ اِن کی فطرت ہی بگڑی ہوئی ہے وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی راہ پر ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اصل راستے سے بھٹک چکے ہیں۔ اور کبھی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ تو علاّم الغیوب ہے۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے، ہر شخص کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے۔ مگر منافق اس کے ہاں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے۔ اللہ نے فرمایا اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۔ آگاہ رہو کہ یہ لوگ سراپا جھوٹے ہیں۔

شیطان کا غلبہ

اللہ نے یہ بھی فرمایا اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ اِن پر شیطان نے قابو پالیا ہے فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ پس انہیں اللہ کی یاد فراموش کرا دی ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے بالکل منہ موڑ چکے ہیں۔ سورۃ النساء میں ہے وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (آیت ۱۴۲) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ جو بھی کام کرتے ہیں، اپنے بچاؤ کے لیے، نماز پڑھتے ہیں تو مسلمانوں کو دکھانے کے لیے ورنہ اللہ کو یاد کرنا اِن کا مقصود نہیں ہوتا۔ غرضیکہ

فرمایا کہ شیطان نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے جس نے اُن سے اللہ کے ذکر کو فراموش کرا دیا ہے ، گویا کہ صحیح معنوں میں یہ خدا تعالیٰ کو یاد ہی نہیں کرتے ۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَا مِنْ ثَلٰثَةٍ فِیْ قَرْیَةٍ وَّلَا بَدْوٍ کسی بستی یا دیہات میں اگر تین مسلمان آدمی بھی موجود ہوں تو وہ نماز باجماعت نہ ادا کریں اِلَّا اسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ تو شیطان اُن پر قابو پا لیتا ہے ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جماعت کو اپنے اُوپر لازم پکڑو کیونکہ اِنَّمَا یَاْکُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِیَةَ بھیڑیا اُس بھیڑ کو کھا جاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو جائے ۔ چنانچہ جو بھی شخص جماعت سے الگ ہو گا ۔ اس پر شیطان قابو پائے گا ۔ جماعت بڑی بابرکت چیز ہے ۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ شیطان انفرادی طور پر بھی غلبہ پا لیتا ہے اور اجتماعی طور پر بھی رُبَّ اِقْلِیْمٍ غَلَبَتْ عَلَیْهِ طَاعَةُ الشَّیْطٰنِ بہت سے ممالک ایسے ہوتے ہیں جن پر بحیثیت مجموعی شیطان کی اطاعت غالب ہوتی ہے ۔ ایسے لوگ سزا کے مستحق ہوتے ہیں ، مگر اللہ تعالیٰ فوری گرفت نہیں کرتا ، بلکہ ایک مقررہ وقت تک مہلت دے دیتا ہے اور اس کے بعد پکڑ لیتا ہے ۔

انصاف سے دیکھا جائے تو آج اسلامی ممالک پر بھی شیطان غالب ہے ہر جگہ اسی کی اطاعت ہو رہی ہے کیونکہ دین اور شریعت کی کوئی پرواہ نہیں کرتا ۔ سب شیطان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اسی کے بتائے ہوئے کھیل تماشے موسیقی ، شور و شر ، عیاشی ، فحاشی وغیرہ میں ہی مگن ہیں ۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا یاد رکھو ! اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ یہی شیطانی گروہ ہے اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ خبردار ! شیطانی گروہ کے لوگ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں ۔ یہ دنیا میں تو جیسا کیسا وقت گزار لیں گے مگر آخرت میں خدا تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے ۔

اللہ اور رسول کے مخالفین

فرمایا یاد رکھو : اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ جن لوگوں نے

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ یہی لوگ ذلیل وخوار ہوں گے۔ اِن کو اللہ کے ہاں کبھی عزت نصیب نہیں ہوگی۔ اللہ نے فیصلہ فرما دیا ہے کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اس کے ہاں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ دنیا میں رسولوں کو آزمائش میں ضرور ڈالا جاتا ہے۔ اُن کو تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں اُن کے پیروکار بھی مصائب جھیلتے ہیں مگر اچھا انجام رسولوں اور اُن کے پیروکاروں کا ہی ہوتا ہے اور مخالفوں کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے۔ دنیا میں بڑی بڑی آزمائشیں آتی ہیں اور بسا اوقات جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ لیکن غلبہ، استحکام اور کامیابی اللہ کے رسولوں اور اُن کے پیروکاروں کے حصے میں ہی آئے گی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ وہ کمال قدرت کا مالک ہے۔ اُس کے سامنے کوئی حیلہ سازی نہیں چل سکتی اور نہ ہی اُس کی تدبیر میں کوئی مداخلت کر سکتا ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ مجرموں کو جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت کا مالک ہے اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٢٢﴾ ع ٣

ترجمہ :۔ نہیں پائیں گے آپ کسی قوم کو جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ دوستی کریں اس سے جس نے مخالفت کی ہے اللہ اور اس کے رسول کی اگرچہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے خاندان کے لوگ ہوں۔ یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ہے ان کے دلوں میں ایمان، اور تائید کی ہے ان کی اپنی طرف سے خاص روح کے ساتھ۔ اور وہ داخل کرے گا اُن کو باغوں میں جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں اللہ راضی ہوا اُن سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔

یہی لوگ ہیں اللہ کا گروہ ۔ آگاہ رہو کہ بیشک اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے (۲۲)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مغضوب علیہ قوم یعنی یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں مگر مسلمانوں کے سامنے اپنے خلوص کے اظہار کے لیے جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ اللہ نے ایسے لوگوں کو شیطان کے گروہ میں شمار کیا ہے اور یہ گروہ یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے پھر اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل لوگ ہیں مگر بالانتہا غلبہ اہلِ ایمان کو ہی حاصل ہوگا کیونکہ ساری عزت اور قوت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہ اپنے بندوں کی ضرور مدد کرے گا۔ اس کے بعد اللہ نے سچے اور مخلص مومنوں کے اوصاف اور اُن کا مرتبہ بھی بیان فرمایا کہ یہ لوگ حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ ہیں۔

اہلِ ایمان کی دوستی

آپ آج کے درس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اہلِ ایمان کی دوستی کن لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے اور کن کے ساتھ نہیں ہوتی۔ ارشاد ہوتا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ آپ ایسے لوگوں کو نہیں پائیں گے جو اللہ اور آخرت یعنی قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کہ وہ دوستی رکھتے ہوں اُن لوگوں سے جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسُول کی مخالفت کی ہے۔ دین کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھنا ایمان کے تقاضے کے خلاف بات ہے۔ اور یہ کسی صورت میں بھی روا نہیں وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اگرچہ مخالفین اسلام اہلِ ایمان کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا برادری اور خاندان کے لوگ ہوں۔ یہ مقام حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کو حاصل تھا اور وہ اِس آیت کے مکمل مصداق تھے ۔ مگر آج کے دور میں تو معاملہ بالکل ہی الٹ ہو چکا ہے، آج اپنوں سے دشمنی اور غیروں سے دوستی ہے۔ مگر جو صحیح ایمان

والا آدمی ہے وہ کبھی اغیار سے دوستی نہیں کر سکتا کیونکہ اُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے یعنی پختہ کر دیا ہے اور وہ اپنے قریب ترین عزیزوں کو بھی اسلام اور ایمان کے مقابلے میں ترجیح نہیں دیتے اور نہ ہی اُن کے ساتھ کوئی رُو رعایت کر سکتے ہیں اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال ہمارے سامنے ہے آپ کا سگا باپ ہے مگر فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ (التوبۃ ۱۱۴) جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ دشمنِ خدا ہے تو انہوں نے اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا اُن کی اسی ایمان کی پختگی کی بدولت اللہ نے آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو اس امت کے لیے نمونہ قرار دیا ہے جیسے فرمایا قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ (الممتحنہ ۔ ۴) انہوں نے مخالفین سے صاف کہہ دیا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی دوستانہ تعلقات قائم نہیں ہو سکتے جب تک کہ درمیان میں کفر و شرک کی دیوار کھڑی ہے غرضیکہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا ہے ۔

روح القدس سے تائید

فرمایا جو ایماندار اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین سے دوستی نہیں رکھتے وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ اللہ نے اُن کی اپنی طرف سے خاص روح کے ساتھ تائید فرمائی ہے ۔ رُوح سے مراد نورِ ایمان بھی ہو سکتا ہے اور نورِ معرفت بھی اس سے نورِ قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ نے اِن چیزوں سے اپنے ایماندار بندوں کی تائید فرمائی ہے ۔ اس کے علاوہ روح سے مراد روح القدس یعنی جبرائیل علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ اللہ نے عیسٰی علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ ہم نے آپ کو واضح نشانیاں دیں وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ (البقرہ ۔ ۲۵۳) اور آپ کی روح القدس سے تائید فرمائی ۔ حضور علیہ السلام نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا تھا کہ تم اپنے اشعار کے ذریعے مشرکوں اور کافروں کو جواب دو ، روح القدس

کی تائید تمہارے ساتھ ہوگی۔ غرضیکہ اللہ نے ایسے لوگوں کے دلوں میں خاص قسم کی معنوی حیات رکھ دی ہے یا وہ ایسے لوگوں کی روح القدس سے تائید فرماتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا عمل

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ سچے ایمان والے اللہ اور اُس کے رسول کے مخالفوں سے کبھی دوستی نہیں رکھتے اگرچہ وہ اُن کے باپ ہی کیوں نہ ہوں حضور علیہ السلام کے صحابہؓ اس کے عملی تصویر تھے۔ وہ ایمان کے مقابلے میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ تمہارے دوست اللہ، اُس کا رسول اور سچے ایماندار ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ لین دین، تجارت اور دیگر معاملات تو ہو سکتے ہیں مگر دوستی نہیں ہو سکتی۔ دوستی میں گہرا تعلق اور رازداری ہوتی ہے۔ انسان کو دوسرے کے ساتھ دلی محبت ہوتی ہے، لہذا یہ نہیں ہو سکتی۔ اس ضمن میں صحابہ کرامؓ کا عمل ہمارے سامنے موجود ہے۔ جو تاریخ، تفسیر اور حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد ابو قحافہؓ اگرچہ شر پسند نہیں تھے مگر مشرک تھے۔ وہ بڑی دیر کے بعد فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ابو قحافہ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے حضور علیہ السلام کو گالی دی تو آپ نے اپنے باپ کو اس قدر زور کا تھپڑ مارا کہ وہ بیہوش ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ پھر آپ نے حضور علیہ السلام کے سامنے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ حضور! میں آپ کی شان میں گستاخی برداشت نہ کر سکا، لہذا اپنے باپ کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا بیٹا عبداللہؓ مخلص مسلمان تھا۔ حضور علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ کسی دوسرے شخص نے حضور علیہ السلام کو پانی پلایا تو آپ نے برتن کا سارا پانی نوش فرما لیا۔ عبداللہؓ نے عرض کیا حضور! اگر تھوڑا سا پانی بچ جاتا تو یہ پس خوردہ میں اپنے باپ کو پلاتا۔ شاید اللہ تعالیٰ اس پانی کی برکت سے اُس کو ہدایت دے دے۔ حضور علیہ السلام نے دوبارہ پانی پیا تو اس کا کچھ حصہ عبداللہؓ کو دے دیا، تاکہ اپنے باپ کو پلا سکے۔ عبداللہؓ نے وہ پانی اپنے باپ

رئیس المنافقین کو پیش کیا تو وہ کہنے لگا کہ اگر تو اس پانی کی بجائے اپنی ماں کا پیشاب لے آتا تو وہ بہتر تھا (نعوذ باللہ من ذالک) عبداللہؓ کو بڑا غصہ آیا۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور! اجازت دیں تو میں اپنے باپ کا سر قلم کر دوں مگر آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا کہ اس طرح تو اہلِ ایمان کی بدنامی ہوگی کہ وہ اپنے باپ کا سر کاٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور یہ چیز اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ یہ دونوں باپ بیٹا کسی سفر سے واپس آ رہے تھے۔ مدینے کے قریب پہنچے تو باپ نے کہا کہ ہم واپس پہنچ کر ان ذلیل مسلمانوں کو شہر سے نکال باہر کریں گے تب ہمارا دل مطمئن ہوگا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کیا تم سب کو ذلیل کہہ رہے ہو، ان میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ پھر آپ نے تلوار سونت لی اور باپ سے کہا کہ میں تمھیں شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تم اپنے الفاظ واپس نہیں لیتے اور اہل ایمان کے عزت والے ہونے کا اقرار نہیں کرتے، چنانچہ عبداللہ بن ابی نے اقرار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو باعزت ہیں اور ہم ہی ذلیل ہیں۔ اس کے بعد بیٹے نے باپ کو شہر میں داخلے کی اجازت دی۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ آپ کے والد کافر تھے اور غزوہ احد میں انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے باپ کو قتل کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے نے اسلام لانے کے بعد خود بیان کیا کہ ابا جان! جنگ کے دوران کئی دفعہ آپ میری تلوار کی زد میں آئے مگر باپ ہونے کے ناطے میں نے آپ پر وار نہ کیا۔ اس کے جواب میں حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو کبھی نہ چھوڑتا۔ اس قسم کے اور بھی کئی واقعات ہیں۔ مثلاً حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے حقیقی بھائی عبید بن عمیر کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ حضرت عمر ابن الخطابؓ نے اپنے حقیقی ماموں عاص ابن ہشام کو قتل کیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ ابن الحارثؓ نے اپنے قریبی

رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید وغیرہ کو بدر کی لڑائی میں قتل کیا۔

مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا اپنی بیویوں سے ایلا کرنے کا واقعہ مذکور ہے، جب بیویوں نے زیادہ خرچے کا مطالبہ کیا تو آپ ناراض ہو گئے اور قسم اٹھائی کہ ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے قریب نہیں جاؤں گا۔ آپ نے ایک چوبارے میں علیحدگی اختیار کر لی جس سے مسلمانوں کو سخت پریشانی لاحق ہو گئی۔ حضرت عمرؓ سے آپ کی جدائی برداشت نہ ہو سکی اس لیے درِ دولت پر حاضر ہو کر ملاقات کی اجازت چاہی مگر حضور علیہ السلام نے اجازت نہ دی۔ آپ نے دوسری دفعہ کوشش کی مگر پھر بھی اجازت نہ ملی۔ تیسری دفعہ آپ نے بلند آواز سے حضور علیہ السلام کو سنا کر کے عرض کیا کہ حضور! میں اپنی بیٹی حفصہؓ کی سفارش کے لیے تو حاضر نہیں ہوا جو آپ مجھے شرفِ ملاقات سے محروم کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر آپ حکم دیں تو میں لَاَضْرِبَنَّ عُنُقَهَا اُس کی گردن اتار کر آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ بغرضیکہ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کا ایمان اس قدر پختہ تھا کہ اللہ نے اُن کی تعریف فرمائی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود جو لوگ ان کے ایمان میں شک کرتے ہیں اور اُن کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں وہ یقیناً منافق، زندیق اور کافر ہیں۔ یہ تو صحابہؓ کی شان ہے، عام ایمان والوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ نافرمانوں، فاسقوں اور بدعتیوں کے ساتھ دوستی نہیں رکھتے کیونکہ اس سے ایمان میں زوال آنے کا خطرہ ہے۔

بدعتی سے تعلقات

صاحب روح المعانی نے پہلے زمانے کے اولیاء اللہ میں سے حضرت سہل بن عبداللہ قشتریؒ کا قول نقل کیا ہے مَنْ صَحَّحَ اِیْمَانَهٗ وَاَخْلَصَ تَوْحِیْدَهٗ لَا یَاْنَسُ اِلٰی مُبْتَدِعٍ وَّلَا یُجَالِسُهٗ جس شخص نے اپنا ایمان صحیح کر لیا اور اپنی توحید کو خالص بنا لیا۔ وہ کسی بدعتی آدمی کے ساتھ مانوس نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اُس کی ہم نشینی اختیار کر سکتا ہے وَلَا یُوَاکِلُهٗ وَلَا یُشَارِبُهٗ وَلَا یُصَاحِبُهٗ نہ وہ اس کے ساتھ کھا پی سکتا ہے اور نہ اس کی رفاقت اختیار کر سکتا ہے۔ اُس کے دل میں تو بدعتی کے خلاف نفرت ہی ہو گی۔ اور جس شخص نے مداہنت اختیار کی یعنی بدعتی کے ساتھ ڈھیلا

پڑ گیا تو اللہ تعالیٰ اُس سے یقین کی حلاوت کو چھین لے گا۔ اور جو شخص کسی بدعتی سے دنیا کی عزت یا سامان کے حصول کے لیے دوستی کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دے گا۔ فرمایا جو شخص کسی بدعتی سے خوش طبعی کرے گا اس کے دل سے خدا تعالیٰ نورِ ایمان چھین لے گا۔ فرماتے ہیں جس کو اس بات کا یقین نہ ہو۔ وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔

اب اس دور میں دیکھ لیں کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ ایمان اور سچے عقیدے والے لوگ موجود نہیں۔ دنیا ملی منافقوں سے بھری ہوئی ہے۔ قول و فعل میں تضاد ہے اور انہیں ایمان کی حفاظت کی کچھ فکر نہیں۔ وہ تو اپنی رسوم پوری کرنا چاہتے ہیں انہیں اغیار کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں کوئی باک نہیں۔ ان کے ساتھ رشتے ناطے ہو رہے ہیں۔ دوستی پالی جا رہی ہے اور بدعات اور رسومات باطلہ انجام دی جا رہی ہیں۔ یہ سب زوال کی نشانیاں ہیں۔ اُدھر اللہ نے اہلِ ایمان کا یہ حال بیان کیا ہے کہ وہ کسی دشمنِ خدا سے دوستی نہیں کرتے۔ اللہ نے اُن کے دلوں میں ایمان کو مستحکم کر دیا ہے اور اُن کو روح القدس کے ساتھ تائید بخشی ہے۔

حزب اللہ کی کامیابی

اللہ نے اہلِ ایمان کے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کہ وہ انہیں ایسے بہشتوں میں داخل کرے گا۔ جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا وَرَضُوْا عَنْهُ اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے کیونکہ اللہ نے انہیں دنیا میں اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق بخشی اور پھر آخرت میں اُس کی جزا بھی عطا فرمائی۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ یہ اللہ کا گروہ ہے اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ آگاہ رہو کہ اللہ کا گروہ ہی کامیابی سے ہمکنار ہونے والا ہے ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی کے دوران کبھی انہیں آزمائش بھی آئی ہو۔ اور کبھی ان پر کمزوری بھی آئی ہو مگر وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ اچھا انجام ہمیشہ متقیوں کا ہی ہوتا ہے لہٰذا آخرت میں یہی گروہ کامیاب ہوگا۔

سورۃ

الحشر

(مکمّل)
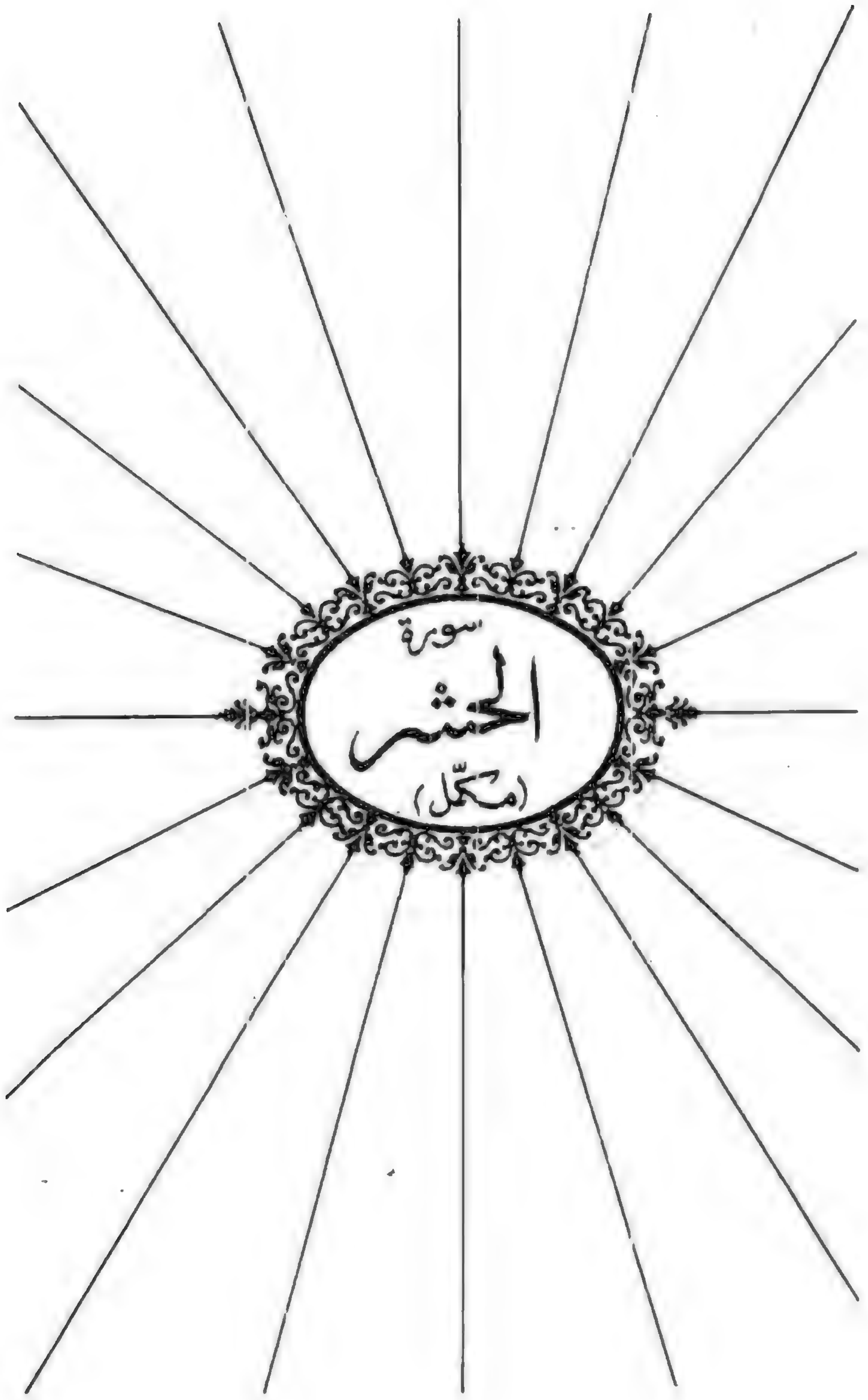
سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّ ثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حشر مدنی ہے۔ اس کی چوبیس آیات ہیں اور اس کے تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④

ترجمہ:۔ پاکی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں ، اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے (۱) وہ وہی ذات ہے جس نے نکالا اُن لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا تھا ، اہلِ کتاب میں سے اُن کے گھروں سے لشکر کے پہلے اجتماع پر ۔ تم نہیں گمان کرتے تھے کہ وہ نکلیں گے اور وہ بھی خیال کرتے تھے کہ اُن کی حفاظت کریں گے اُن کے قلعے اللہ سے ۔ پس آیا اُن کے پاس خدا کا عذاب اس طرح کہ اُن کو خیال بھی نہ تھا ۔ اور ڈالا اُن کے دلوں میں اللہ نے رعب ۔ وہ اجاڑتے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہلِ ایمان کے ہاتھوں سے ۔ پس عبرت پکڑو اے آنکھیں رکھنے والو (۲) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے اُن پر جلا وطن ہونا لکھ دیا تھا تو البتہ ضرور اس کو سزا دیتا دنیا میں ، اور اُن کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے (۳) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی ۔ اور جو کوئی بھی مخالف ہو گا ، اللہ کا پس ، بیشک اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دینے والا ہے (۴)

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الحشر ہے جو کہ اس کی دوسری آیت میں آمدہ لفظ الحشر سے ماخوذ ہے ۔ حشر کا معنیٰ اکٹھا ہونا ہے ۔ مدینہ کے یہودیوں بنی نضیر نے جب معاہدہ مدینہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے خلاف غداری کی تو اُن کو مدینہ سے نکال دیا گیا ۔ اس کام کے لیے اہلِ ایمان کا جو لشکر اکٹھا ہوا تھا اس کو اوّل الحشر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی یہ اسلامی لشکر کا پہلا اجتماع تھا ۔ بعض دوسرے

موقع پر بھی یہودیوں کی جلاوطنی کے لیے لشکرِ اسلام جمع ہوتا رہا۔ چنانچہ بعض مفسرین کے نزدیک خیبر کے یہودیوں کی جلاوطنی کے لیے جو لشکر جمع ہوا تھا اس کو حشرِ ثانی کہا جاتا ہے۔ اور پھر آخری حشر قیامت والے دن ہو گا جب سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ سورۃ کے آخری حصے میں اس حشر کا ذکر بھی آ رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس سورۃ کا ایک نام سورۃ بنی نضیر بھی بتاتے ہیں۔ کیونکہ اس سورۃ میں اسی قبیلے کی جلاوطنی کا تذکرہ ہے۔ بہرحال یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔ جب کہ جنگ احد واقع ہو چکی تھی۔ اس سورۃ مبارکہ کی چوبیس آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۴۵۷ الفاظ اور ۱۷۱۲ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

گذشتہ سورۃ مجادلہ کے آخر میں اللہ نے فرمایا کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (آیت۔ ۲۱) اللہ نے لکھ دیا ہے کہ مجھے اور میرے رسولوں کو ضرور غلبہ حاصل ہو گا۔ اب اس سورۃ کے آغاز میں اللہ نے ایسے ہی ایک غلبے کا نمونہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ ہٰذا میں منافقین کی ریشہ دوانیوں کا ذکر ہے۔ یہودیوں کی دنیوی اور اخروی سزا کا ذکر اللہ نے فرمایا ہے۔ مالِ فے کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ مہاجرین اور انصارِ مدینہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور پھر آخر میں توحیدِ خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ کی تسبیح

سورۃ کا آغاز خدا تعالیٰ کی تسبیح اور تنزیہہ سے ہوتا ہے سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے جو بھی ہے آسمانوں میں اور زمین میں ارض و سما کی ہر چیز خواہ وہ جاندار ہے یا بے جان سب اللہ کی تنزیہہ بیان کرتی ہیں۔ ملائکہ، جن اور انسان تو اپنے پروردگار کی اپنی زبان کے ساتھ تسبیح و تنزیہہ بیان کرتے ہیں جب کہ غیر ناطق چیزیں چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، مچھلیاں اور دیگر ساری مخلوق بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بے جان چیزوں میں شمس و قمر اور شجر و حجر غرضیکہ ساری مخلوق اس کی وحدانیت کا اقرار کرتی ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ

لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل۔۴۴) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے کہ وہ کس زبان میں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں۔

خدا تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہہ کا یہ مطلب ہے کہ وہ قادرِ مطلق اور معبود برحق ہے خالق اور مالک ہے، نافع اور غفار ہے، وہ ہر چیز پر نگران ہے اور محافظ ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے، ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے، وہ تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ تمام صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں، نہ وہ کھاتا پیتا ہے اور نہ اُس پر ضعف اور بڑھاپا طاری ہوتا ہے۔ اس کو خاندان اور نسل کی ضرورت نہیں، نہ ہی اُسے کسی خدمت کی ضرورت ہے، اور وہ ہر طریقے سے بے عیب ہے۔ غرضیکہ فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور وہ زبردست، کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔

معاہدہ مدینہ

حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ میں مدینہ کے اطراف میں بہت سے یہودی قبائل آباد تھے۔ یہ دراصل اوس اور خزرج کے بڑے بڑے قبائل کے لوگ تھے جو تقریباً ایک ہزار سال پہلے یمن کی طرف سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔ یہ قحطانی نسل کے لوگ تھے۔ ان قبائل میں سے بعض لوگ حج کے موقع پر مکہ معظمہ جاکر حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان قبول کر چکے تھے اور انہی کی وجہ سے مدینہ میں اسلام کا تعارف ہوا۔ پھر آپ کی ہجرت سے ایک سال قبل انہوں نے حضور علیہ السلام کو دعوت دی کہ وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ آجائیں کیونکہ یہاں پر اسلام کی آبیاری کی کافی گنجائش موجود تھی۔

ان قبائل کے علاوہ بعض قبائل شام و فلسطین سے ترک وطن کر کے مدینہ کے اطراف میں آباد ہو چکے تھے۔ شام و فلسطین کو بخت نصر نے برباد کیا۔ اس سے پہلے رومیوں نے ان کو مغلوب کیا۔ چنانچہ بعض اسرائیلی قبائل شام و فلسطین کو چھوڑ کر یہاں مدینہ آچکے تھے جن میں بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع مشہور قبائل تھے۔ ان کے علاوہ خیبر میں بھی کچھ یہودی آباد تھے۔ یہ سارے لوگ اچھے

خاصے آسودہ حال تھے۔ یہاں اِن کی بستیاں، گڑھیاں اور قلعے تھے، کھیتی باڑی اور تجارت دونوں کاموں کے ماہر تھے۔ ان کی ملکیت میں کھجوروں کے باغات تھے اور اس کے علاوہ بھی زرعی زمینیں تھیں۔ اِن کی اصل زبان تو عبرانی یا سریانی تھی مگر یہاں آکر انہوں نے عربی زبان اپنالی تھی، تاہم مذہب کے لحاظ سے یہ یہودی تھے اور اپنی تمام مذہبی رسومات ادا کرتے تھے۔

حضور علیہ السلام مدینہ تشریف لائے تو آپ نے اُن سب کے سرکردہ لوگوں کو اکٹھا کیا اور ایک معاہدہ کرنے کی پیشکش کی جس کا مطلب یہ تھا کہ مدینے کے رہنے والے تمام لوگ خواہ اُن کا تعلق کسی مذہب سے ہو وہ سب ایک متحدہ محاذ کے رُکن سمجھے جائیں گے۔ ہر مذہب کے پیروکاروں کو اپنے اپنے مذہب پہ قائم رہنے اور اپنے طریقے سے عبادت کرنے اور رسومات ادا کرنے کی اجازت ہوگی ۔— اور کوئی ایک مذہب والا دوسرے مذہب والے کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرے گا۔ البتہ سیاسی لحاظ سے سب لوگ ایک جماعت سمجھے جائیں گے اور اگر کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ آور ہوگی تو یہ سب یکمشت ہو کر اُس کا مقابلہ کریں گے۔ معاہدہ کی ایک شق یہ بھی تھی کہ اگر معاہدہ کے دستخط کنندگان میں سے کسی فریق پر کوئی باہر سے حملہ آور ہوتا ہے اور کوئی دوسرا فریق اگر بوجوہ اپنے حلیف کی مدد نہ بھی کرے تو کم از کم وہ بیرونی حملہ آور کی مدد بھی نہیں کرے گا۔

سیاسی لحاظ سے اِس معاہدہ کی سب کو ضرورت تھی کیونکہ ہر گروہ اور قبیلہ امن و امان اور اپنی حفاظت کی ضمانت چاہتا تھا جو اس معاہدہ کے ذریعے میسر آگئی تھی۔ کوئی شخص کسی بھی مذہب، نسل یا خطے سے تعلق رکھتا ہو وہ شر پسند لوگوں سے پناہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کمال اور خوبی کو اپنانا اور شر سے بچنا انسان کے فطری حقوق ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے مدینے کے تمام لوگوں کو اس معاہدہ پر جمع کر لیا اور سب نے دستخط کر دیے۔

بنی نضیر کی معاہدہ شکنی

جب بدر کی جنگ میں مسلمانوں کو نمایاں کامیابی ہوئی تو یہودی لوگ کہنے لگے کہ یہ تو وہی نبی آخر الزماں معلوم ہوتا ہے جس کی پیشین گوئی تورات میں موجود ہے۔ پھر ایک سال کے بعد جب احد میں مسلمانوں پر افتاد پڑی تو یہودی کہنے لگے کہ یہ تو وہ نبی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ لوگ آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کے مشن کو ناکام کرنے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کرنے لگے۔ بنی نضیر کا ایک سرکردہ آدمی کعب بن اشرف بڑا مالدار آدمی تھا، اس کی تجارت سارے عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ سود خور آدمی تھا، اس کا اپنا قلعہ، نوکر چاکر اور ساز و سامان تھا۔ یہ شخص اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا چنانچہ یہ شخص چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مکہ گیا۔ وہاں پر ابو سفیان سے ملا اور پیش کش کی کہ اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہوں تو اس کا قبیلہ ان کی مدد کرے گا۔ کعب بن اشرف شاعر بھی تھا۔ اور حضور علیہ السلام کے خلاف فحش گوئی بھی کرتا تھا جس کی وجہ سے آپ اس سے سخت ناراض تھے۔ حضور علیہ السلام نے اشارہ کیا تو اس بدبخت کے رضاعی بھائی اور حضور علیہ السلام کے صحابی محمد بن مسلمہؓ کو اللہ نے توفیق دی اور اس نے کعب بن اشرف کا کام تمام کر دیا۔ اسی دوران میں بئر معونہ والا واقعہ بھی پیش آیا جس میں کافروں نے مسلمانوں کے ستر قاری اور حافظ حضرات کو شہید کر دیا۔ اس واقعہ سے بھی مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچا۔

اسی دوران ایک صحابی عمرو ابن امیہ ضمریؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کسی سفر پہ تھے کہ انہوں نے دشمن کے آدمی سمجھ کر دو آدمیوں کو قتل کر دیا حالانکہ وہ معاہد تھے۔ چونکہ یہ قتل غلطی سے ہوا تھا۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے ان مقتولوں کا دو سو اونٹ ان کے وارثوں کو خونبہا دینے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے حضور علیہ السلام نے اہل مدینہ اور دیگر معاہدین سے مال جمع کرنا شروع کیا اور اس مقصد کے لیے آپ قبیلہ بنی نضیر کے ہاں بھی گئے۔ یہ لوگ مدینہ سے مشرقی جانب پانچ چھ کوس کے فاصلہ پہ آباد تھے۔ وہاں پہ ان کے باغات، مکانات، قلعے اور زمین تھی۔ ان لوگوں نے بظاہر خون بہا میں حصہ دینے کی حامی بھر لی۔ مگر در پردہ حضور علیہ السلام کے قتل

کی سازش بھی کی۔ چنانچہ وہ ایک مکان کی چھت پر چکی کا ایک بڑا پاٹ لے گئے۔ ارادہ یہ تھا کہ حضور علیہ السلام اس مکان کی دیوار کے سائے میں بیٹھے ہیں، وہاں یہ پتھر گرا کر آپ کا کام تمام کر دیا جائے گا۔ مگر اللہ نے اس سازش کی اطلاع حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی دے دی لہٰذا آپ اس دیوار کے سائے سے فوراً اٹھ بیٹھے۔

بنی نضیر پر چڑھائی

الغرض! بنی نضیر کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی، عہد شکنی اور پے در پے سازشوں نے اہل ایمان کو مجبور کر دیا کہ ان پر چڑھائی کر کے ان کو تہس نہس کر دیا جائے۔ ان کے خلاف بہت سے جرائم ثابت ہو چکے تھے حتیٰ کہ یہ لوگ غداری کے مرتکب بھی ہوئے جسے دنیا کا کوئی قانون کبھی معاف نہیں کرتا۔ ہم آج کی دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ روس میں بیریا نامی پولیس انسپکٹر کے خلاف جو پچیس برس تک حکومت کا ملازم رہا تھا مقدمہ چلا اور جرم ثابت ہونے پر اسے گولی سے اڑا دیا گیا۔ انگریزوں کے وزیر ہند مسٹر ایمری کا بیٹا جنگ کے دوران غداری کے الزام میں پکڑا گیا تو اسے سزائے موت سنائی گئی، مگر باپ نے اس کی معافی کی درخواست بھی نہ کی کیونکہ جرم ہی سخت نوعیت کا تھا۔ بہرحال مسلمانوں نے بنی نضیر پر اسی جرم کی پاداش میں چڑھائی کا فیصلہ کر لیا۔ مسلمانوں کا لشکر اچانک ان پر حملہ آور ہوا اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے گھبرا کر صلح کی درخواست کی۔ گفت و شنید کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اگر یہ لوگ مدینہ سے نکل جانے پر آمادہ ہو جائیں تو ان کی جانوں سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ یہودیوں کو یہ رعایت بھی دے دی گئی کہ وہ جاتے وقت جس قدر سامان اٹھا کر لے جا سکیں لے جائیں۔ بنی نضیر نے یہ شرائط قبول کر لیں اور اپنا ساز و سامان جس قدر اٹھا سکتے تھے لے کر چلے گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ اپنے مکانوں کی چھتیں اور دروازے بھی اکھاڑ کر لے گئے۔ البتہ ان کی زمینیں باغات وغیرہ رہ گئیں جن کو حضور علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس کا زیادہ تر حصہ مہاجرین میں تقسیم کر دیا کیونکہ انصار مدینہ پر مہاجرین کا کافی بوجھ تھا۔ اس تقسیم سے مہاجرین بہت حد تک اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور اس طرح انصار کا بوجھ بھی

قدرے ہلکا ہوگیا۔ حضور علیہ السلام نے اس میں سے اپنے گھر کے اخراجات کے لیے بھی حصہ مقرر فرمایا اور جو کچھ بچ گیا اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا۔ غرضیکہ بنی نضیر کی غداری کی وجہ سے ان کا یہ بھیانک انجام ہوا۔

بنی نضیر کی جلاوطنی

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ هُوَ الَّذِيٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے اہل کتاب میں سے کفر کرنے والوں کو نکالا ان کے گھروں سے لشکر کے پہلے اجتماع کے موقع پر اوّل الحشر کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو ترک وطن کے لیے اکٹھا کیا گیا اور وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہو گئے۔ ان میں سے اکثر شام و فلسطین کی طرف چلے گئے۔ تاہم دو خاندان حیی بن اخطب اور ابو الحقیق خیبر میں آباد ہو گئے، ایک اور خاندان عراق کی طرف چلا گیا۔ ان کے قلعے اور مکانات اس قدر مضبوط تھے کہ فرمایا مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا کہ تم نہیں خیال کرتے تھے کہ یہ لوگ آسانی سے نکل جائیں گے وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ اور وہ خود بھی یہی گمان کرتے تھے کہ ان کے قلعے اللہ سے ان کی حفاظت کریں گے۔ مگر اللہ نے ان کو ایسے طریقے سے سزا دی اور ان پر اس طرح عذاب آیا جو کہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا پھر ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایسا عذاب آیا جو ان کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ یہ سب ان کی سازشوں اور غداری کا نتیجہ تھا جو ان کو بھگتنا پڑا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان پر اہل ایمان کا اس قدر رعب پڑا کہ ان کے پاس اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور پھر ان کی حالت یہ تھی يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے۔ جب حضور علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی کہ وہ جو کچھ ساتھ لے جا سکتے ہیں لے جائیں، تو انہوں

نے خود اپنے گھروں کو گرانا شروع کر دیا اور اُن کی چھتوں اور دروازوں کی لکڑیاں بھی اٹھا کر لے گئے۔ فرمایا انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھر تباہ کئے وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ اور اہلِ ایمان کے ہاتھوں سے بھی اُن کی تباہی آئی۔ جب مسلمانوں نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا تو ان کو باہر نکلنے پر مجبور کرنے کے لیے مسلمانوں نے اُن کے کچھ درخت بھی کاٹے تھے اور اُن کے قلعوں کو توڑنے کے لیے بھی کچھ کام کیا تھا جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے۔

اللہ نے فرمایا فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ اے آنکھیں رکھنے والو! اور ایسے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والو! اس سے عبرت حاصل کرو کہ کفر، شرک ظلم، شرارت اور بدعہدی کا یہی انجام ہوتا ہے۔ تمام ظاہری اسباب یہودیوں کے حق میں تھے۔ ان کے مضبوط قلعے تھے جن میں محصور تھے، مال و دولت کی کمی نہیں تھی، خورد و نوش کی اشیا وافر تھیں مگر وہ چند دن کے بعد ہی جلاوطنی پر مجبور ہو گئے، اللہ نے اُن کے دلوں میں مسلمان قوم کا اس قدر رعب ڈال دیا تھا۔

فرمایا وَلَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۤءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا اگر اللہ نے اُن کے لیے جلاوطنی نہ لکھی ہوتی یعنی اُن کے حق میں جلاوطنی کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو اُن کو دنیا میں ہی سزا دے دیتا اور وہ سب مارے جاتے، مگر اللہ نے اُن کی جلاوطنی پر اکتفا کرتے ہوئے انہیں زندہ سلامت نکل جانے کی اجازت دے دی۔ اور اس فیصلے کے بعد کسی مسلمان نے اُن کی کسی چیز کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ یہ اہلِ ایمان کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھا۔ فرمایا اگر اللہ نے اُن کے لیے جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو انہیں دنیا میں ہی سزا دے دیتا۔ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ اور اُن کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب تو بہر حال ہے جس سے انہیں دوچار ہونا ہی پڑے گا۔ قبیلہ بنی نضیر کے صرف دو آدمی ایمان لانے کی وجہ سے جلاوطنی سے بچ گئے جب کہ باقی سارے جلاوطن ہوئے اور انہیں اپنی غیر منقولہ جائیدادوں سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔

فرمایا یہ سزا ان لوگوں کو اس لیے ملی ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کو شعار بنایا۔ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ
اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ بے شک
اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ ایسے لوگ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ وہ
دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت کا عذاب اس پر مستزاد ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٥ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٦

ترجمہ :- جو کاٹے ہیں تم نے کھجور کے درخت یا چھوڑا ہے اُن کو اپنی جڑوں پر ، پس اللہ کے حکم سے ، اور تاکہ رسوا کرے اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو (۵) اور جو لوٹایا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اُن میں سے ، پس نہیں دوڑائے تم نے اُس پر گھوڑے اور نہ اونٹ ۔ لیکن اللہ تعالیٰ مسلط کرتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (۶)

ربطِ آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں قبیلہ بنی نضیر کی بدعہدی کا ذکر ہوا ۔ یہ قبیلہ مدینہ کے اطراف میں آباد اُن قبیلوں میں سے ایک تھا جنہوں نے معاہدہ مدینہ پر دستخط کر رکھے تھے اور جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان اور یہ قبائل اپنے اپنے مذاہب پر قائم رہتے ہوئے کسی بیرونی حملہ کی صورت میں اکٹھے دفاع کریں گے اور معاہدہ میں شامل کوئی فریق کسی دوسرے فریق کے خلاف دشمن کی مدد نہیں کرے گا ۔
بنی نضیر نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ سازباز کی اور انہیں مدینہ پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی دوسری

طرف مدینہ میں مسلمانوں کو طرح طرح سے تکالیف پہنچانے لگے۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام کو بالکل ختم کر دینے کی سازش کی۔ اللہ نے اِن بدبختوں کو ناکام بنایا اور اہل ایمان پر آنچ نہ آنے دی۔ پھر اللہ نے ان ظالموں کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کو اجازت دی کہ ان پر حملہ کر کے اِن کو عہد شکنی کا مزا چکھایا جائے۔ چنانچہ مسلمان بنو نضیر پر حملہ آور ہوئے اور وہ جواب میں قلعہ بند ہو گئے۔ جب محاصرہ کو دو تین ہفتے گزر گئے اور یہودی مقابلہ کرنے کے لیے باہر نہ نکلے تو حضور علیہ السلام نے مجاہدین کو اجازت دیدی، کہ بیرون قلعہ اِن کی جائیدادوں کو نقصان پہنچایا جائے تاکہ یہ لوگ اُس کے بچاؤ کے لیے ہی باہر نکل آئیں تو اِن سے فیصلہ کن معرکہ ہو جائے۔ چنانچہ صحابہؓ نے بُویرہ کے مقام پر یہودیوں کے کھجور کے کچھ درخت کاٹ ڈالے۔ اس پر یہودیوں نے اعتراض کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود تو فتنہ و فساد سے منع کرتے ہیں مگر خود ہی درختوں کو کاٹ رہے ہیں۔

درخت کاٹنے کی اجازت

اِس کے جواب میں اللہ نے فرمایا مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ تم نے جو بھی کھجور کے درخت کاٹے ہیں۔ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا یا اُن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا ہے فَبِاِذْنِ اللّٰهِ یہ اللہ کے حکم سے کیا ہے مطلب یہ کہ اللہ کی اجازت کے بغیر تو کوئی کام نہیں لہٰذا اِن یہودیوں کا اعتراض معتبر نہیں ہے۔ یہ اجازت اگرچہ وحی کے ذریعے نہیں آئی مگر اللہ کے نبی کا حکم اللہ ہی کا حکم سمجھا جائے گا کیونکہ پیغمبر اللہ کے احکام کا شارح ہوتا ہے حضور علیہ السلام نے کھجوروں کے درخت کاٹنے کا اس لیے حکم دیا تاکہ یہودیوں کو اپنے باغات کی ویرانی کا دکھ پہنچے اور وہ باہر نکل کر مقابلہ کریں یا مغلوب ہو جائیں۔

لینہ کھجور کے پھلدار درخت کو کہتے ہیں۔ اس میں عجوہ اور برنی نامی کھجوروں کے علاوہ باقی ہر قسم کی کھجور کے درخت آ جاتے ہیں۔ جو درخت کاٹے گئے تھے وہ یہودیوں کو تنگ کرنے کے لیے اور جو چھوڑ دیے گئے تھے وہ اس لیے کہ غلبہ ہونے کی صورت میں یہ مسلمانوں ہی کے کام آئیں گے۔ فرمایا درخت کاٹنے

کا ایک مقصد یہ بھی تھا۔ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِينَ تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو رسوا کر دے۔ غرضیکہ درختوں کی بربادی اللہ تعالیٰ کی منشاء کے عین مطابق تھی، لہذا اس پر اعتراض کرنا خود اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اعتراض کے مترادف ہے۔

فقہی مسائل

اس ضمن میں بعض فقہی مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں۔ چنانچہ سیر الکبیر، ہدایہ اور فتح القدیر جیسی کتب فقہ میں اس مسئلہ کی وضاحت موجود ہے کہ اگر مسلمان کسی کافر قوم پر حملہ آور ہوں تو ان کے قلعے، باغات اور جانوروں وغیرہ کو نقصان پہنچانے کی اجازت ہے۔ البتہ امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ اجازت صرف اس صورت میں ہوگی جب کہ کفار ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے لیے ان چیزوں سے مستفید ہونا ممکن نہ ہو تو پھر ان کو ضائع کر دینا ہی بہتر ہے تاکہ کافر بھی ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں اور اگر کفار کے مغلوب ہو جانے کا یقین ہو تو پھر کسی چیز کو تلف کرنا درست نہیں کیونکہ ایسا کرنا خود اپنا نقصان کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس قسم کی کاروائی جنگی کاروائی سمجھی جائے گی اور اسے فساد کے ساتھ تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ کے دوران اس قسم کے حربے استعمال کرنا جائز ہے۔

بنی نضیر کے محاصرے کو بیس بائیس دن گزر چکے تھے مگر یہودی نہ تو باہر نکل کر جنگ کرتے تھے اور نہ ہی صلح کی درخواست کرتے تھے۔ لہذا ان کی املاک کو نقصان پہنچانا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور قلعے کھول کر مصالحت پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے اس شرط پر جنگ سے گریز کیا کہ وہ مسلمانوں کی تمام شرائط قبول کرنے کے لیے تیار رہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان یہودیوں کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ انہیں قتل کرنے کی بجائے جلاوطن کر دیا جائے۔ البتہ ان کو یہ رعایت دی کہ وہ اپنا جس قدر سامان اٹھا سکتے ہوں، اٹھا کر لے جائیں۔ ابتدائی آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ یہ لوگ اپنا سامان وغیرہ اٹھا کر چلے گئے۔ ان کی اکثریت شام کی طرف چلی گئی۔ اور کچھ لوگ خیبر کی طرف چلے گئے۔ ان کی غیر منقولہ جائیداد یں، زمین، باغات اور مکانات

وغیرہ باقی رہ گئے جن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُس مقبوضہ جائیداد کی حیثیت کا تعین کیا ہے اور پھر اُس کی تقسیم کا قانون بھی بیان کیا ہے

مالِ فئے کی تعریف

ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ اُن یہودیوں کے اموال میں سے اللہ نے جو کچھ اپنے رسول پر لوٹا دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا اس مال میں زرعی زمینیں، باغات، قلعے اور مکان وغیرہ تھے جو مسلمانوں کے قبضہ میں آئے مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان کے علاوہ پچاس زرہیں اور تین سو پینتالیس [۲۴۵] اونٹ بھی مسلمانوں کو حاصل ہوئے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس مال کے حصول کے لیے فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ تم نے کوئی گھوڑے اور اونٹ تو نہیں دوڑائے تھے۔ یعنی تم نے باقاعدہ جنگ کر کے تو یہ مال و متاع حاصل نہیں کیا تھا بلکہ یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے بغیر جنگ کے مِل گیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے۔ یہاں بھی اللہ نے اپنے نبی کو بنی نضیر پر غالب کیا اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا مال اللہ نے تمہیں تمہاری مشقت کے بغیر اپنی خاص مہربانی سے دلایا ہے۔ غرضیکہ جو مال اہلِ ایمان کو بغیر جنگ کیے دشمن کے ہاں سے مِل جائے، وہ مالِ فئے کہلاتا ہے۔ اگلے درس میں اس کی تقسیم اور خرچ کی مختلف مدات کا ذکر بھی آ رہا ہے۔

مالِ فئے کی تقسیم

مالِ فئے کی تقسیم اللہ نے اپنے نبی کے اختیار میں دے رکھی ہے، اور یہ اختیار مالکانہ نہیں بلکہ حاکمانہ ہے۔ اللہ کا رسول اس مال میں سے اپنے ذاتی اخراجات اور خاندان والوں کا حصہ نکال کر کچھ محتاجوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور باقی مال عام مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر استعمال ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کے بعد تقسیم کا یہ حق مسلمانوں کے امیر یا مقررہ حاکم کو تفویض ہو جاتا ہے اور جیسا کہ عرض کیا۔ یہ حق حاکمانہ ہوتا ہے۔ اگر اس کو مالکانہ حق سمجھا جائے تو پھر تو اس کی وراثت چلے گی۔ یعنی حاکم یا امیر کے بعد اس کی اولاد میں یہ حق چلا جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو

بھی امیر یا حاکم وقت ہوگا اس کو اس مال میں تصرف کا حق حاصل ہوگا۔ بنی نضیر سے حاصل ہونے والے مال میں سے حضور علیہ السلام نے اپنی ذاتی اور خاندان کی ضروریات کے لیے مال علیحدہ کر کے باقی سارا مال مسلمانوں کے مشترکہ مفادات جہاد وغیرہ کیلئے صرف کر دیا۔

یہاں پر مال فے کا تذکرہ ہے جب کہ دسویں پارے کی ابتداء میں مال غنیمت اور اس کے مصرف کا ذکر بھی آتا ہے۔ مال غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو جنگ کی صورت میں مسلمان کفار سے لڑ کر چھین لیتے ہیں۔ اس مال کی تقسیم کا قانون یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ کی نیاز کے طور پر علیحدہ کر لو۔ یہ خمس مال اللہ تعالیٰ، اس کے رسول قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوتا ہے اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کوئی مجاہد ایک سوئی تک بھی اٹھانے کا مجاز نہیں بلکہ ایسا کرنا سرقہ سے بھی بڑا جرم تصور ہوتا ہے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مجاہدین میں یہ مال اس صورت میں تقسیم ہوگا جب ان کے لیے تنخواہ اور راشن وغیرہ حکومت کی طرف سے مقرر نہ ہو، اگر تنخواہ، راشن یا وردی وغیرہ حکومت مہیا کرتی ہے تو پھر مجاہدین میں کچھ تقسیم نہیں ہوتا۔ بلکہ سارے کا سارا مال بیت المال میں جمع ہو جاتا ہے جہاں سے فوج کی تنخواہ، اسلحہ، خوراک اور وردی کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ مال غنیمت اور مال فے کے علاوہ انفال کا لفظ بھی آتا ہے اور اس کا اطلاق غنیمت اور فے دونوں قسم کے مال پر ہوتا ہے۔

فرمایا مال فے اللہ تعالیٰ بغیر جنگ کے اہل ایمان کو دلاتا ہے وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ چاہے تو جنگ کی صورت میں مسلمانوں کو مال دلا دے یا بغیر جنگ کے بھی مال مسلمانوں کے قبضہ میں دے دے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت اور فے میں یہی فرق ہے کہ جو مال جنگ کر کے حاصل ہو وہ غنیمت ہے اور جو بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ فے ہے۔ آگے اس کی تقسیم کا اصول بیان کر دیا گیا ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑦

ترجمہ :- جو مال لوٹایا ہے اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے پس وہ اللہ کے لیے ہے ، اور رسول کے لیے ہے ، اور قرابت داروں کے لیے ، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے ، تاکہ نہ ہو یہ مال گردش کرنے والا صرف دولتمندوں کے درمیان تم میں سے اور جو کچھ دے دے تم کو اللہ کا رسول اس کو لے لو ، اور جس چیز سے منع کرے ، اس کو چھوڑ دو ۔ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ، بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ⑦

ربط آیات

گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ بنی نضیر کی عہد شکنی کی وجہ سے اہلِ ایمان نے اُن کی بستیوں کا محاصرہ کر لیا اور ان کے کچھ درخت بھی کاٹے جس کی وجہ سے مجبور ہو کر وہ صلح پر آمادہ ہوئے ۔ چنانچہ اس شرط پر اُن کی جان بخشی کی گئی کہ وہ ملک بدر ہو جائیں اور اپنا جس قدر سامان اٹھا کر لے جانا چاہیں لے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا بنی نضیر کے یہودی اپنی بستیوں اور قلعوں سے نکل کر چلے گئے اور

اُن کی زمینوں، باغات اور جانوروں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ اس طریقے سے حاصل ہونے والا مال مالِ فَے کہلاتا ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ نے اس مال کی تقسیم کا فارمولا بتایا ہے۔

مالِ فَے کے حصص

(۱) اللہ کا حصہ

ارشاد ہوتا ہے مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى جو مال اللہ نے لوٹایا ہے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یہ مال بنی نضیر سے اُن کی جلاوطنی کے بعد بلا جنگ حاصل ہوا تھا۔ اس کی تقسیم کے متعلق اللہ نے ارشاد فرمایا ہے فَلِلّٰهِ پس یہ اللہ کے لیے ہے یعنی سب سے پہلا حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو احکم الحاکمین اور مستغنی ہے۔ وہ خود ساری مخلوق کا خالق اور مالک ہے، اُسے ان زمینوں اور باغات وغیرہ کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے جواب میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام تو محض تبرک کے لیے لیا گیا ہے دگرنہ نہ اُسے اس مال کی ضرورت ہے اور نہ اُسے ادا کیا جائیگا۔ اللہ کا نام لینے سے اس بات کا اظہار بھی مقصود ہے کہ کوئی یہ شبہ نہ کرے۔ کہ بغیر جنگ کے حاصل ہونے والا مال مسلمانوں کے لیے جائز بھی ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ اسی طرح جائز ہے۔ جس طرح جنگ کی صورت میں حاصل ہونے والا مال غنیمت جائز ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ تجارت، زراعت یا محنت مزدوری کے ذریعے اپنے بندوں کو مال دلاتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے یہ مال بھی دلایا ہے اس کا استعمال پیغمبر علیہ السلام اور اہلِ ایمان کے لیے بالکل جائز ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مال میں سے اللہ کا حصہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ حصہ اللہ کے گھر بیت اللہ شریف یا دیگر مساجد پر خرچ کیا جائے البتہ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ کو ایسے حصے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ محض تبرک کے لیے اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) رسول کا حصہ

دوسرے حصے کے متعلق فرمایا وَلِلرَّسُوْلِ یہ اللہ کے رسول کے لیے ہے فَے کے ایک حصے پر اللہ کے رسول کا حق ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام مالِ غنیمت کے خمس یا مالِ فَے کے اس حصے میں سے ازواج مطہراتؓ کو خرچہ دیتے تھے۔ خیبر کی

زمین اور فدک کے باغ سے بھی آپ کو بھی حصہ ملتا تھا اور یہ حصص آپ اپنے گھریلو اخراجات کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس حصہ میں آپ غریبوں اور محتاجوں کا حق بھی ادا کرتے تھے، اور جو پھر بھی بچ جاتا اُسے عام مسلمانوں کے مشترکہ مفادات مثلاً سامان ضرب و حرب یا مجاہدین کی خوراک وغیرہ پر خرچ کرتے۔

(۳) قرابتداروں کا حصہ

فرمایا وَلِذِی الْقُرْبٰی یعنی حصہ حضور علیہ السلام کے قرابتداروں کے لیے مخصوص تھا۔ اس حصہ کے حقداران بنو عبدالمطلب اور بنو ہاشم کے پانچ خاندان یعنی آلِ عباس آل علی، آلِ جعفر، آل عقیل اور آلِ حارث بنتے ہیں اور یہ ان پر خرچ کیا جاتا تھا۔ ان خاندانوں کی حصہ رسدی کی ایک، وجہ تو یہ ہے کہ یہ لوگ ہر اچھے اور بُرے وقت میں حضور علیہ السلام کے ممد و معاون ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ ان میں جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے، وہ بھی آپ کی مدد کرتے تھے۔ مثلاً جب کفارِ مکہ نے حضور علیہ السلام کا سوشل بائیکاٹ کیا تو اس میں بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم دونوں خاندان شامل تھے۔ خود ابو طالب آپ کے خاندان کے ساتھ تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہا۔ تو یہ حصہ مقرر کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ خاندان آپ کی مدد کرتے ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ السلام کے خاندان پر صدقات و زکوٰۃ حرام تھے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّ لَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی زکوٰۃ و صدقات محمد اور آلِ محمد پر حلال نہیں ہیں، اور آل محمد میں یہی پانچ خاندان آتے ہیں۔ چنانچہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے ان کا حصہ مالِ فے میں مقرر فرما دیا۔ البتہ جب حضور علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو اس حصہ کی ایک وجہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت والا معاملہ تو ختم ہو گیا۔ باقی رہ گئی دوسری وجہ کہ آپ کے خاندان پر زکوٰۃ و صدقات حرام ہیں تو اس کی علت احتیاج ہے یعنی زکوٰۃ و صدقات کا مال اسی صورت میں روا ہے جب کہ کوئی شخص محتاج ہو۔ چنانچہ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں آلِ محمد میں سے صرف

اُن لوگوں کو مالِ فَے سے حصہ ملتا تھا جو محتاج تھے اور جو آسودہ حال تھے اُن کا حصہ ختم ہو گیا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کی روایت ابو داؤد شریف میں موجود ہے کہ جب انہیں مالِ فَے میں سے اُن کے حصہ کی پیش کش کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا۔ کہ اب ہم محتاج نہیں ہے لہٰذا یہ مال مستحقین کو دیا جائے۔ اسی بنا پر مالِ فَے میں آلِ محمد کا یہ حق موجود ہے مگر اُن لوگوں کے لیے جو محتاج ہوں، لہٰذا خلفائے راشدینؓ نے اگر اُن کو اس مال میں سے حصہ نہیں دیا تو انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ کیونکہ اب آلِ محمد محتاج نہیں رہے تھے۔ البتہ امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ تقسیمِ مال میں آلِ محمدؐ کے محتاجوں کو دوسرے محتاجوں پر ترجیح دی جائے۔

(۴ تا ۶) یتیم، مسکین اور مسافر

پھر فرمایا اس مال میں ان لوگوں کا بھی ایک ایک حصہ ہے یعنی وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا۔ یتیم وہ نابالغ بچہ ہوتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے۔ اور بعض اوقات اُس کی گزر اوقات کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہوتا۔ ایسے بے سہارا بچوں کے لیے بھی حصہ ہے۔ اسی طرح مسکین وہ شخص ہوتا ہے جس کی بنیادی ضروریات کے لیے بھی کافی مال موجود نہ ہو یتیموں اور مسکینوں کے لیے زکوٰۃ اور صدقات لینا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اس مال میں اس مسافر کا بھی حصہ ہے جس کو دورانِ سفر کوئی حادثہ پیش آجائے۔ زادِ راہ چوری ہو جائے، یا ختم ہو جائے یا وہ کسی دیگر جائز ذریعہ سے محتاج ہو جائے۔ ایسا شخص بھی مالِ فَے کا حقدار بن جاتا ہے۔ اللہ نے مالِ فَے کے یہ چھ مصارف بیان فرما دیے ہیں۔

گردشِ دولت کی وسعت

فرمایا اللہ نے تقسیمِ مال کا یہ حکم اس لیے دیا ہے كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ تاکہ یہ دولت تمہارے آسودہ حال لوگوں تک ہی محدود نہ رہے بلکہ اس کی گردش معاشرے کے انتہائی نچلے طبقے تک ہونی چاہیئے دُوْلَةً کے لفظ سے یہ اصول بالکل واضح ہو جاتا کہ اسلامی نظامِ معیشت میں کسی خاص طبقہ میں ارتکازِ دولت ہرگز پسندیدہ نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام

(CONCENTRATION OF WEALTH) کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ وجہ ظاہر ہے کہ جب دولت کا دوران صرف ایک طبقہ تک محدود ہو جاتا ہے اور باقی طبقات محروم ہو جاتے ہیں تو پھر اس کے نتیجے میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو جاتے ہیں۔ جب کسی ملک میں اس قسم کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو پھر وہاں کمیونزم اور سوشلزم کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام بھی ملعون ہے مگر سوشلزم اس سے بھی قبیح ہے۔ مطلق العنان ملوکیت بھی اسی قبیل سے ہے کسی ملک کا بادشاہ یا ڈکٹیٹر اپنے آپ کو غیر مسئول سمجھتا ہے اور اُن کے ہاں آمد و خرچ کا حساب کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام میں شخصی ملکیت کی اجازت ہے۔ مگر یہ ملکیت عارضی اور بطور امانت ہوتی ہے۔ اللہ جس کو دولت دیتا ہے اُس کو آمد و خرچ کے قوانین کا بھی پابند بناتا ہے۔

ارتکاز زر کی ممانعت

جس مالک الملک نے انسانوں کو ارتکاز زر کی اجازت نہیں دی اُس نے اپنے براہ راست قبضہ قدرت کی چیزوں کو اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ کوئی ادنیٰ و اعلیٰ اُن سے محروم نہیں رہتا۔ مثلاً ہوا، فضا، سورج، چاند، ستارے، بارش، دریا، سمندر وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کو اُس نے مخلوق میں سے کسی کے قبضے میں نہیں دیا۔ تمام انسان، جانور، پرندے اور کیڑے مکوڑے ان چیزوں سے براہ راست مستفید ہوتے ہیں۔ سانس لینے کے لیے ہوا کی ہر جاندار کو ضرورت ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں کی روشنی سب کی ضرورت ہے۔ پانی بھی تمام جانداروں کی بنیادی ضرورت ہے لہٰذا اللہ نے یہ چیزیں ہر ایک کے لیے فراہم مہیا کی ہیں اسی طرح دولت بھی چند ہاتھوں میں محدود ہو کر نہیں رہنی چاہیئے۔ جب تک دولت کا دوران (CIRCULATION) صحیح طریقے سے ہوتا رہے گا تو دنیا میں توازن قائم رہے گا۔ ورنہ یا تو نظام سرمایہ داری آجائے گا۔ یا پھر رد عمل کے طور پر سوشلزم آئے گا۔ حالانکہ یہ دونوں نظام ملعون ہیں۔

شخصی ملکیت کا احترام

ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام ہر شخص کو دولت کمانے اور خرچ کرنے کی

کھلی چھٹی دیتا ہے جس سے ارتکازِ زر پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف سوشلزم شخصی ملکیت کا بالکل ہی انکار کر دیتا ہے۔ اسلام کا نظامِ معیشت اِن دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ چلتا ہے۔ اسلام کسی شخص کی ذاتی ملکیت کا اُسی طرح احترام کرتا ہے جس طرح کسی کی جان کا احترام کرتا ہے۔ اسلام اگر قاتل کا سر قلم کر دیتا ہے تو مال چوری کرنے والے کا بھی ہاتھ کاٹ پھینکتا ہے۔ لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسِہٖ کسی مسلمان کا مال دوسرے کے لیے حلال نہیں ہے جب تک مالک اپنی مرضی سے کسی کو نہ دے۔ بغرضیکہ مال کی شخصی ملکیت بھی انسانی جان کی طرح عزیز ہے۔ البتہ اسلام نے اکتسابِ زر پر ضرور پابندی عائد کی ہے تاکہ نہ کوئی مضر پیشہ اختیار کیا جائے اور نہ چوری، ڈکیتی، رشوت، قمار بازی، ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ کے ذریعے مال حاصل کیا جائے۔ مخربِ اخلاق کاروبار جیسے فوٹوگرافی، فلم سازی، موسیقی، سٹہ بازی کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ مطلب یہ کہ صرف حلال ذرائع سے ہی دولت کمانے کی اجازت ہے۔

اگر اسلام نے جائز ذرائع سے دولت کمانے کی اجازت دی ہے تو ساتھ ساتھ ایسے مال کے حقوق ادا کرنے کا بھی پابند بنایا ہے۔ اگر مال نصاب کو پہنچ گیا ہے تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دو، صدقہ فطر ادا کرو، قربانی دو، حج اور عمرہ کے لیے خرچ کرو، غربا و مساکین کو صدقہ خیرات دو۔ اگر یہ حقوق ادا کیے جائیں تو ارتکازِ زر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مال خرچ کرنے سے دو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک طرف مستحقین کی حاجت برآری ہوتی ہے تو دوسری طرف خرچ کرنے والے سے بخل کا مادہ دور ہو کر اُس میں اخلاقِ حسنہ پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ نے تقسیمِ مال کی ایک اور صورت بھی لازمی قرار دی ہے اور وہ ہے وراثت کی تقسیم، مالدار آدمی کے مرنے کے بعد جائیداد میں سے پہلے قریبی رشتہ داروں کو حصہ ملتا ہے اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو دُور کے رشتہ دار حصہ دار بن جاتے ہیں۔ اسلام نے یہ تمام طریقے ارتکازِ دولت کو روکنے کے لیے رکھے ہیں۔ الغرض! اسلام کا نظامِ معیشت ہی بہترین

نظام ہے جو ارتکاز کو روک کر مال کو زیادہ سے زیادہ پھیلنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

اطاعتِ رسول

مالِ فے کی تقسیم کے احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ اللہ کا رسول جو چیز تمھیں دے وہ لے لو۔ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اور جس سے منع کرے اُس کو چھوڑ دو۔ اللہ نے اپنے نبی کو تقسیم کا جو اختیار دیا ہے اس پر قائم رہو اور اُس پر کبھی معترض نہ ہو بلکہ جتنا حصہ عطا کرے اُس کو بخوشی قبول کر لو اور جس چیز سے منع کرے اُس کا تقاضا نہ کرو۔ اللہ کا رسول ہر کام مشیت الٰہی کے مطابق کرتا ہے لہٰذا نبی کی تقسیم کو اللہ کی تقسیم پر محمول کرنا چاہیئے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا اطلاق صرف مالِ فے تک محدود نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر قسم کے احکام پر ہوتا ہے۔ لہٰذا امت کے لیے لازم ہے کہ اللہ کا نبی جس کام کے کرنے کا حکم دے اُسے کر گزرو اور جس کام سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح اللہ کے نبی کی اطاعت بھی لازم ہے۔ فرمایا نبی کی تقسیم کے متعلق دل میں بھی کوئی غیر خیال نہ لاؤ۔ بلکہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ یاد رکھو! اگر خلاف ورزی کرو گے اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ جب وہ کسی مجرم کو پکڑ لیتا ہے تو چھوڑتا نہیں بلکہ سخت سزا دیتا ہے۔

لِلْفُقَرَاۤءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰۤئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸

ترجمہ :- اُن محتاجوں کے لیے ہے ۔ جو ہجرت کرنے والے ہیں ۔ وہ جن کو نکالا گیا اُن کے گھروں سے اور ان کے مالوں سے ۔ تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی ۔ اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اُس کے رسول کی ۔ یہی لوگ ہیں راست باز ۝۸

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ نے مالِ فَے کے مصارف کا ذکر کیا کہ اس کا حقیقی مالک اور متصرف تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے بعد اللہ کا رسول اُس کے حکم کے مطابق اس مال میں تصرف کرتا ہے ۔ یہ مال خود اللہ کے نبی اور اُس کے اُن قرابتداروں کے لیے ہے جن پر زکوٰۃ و صدقات حرام ہیں مگر وہ اللہ کے رسول کے مددگار ہیں ۔ اس مال کے مزید حقدار یتیم ، مسکین اور مسافر ہیں ۔ اللہ نے اس تقسیم کی غرض یہ بیان فرمائی تاکہ یہ مال محض مالدار لوگوں میں ہی گردش نہ کرتا رہے ، بلکہ اس کا دوران اس قدر وسیع ہونا چاہیئے کہ یہ طبقے کے کمزور ترین آدمی تک بھی پہنچے ۔ گذشتہ درس میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی تھی کہ اللہ کے رسول کی مذکورہ تقسیم پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے ، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی تقسیم کرتا ہے ۔ پھر اللہ نے یہ واضح حکم دیا کہ اُس کا رسول جو کچھ تمہیں دے دے اُس کو بخوشی قبول کر لو اور جس چیز سے روک دے اُس سے رُک

جاؤ، مفسرین نے اس حکم کو عام احکامِ شریعت پر بھی محمول کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول کے ہر حکم کا اتباع لازم ہے، اور کوئی شخص رسولِ خدا کے حکم کے خلاف کر کے کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

اتباعِ رسول

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ایک مسلمان خاتون کا اُن کے ساتھ تنازعہ ہو گیا۔ آپ نے اس عورت کو حضور علیہ السلام کا یہ فرمان سنایا کہ خدا تعالیٰ کی لعنت ہے اُن عورتوں پر جو گودتی ہیں یا گدواتی ہیں اور اُن عورتوں پر بھی جو اپنی زیبائش کے لیے دوسری عورتوں کے بال حاصل کرتی ہیں۔ اور اپنے بال بیچنے والی عورتوں پر بھی لعنت ہے۔ آپ نے حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی اس عورت کو سنایا کہ ان پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ جو خوبصورتی کے لیے اپنے دانتوں کو ریتی سے رگڑ کر ہموار کرتی ہیں، اور اُن عورتوں پر بھی جو بالوں کو چن کر اپنے ابرو نوکدار بناتی ہیں۔ یہ مسئلہ سن کر اس عورت نے کہا کہ آپ ان باتوں سے کیوں منع کرتے ہیں؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں ایسی چیزوں سے کیوں نہ منع کروں جب کہ اللہ اور اس کے رسول نے ایسی چیزوں سے منع کیا ہے۔ وہ عورت پھر کہنے لگی کہ مجھے تو قرآن پاک میں کوئی آیت نہیں ملی جس میں اِن چیزوں سے منع کیا گیا ہو۔ تو آپ نے اِس کے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ ہی پیش آیا۔ آپ نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر کوئی احرام کی حالت میں خرگوش کا شکار کرے تو اس کی جنایت یہ ہے کہ اسی جسامت کا جانور قربانی کرے یا اُس کی قیمت صدقہ کرے۔ اس شخص نے کہا کہ مجھے تو قرآن میں یہ مسئلہ نہیں ملا۔ اسکے جواب میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہی آیت پڑھی۔ اور فرمایا کہ اللہ کے نبیؐ نے احرام کی حالت میں شکار کرنے کی یہی جنایت بتلائی ہے اور اللہ کا حکم یہ ہے کہ جو چیز اللہ کا رسول دے، اس کو لے لو۔ اور جس چیز سے منع کرے، اُس سے رُک جاؤ، لہٰذا یہ اللہ کا حکم ہی سمجھنا چاہیئے اگرچہ یہ قرآن میں نہیں ہے۔

غریب مہاجرین کا حصہ

گذشتہ آیت میں مالِ فئے کے چھ حصہ داروں کا ذکر ہوا تھا۔ اب آج کی

آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور حق دار کا ذکر کیا ہے اور یہ ہیں محتاج مہاجرین۔ اللہ نے ان کو حصہ ادا کرنے کی وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں اور ساتھ ساتھ ان لوگوں کے بعض اوصاف بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ مالِ فئے میں غریب مہاجرین کا حصہ بھی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ جن کو اُن کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ قریشِ مکہ نے اُن پر اس قدر مظالم توڑے کہ وہ بیچارے اپنا گھر بار اور وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ کئی پشتوں سے مکہ میں مقیم لوگوں کو اپنے گھروں اور زمینوں کو چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ہجرت کی تکالیف کو وہی جانتے ہیں جنہوں نے یہ تکالیف اٹھائی ہوں۔ ۱۹۴۷ء کا زمانہ ہمارے سامنے ہے۔ جب لاکھوں مسلمانوں کو ترکِ وطن کرنا پڑا، اور پھر اُن کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے وہ رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ فرمایا جن کو گھروں سے نکالا گیا وَاَمْوَالِهِمْ اور ان کو اپنے مالوں کی قربانی بھی دینی پڑی۔ اُن کو باغات، اناج، گھوڑے، اونٹ، اور بھیڑ بکریاں سب کچھ چھوڑنا پڑا۔ مدینہ پہنچکر فوراً کاروبار کا ملنا بھی ممکن نہیں تھا۔ اور اکثر مہاجرین انصارِ مدینہ کی مدد سے گزر اوقات کر رہے تھے۔ لہٰذا اللہ نے فرمایا کہ اس قسم کے نادار مہاجرین کو بھی مالِ فئے میں سے حصہ ادا کرو۔

اکابر مہاجرین

ان مہاجرین میں وہ جلیل القدر صحابہؓ بھی شامل ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام کے بعد خلافت کا بوجھ اٹھایا۔ خود حضور علیہ السلام کو بھی نہایت ناساعد حالات میں مکہ چھوڑنا پڑا۔ جب آپ مکے سے چلے آئے تو آپ کے ذاتی مکان پر عقیلؓ نے قبضہ کر لیا، یہ اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ لہٰذا قرابتدار ہونے کی بنا پر اُس مکان پر قابض ہو گئے جس میں خود حضور علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ رہائش پذیر رہے تھے۔ اس کے بعد عقیلؓ نے یہ مکان دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ آپ کو اپنا وطن اس قدر عزیز تھا کہ ہجرت کے لیے روانہ ہوتے وقت شہر مکہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر خطاب کر کے فرمایا کہ اے شہر! مجھے تیرے ساتھ بڑی محبت ہے مگر یہ لوگ مجھے رہنے نہیں دیتے لہٰذا بادلِ ناخواستہ تجھے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

عقیلؓ اور طالب ابوطالب کے بڑے بیٹے تھے اور طالب ہی کے نام پر اُنکی کنیت ابوطالب تھی۔ عقیلؓ تو بعد میں اسلام لے آئے مگر طالب جنگ بدر میں مشرکین کی طرف سے شامل ہوا اور وہاں سے لاپتہ ہوگیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس کو جنات اٹھا کر لے گئے

حضور علیہ السلام کا ذاتی مکان

جب مکہ فتح ہوگیا تو کسی نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ کہاں قیام فرمائیں گے۔ اس شخص کا خیال تھا کہ شاید آپ اپنے ذاتی متروکہ مکان میں ٹھہرنا پسند فرمائیں گے مگر آپ نے جواب دیا کہ عقیلؓ نے تو میرا مکان ہی فروخت کر دیا ہے۔ لہذا وہاں کیسے ٹھہر سکتا ہوں، بلکہ ہم خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے۔ جہاں ہمارا خیمہ لگا دیا جائے۔ اس جگہ کو آجکل معابدہ کہتے ہیں، یہ بطحا اور محصّب بھی کہلاتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں مشرکین نے فیصلہ کیا تھا کہ بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کا بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق حضور علیہ السلام کو شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہنا پڑا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم شکرانے کے طور پر اسی مقام میں ٹھہریں گے۔ جہاں پر مشرکین نے ہمارے مقاطعہ کا فیصلہ کیا تھا، مگر اللہ نے آج ہمیں فتح عطا فرمائی ہے اور اذیتیں پہنچانے والے تمام لوگ مغلوب ہو چکے ہیں۔ پھر آپ کوہ صفا پر کھڑے ہوئے۔ یہ وہی صفا ہے کہ جب آپ نے اس پر کھڑے ہو کر پہلی دفعہ لوگوں کو دعوت توحید دی تھی۔ تو مشرکین نے آپ کو پتھر مارے تھے۔ آپ نے اس مقام پر کھڑے ہو کر شکرانے کے طور پر اللہ کی حمد و ثنا اس طرح بیان کی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ کوئی معبود نہیں مگر وہی اکیلا جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی کفار کے لشکروں کو شکست دی۔ بہرحال فقراء اور اموال کے الفاظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو کافر مسلمانوں کے اموال پر قبضہ کر لیتے ہیں، وہ اُن کے مالک بن جاتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ جو نادار مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے اور راستے کی تکالیف برداشت کر کے اور اپنے مالوں کی قربانی دے کر آئیں اُن کو مالِ فَے سے حصہ ادا کرو۔

کفار کی ملکیت کا مسئلہ

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو کافر یا مشرک اہلِ ایمان کی جائیداد پر جبراً قابض
ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ اُن کے واقعی مالک بن جاتے ہیں اور انہیں ایسی جائیداد کو فروخت
کر دینے کا حق بھی حاصل ہو جاتا ہے؟ اس ضمن میں حضور علیہ السلام کے ذاتی مکان کی
مثال بیان ہو چکی ہے۔ آپ نے فتح مکہ کے باوجود عقیلؓ کی طرف سے قبضہ اور پھر
اس کی فروخت کو عملاً تسلیم کیا، لہٰذا اس قسم کی املاک کے کافر اور مشرک واقعی مالک
بن جاتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ کسی جان کے مالک نہیں ہو سکتے۔ کافروں نے حضرت
سلمان فارسیؓ کو ظلماً غلام بنا لیا تھا حالانکہ اس بات کا اُن کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔

بہر حال حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ
جیسے بڑے بڑے تاجر تھے جن کو اپنا سارا کاروبار اور مال و متاع مکے میں چھوڑنا پڑا اور
پھر جب تک یہ لوگ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوئے۔ انہوں نے بڑی عسرت کی زندگی
بسر کی۔ ان کے اموال پر مشرکین نے قبضہ کر لیا تھا لہٰذا اللہ نے ایسے تمام نادار مہاجرین
کے لیے مالِ فے میں حصہ مقرر کر دیا اور حضور علیہ السلام نے عملی طور پر ان کی اس مال سے
مالی اعانت کی۔ ان کو خیبر سے ملنے والے مال سے بھی حصہ دیا گیا۔ اس اعانت سے
مہاجرین خود بھی آسودہ حال ہو گئے اور انصار پر بھی بوجھ ہلکا ہو گیا۔

مہاجرین کے اوصاف
(۱) فضل و رضا کی تلاش

آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے اِن مہاجرین کے بعض اوصاف بھی بیان
کیے ہیں جو ان کے ہجرت کرنے کے عمل کے علاوہ ہیں۔ فرمایا ان کی ایک صفت یہ
ہے یَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یہ لوگ اللہ کا فضل اور اُس
کی خوشنودی کے متلاشی ہیں۔ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی یہ صفت سورۃ الفتح میں بھی
بیان ہوئی ہے۔ بالکل یہی الفاظ وہاں بھی آیت - ۲۹ میں آئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ
محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ فضل سے مراد ہے ارتفاق، یعنی اس دنیا کی زندگی کو
اچھے طریقے سے گزارنا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان کے پاس
زندگی کی جائز سہولتیں میسر ہوں۔ اسی چیز کے متعلق سورۃ الجمعہ میں فرمایا کہ جب
جمعہ کی نماز ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (آیت - ۱۰)

اور اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی حلال روزی تلاش کرو جس کے ذریعے دُنیا کی زندگی اچھے طریقے سے گزاری جاسکتی ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں رضوان سے مراد اقتراب یعنی اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے اور یہی چیز اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ہے اللہ نے سورۃ العلق میں فرمایا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (آیت - ۱۹) سجدہ کر یعنی نماز پڑھ اور اللہ کا قرب حاصل کر لے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ نماز اللہ کا قرب دلانے والی چیز ہے الغرض! حضور علیہ السلام کے صحابہؓ میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی تھیں۔ وہ فضل کے ذریعے دنیا کی زندگی کو بہتر بناتے تھے اور رضوان کے ذریعے اگلے جہان میں سرخروئی کا سامان کرتے تھے۔ تو فرمایا وہ مہاجرین جن کو اُن کے گھروں اور مالوں سے نکال دیا گیا۔ وہ اللہ کا فضل اور اُس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔

مومن اور کافر کی زندگی کا یہی فرق ہے۔ مومن ایسی حیاتِ طیبہ کا متلاشی ہوتا ہے جس میں اُسے رزقِ حلال نصیب ہو، اُس کا معاشرہ درست ہو، برائیاں اور ظلم و جور کا خاتمہ ہو جائے اور انسان ترقی کی منازل طے کرتا چلا جائے۔ اس کے برخلاف جرائم سے بھرپور زندگی جس میں لوٹ کھسوٹ، عیاشی، فحاشی، بدکاری، چوری، ڈاکے اور اغوا ہوں، وہ حیاتِ طیبہ نہیں ہو سکتی بلکہ ایسی زندگی حیاتِ خبیثہ ہو گی۔ جس میں آج لوگوں کی اکثریت مبتلا ہے۔

(۲) اللہ اور رسول کی مدد

اللہ نے مہاجرین کی پہلی صفت تو یہ بیان کی وہ اللہ کا فضل اور اُس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں اور دوسری یہ وَيَنْصُرُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اُس کو تو کسی مدد کی ضرورت نہیں لہٰذا یہاں پر اللہ کی مدد کرنے سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے کہ اس کی سربلندی کے لیے کوشش اور محنت کی جائے۔ اس سلسلے میں تمام صحابہ کرامؓ خصوصاً مہاجرین کا کردار مثالی ہے۔ جنہوں نے دین کی خاطر گھر بار، وطن، عزیز، اقارب اور مال و متاع سب کچھ چھوڑ دیا۔ اللہ کی مدد کرنے والوں کے متعلق سورۃ محمد میں فرمایا

إِنْ تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿۷﴾ اگر تم اللہ یعنی اس کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے گا۔ یہی مضمون سورۃ الحج میں بھی بیان ہوا ہے وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ (آیت۔۴۰) جس نے اللہ کی مدد کی، اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ آگے سورۃ الصف میں بھی ہے اے ایمان والو! كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ (آیت۔۱۴) اللہ کے مددگار بن جاؤ۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ اللہ کی طرف کون میری مدد کریگا۔ تو حواریوں نے جواب دیا نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ الغرض! مہاجرین نے اللہ کی خاطر مال و جان، وطن اور عزیز و اقارب کی قربانی پیش کی تو اللہ نے بھی پھر ان کی مدد کی۔ تو فرمایا، ایک تو وہ اللہ کی مدد کرتے ہیں اور دوسرا اس کے رسول کی مدد بھی کرتے تھے۔ اور اس سے مراد اللہ کے رسول کی بالفعل مدد ہے۔ یہ مہاجرین رسول اللہ کی بدل و جان اطاعت کرتے ہیں۔ اس کا اسوہ اختیار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ وہ رسول کی سنت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی مدد کرتے ہیں اور اس طرح رسول کے مشن کی تکمیل میں اس کے ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اور رسول کا مشن یہ ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الصف۔۹) کہ وہ اللہ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ آپ کے صحابہؓ بشمول تمام مہاجرین و انصار نے اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تو اللہ اور اس کے رسول کی مدد کا یہی مطلب ہے۔

فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ یہی لوگ سچے اور راستباز ہیں۔ ان میں خلفائے راشدینؓ سرفہرست ہیں۔ اللہ نے سب کی تعریف فرمائی ہے اور ان کے ایمان کی گواہی دی ہے۔ مگر کیا کیا جائے ان رافضیوں کا جو اتنے واضح اعلان کے باوجود خلفائے راشدینؓ میں سے حضرت علیؓ کے سوا باقی تین کو نعوذ باللہ منافق قرار دیتے ہیں۔ حقیقت میں یہی لوگ منافق ہیں جو رسول اللہ کے جلیل القدر صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ کے ایمان میں شک و شبہ کا اظہار کرتے

ہیں۔ یہ عقیدہ کتاب اللہ کے خلاف ہے کیونکہ اللہ نے مہاجرین کی تعریف بیان کی ہے۔ اور خود رسول اللہ کے فرامین کے بھی خلاف ہے۔ جن میں اکابر صحابہؓ کی جانی اور مالی قربانیوں اور دین سے وفاداری کی تعریف کی گئی ہے۔

درس پنجم ۵ — آیت ۹

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑨

ترجمہ :۔ اور اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے جگہ پکڑی اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے ۔ وہ محبت کرتے ہیں اُن سے جو ہجرت کر کے آتے ہیں اُن کے پاس ، اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں کوئی خلش اُس چیز سے جو اُن کو دی جاتی ہے ۔ اور ترجیح دیتے ہیں ، اُن کو اپنی جانوں پر اگرچہ ہو اُن میں کچھ حاجت ۔ اور جو بچایا گیا اپنے نفس کے بخل سے ، پس یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ⑨

ربط آیات

گذشتہ آیات میں مالِ فئے کی تعریف اور اُس کے مختلف مصارف کا ذکر ہو چکا ہے ۔ اللہ نے اس مال میں اللہ اُس کے رسول ، رسول کے قرابتداروں ، یتیموں ، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ رکھا ہے ۔ اللہ نے اس تقسیم کی حکمت بھی بیان فرمائی کہ مال و دولت صرف اغنیاء میں ہی نہ گردش کرتا رہے بلکہ اس کا دوران معاشرے کے نچلے طبقوں تک پہنچنا چاہیئے ۔ اللہ نے اہلِ ایمان کو تلقین کی کہ وہ اپنے نبی کی تقسیم کو بخوشی خاطر قبول کریں اور جو چیز اللہ کا نبی دے اُس کو

قبول کر لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رُک جاؤ۔ اس کے بعد اللہ نے نادار مہاجرین کے حصے کا ذکر کیا جو لوگ اپنا گھر بار اور مال متاع چھوڑ کر دار الہجرت میں پہنچ چکے ہیں اور نادار ہیں، مالِ فئے میں ان کا بھی حصہ ہے جو ادا کیا جائے۔ اس کے ساتھ اللہ نے مہاجرین کے بعض اوصاف بھی بیان فرمائے اور اُن کو مخلص مومن قرار دیا گیا۔

انصارِ مدینہ کا استحقاق

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انصارِ مدینہ کے ایثار کا تذکرہ فرمایا ہے اور انہیں بھی مال فئے کا حقدار قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اس مال کے حقدار وہ بھی ہیں۔ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ جنہوں نے جگہ پکڑی گھر میں اور ایمان میں۔ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے ہم نے تَبَوَّءَ کا معنی جگہ پکڑنا کیا ہے۔ یعنی ٹھکانا پکڑنا یا رہائش اختیار کرنا۔ یہ لفظ جنت میں اہلِ جنت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے فرمایا نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ (الزمر - ۷۴) جنتی لوگ جنت میں جہاں چاہیں گے ٹھکانا پکڑیں گے، جگہ حاصل کرینگے۔ اور دار سے مراد دار الہجرت مدینہ منورہ ہے۔ اللہ نے اس شہر کا نام طَابَ یا طیبہ رکھا ہے۔ اور اس کو مدینۃ الرسول بھی کہا جاتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اس مال میں سے وہ لوگ بھی حقدار ہیں جنہوں نے مہاجرین کی آمد سے قبل شہر مدینہ میں رہائش اختیار کر رکھی تھی اور وہ ایمان کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ ان سے مراد انصارِ مدینہ ہیں جن کا تعلق اوس اور خزرج کے قبائل سے تھا اور جو ہجرت سے آٹھ سو یا ایک ہزار سال قبل یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ ہجرتِ نبوی سے تین سال پہلے تک یہ لوگ کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ بعض نے یہودیت اور بعض نے نصرانیت اختیار کر لی تھی، مگر ان کی اکثریت شرک میں ہی مبتلا تھی۔ اللہ نے انہی میں سے بعض کو ایمان کی دولت سے مشرف فرمایا۔ انہوں نے حج کے موقع پر حضور علیہ السلام کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا، مدینہ میں آکر اس کی اشاعت کی اور پھر سرزمین مدینہ کو اسلام کی آبیاری کے لیے موزوں پاکر حضور علیہ السلام کو ہجرت کی دعوت دی یہ لوگ انصار مدینہ کہلائے اور انہی کے نادار لوگوں کے لیے اللہ نے مال فئے میں سے حصہ مقرر فرمایا ہے

مدینہ کا خطہ تجارتی خطہ تھا اور یہاں کے زیادہ تر باشندے تجارت پیشہ تھے۔ تاہم زرخیز زمین اور پانی بھی موجود تھا جس کی وجہ سے یہ لوگ زراعت پیشہ بھی تھے یہاں کھجوروں کے بڑے بڑے باغ اور غلہ بھی پیدا ہوتا تھا۔ اُن کی تجارت زیادہ تر مصر شام اور فلسطین کے ساتھ ہوتی تھی۔ روم اور یمن کی طرف بھی تجارتی قافلے جاتے رہتے تھے اور اس طرح آپس میں اجناس کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ فارس یا ہندوستان کے ساتھ تجارت یمن کی بندرگاہ کے ذریعے ہوتی تھی۔ اِدھر کا مال اونٹوں کے ذریعے یمن پہنچایا جاتا اور پھر وہاں سے بحری راستے سے ہندوستان کی طرف جاتا۔ اسی طرح وہاں سے آنے والا مال بھی اسی بندرگاہ پر اُتارا جاتا اور پھر زمینی راستے سے اگلے علاقوں میں پہنچایا جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ تجارتی اور زرعی خطہ تھا۔ اور یہاں کے لوگ دونوں قسم کے کام کرتے تھے۔ اِن کو اللہ نے حضور علیہ السلام اور دیگر مہاجرین کی مہمان نوازی کا شرف بخشا۔ اللہ نے اِن لوگوں کے مستحقین کو بھی مالِ فے کی تقسیم میں برابر کا شریک ٹھہرایا ہے۔

مہاجرین سے محبت

آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے انصارِ مدینہ کی مہاجرین سے محبت کا ذکر کیا ہے اور اِن کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ جنہوں نے اُن کی طرف ہجرت کر کے آنے والوں کے ساتھ محبت کی ہے۔ یہ لوگ مہاجرین کی حتی المقدور خدمت کرتے ہیں جو ان کے اخلاص کا بہترین نمونہ ہے۔ فرمایا اِن کی محبت اس قدر پُرخلوص ہے۔ وَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا کہ مہاجرین کو ملنے والی اشیاء کی وجہ سے اپنے دلوں میں کوئی خلش محسوس نہیں کرتے۔ ان کے دل حسد کے مادہ سے پاک ہیں اور انہوں نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ مہاجرین کو تو مل رہا ہے اور وہ محروم رہ رہے ہیں۔ بلکہ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے دین کی خاطر مصائب و آلام برداشت کرتے ہوئے اپنا گھر بار اور مال متاع چھوڑ کر آ گئے ہیں اُن کا زیادہ حق ہے، لہٰذا اُن کے دلوں اور زبانوں پر اس معاملہ میں کبھی حرف

شکایت نہیں آیا۔

اللہ نے انصار مدینہ کی تعریف میں فرمایا کہ وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں۔ اُن کے خلاف حسد نہیں کرتے اور اُن کی تیسری صفت یہ ہے وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وہ اِن مہاجرین کو خود پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود حاجت مند ہوں۔ اسی لیے انصار کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے حُبُّ الْأَنْصَارِ آيَةُ الْإِيمَانِ وَبُغْضُ الْأَنْصَارِ آيَةُ النِّفَاقِ (صحیحین) انصار مدینہ کے ساتھ محبت ایمان کی نشانی ہے جب کہ اُن کے ساتھ بغض اور عداوت رکھنا نفاق کی علامت ہے اللہ تعالیٰ نے تو اُن کے اخلاص کی گواہی دی ہے۔ اب جو کوئی ان سے عداوت رکھے گا۔ وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہوگا۔

انصار کا ایثار

انصار کے مہاجرین کے ساتھ خلوص، محبت اور ایثار کے بہت سے واقعات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے مہاجر بھائیوں کی دل کھول کر مدد کی۔ انہوں نے اپنے مکانات، زمینیں، باغات اور کاروبار سب مہاجرین میں تقسیم کر دیئے۔ حضور علیہ السلام نے مواخات کا بہترین نظام قائم کیا اور ایک ایک انصار اور ایک ایک مہاجر کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ ان دینی بھائیوں نے اپنا اپنا آدھا مکان زمین، باغ مہاجر بھائیوں کو پیش کر دیا۔ اُن کو کاروبار میں شریک کر لیا اور اس طرح اخوتِ اسلامی کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ بخاری شریف میں آتا ہے کہ ان کا یہ بھائی چارہ اس قدر پختہ تھا کہ ابتدائی دور میں ایک دینی بھائی فوت ہو جاتا تو دوسرے کو اس کی وراثت سے حصہ ملتا۔ ترمذی شریف میں آتا ہے کہ مہاجرین زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ تھے جو کھیتی باڑی کرنا نہیں جانتے تھے۔ جب مہاجرین کو کھیتی باڑی میں بھی شریک کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو کھیتی باڑی کرنا جانتے ہی نہیں، ہم سے یہ کام کیسے ہوگا؟ اس پر انصار نے کہا کہ باغات اور کھیتوں میں کام ہم کریں گے مگر اپنے مہاجر بھائی کو پیداوار کا نصف حصہ ضرور دیں گے۔ پھر مہاجرین نے حضور علیہ السلام کے سامنے

ذکر کیا کہ انصار نے ہمارے ساتھ اس قدر ایثار کا سلوک کیا ہے کہ سارا ثواب یہ سمیٹ کر لے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، تم فکر نہ کرو اور اپنے انصار بھائیوں کے لیے دُعا کر دیا کرو اللہ تمھیں بھی اُن جیسا اجر عطا فرمائے گا۔ چنانچہ مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے لیے دُعائیں کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو بہترین اجر عطا فرمائے۔

خود پر مہاجرین کو ترجیح کے واقعات

ترمذی شریف کی روایت میں انصار کے ایثار اور مہاجرین کو خود پر ترجیح کا واقعہ اس طرح بیان ہُوا ہے کہ کسی انصاری کے گھر مہمان آگیا۔ اس وقت صاحبِ خانہ کے پاس صرف اس قدر کھانا تھا جس سے اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے پیٹ بھر سکتے تھے۔ میزبان نے اپنی بیوی سے کہا کہ کسی طرح بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو اور جو کھانا موجود ہے۔ وہ مہمان کو پیش کر دو۔ ساتھ یہ ہدایت بھی کر دی کہ جب کھانا پیش کرو تو چراغ کو گل کر دینا تاکہ مہمان کو علم نہ ہو سکے کہ گھر والے کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ بیوی نے ایسا ہی کیا اور سارا کھانا مہمان کو کھلا دیا۔ پھر جب صبح کے وقت وہ انصاری مسلمان حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تمھاری رات کی مہمان نوازی اور ایثار کا ذکر اللہ نے قرآن میں بیان کر دیا ہے اور پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی خود ضرورت مند ہونے کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

جب بنی نضیر کی جائیدادیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تو حضور علیہ السلام نے انصارِ مدینہ کے سرداران حضرت سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو طلب فرمایا۔ یہ دونوں حضرات قبیلہ اوس اور خزرج کے سردار تھے۔ آپ نے بہت سے لوگوں کی موجودگی میں اِن سرداروں سے فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے ہمیں بنی نضیر سے بہت سامال و اسباب حاصل ہوا ہے۔ مہاجرین کی مالی حالت کمزور ہے، اگر تم اجازت دو تو یہ مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے، اس طرح آپ لوگوں پر مہاجرین کا بوجھ بھی کم ہو جائے گا۔ اُن انصار سرداروں نے بخوشی اجازت دے دی کہ یہ سارا مال

مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے۔ انہوں نے یہ پیش کش بھی کی کہ ہم نے مہاجرین کی امداد کے طور پر جو کچھ اُن کو دے رکھا ہے۔ وہ بھی انہی کے پاس ہی رہے گا۔ اور یہ مال بھی انہی میں تقسیم کر دیا جائے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ یہ بھی انصار کے ایثار کا ایک نمونہ تھا کہ کس طرح انہوں نے مہاجرین کو خود پر ترجیح دی۔

انصار اور مہاجرین کی آزمائش

دین سے محبت اور اُن کے ایثار اور قربانی کی آزمائش انصار اور مہاجرین دونوں گروہوں کی ہوتی رہتی تھی۔ جب بھی اللہ کے دین کے لیے جانی اور مالی قربانی کی ضرورت پڑتی دونوں گروہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے چار سو دینار کی ایک تھیلی خادم کے ہاتھ حضرت ابُوعبیدہ بن جراحؓ کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا کہ یہ امیرالمومنین کی طرف سے تمہارے لیے تحفہ ہے۔ یہ تھیلی پیش کرنے کے بعد خادم حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق تھوڑی دیر کے لیے وہاں ٹھہر گیا انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابُوعبیدہؓ نے ہدیہ قبول کرنے کے تھوڑی ہی دیر بعد یہ رقم محتاجوں میں تقسیم کرنا شروع کر دی۔ سارا مال تقسیم کر دیا اور اپنے لیے ایک دینار بھی نہ رکھا۔ یہ ساری رپورٹ خادم نے واپس آکر حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دی

ایسی ہی ایک تھیلی حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس ہدیتاً بھیجی۔ انہوں نے بھی تھیلی قبول کر لی اور پھر اُسے تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب سارے دینار اختتام کو پہنچنے والے تھے تو آپ کی بیوی نے کہا کہ ہم خود بھی تو مستحق ہیں، کچھ اپنے لیے بھی رکھ لیا ہوتا۔ اُس وقت صرف دو دینار باقی تھے، آپ نے خادم کو فرمایا کہ یہ بیوی کو دے دو۔ پھر یہ رپورٹ بھی حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابُوعبیدہ بن جراحؓ (مہاجر) اور حضرت معاذ بن جبلؓ (انصاری) آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اللہ نے ان کے مزاج بھی یکساں بنا دیے ہیں اور ان دونوں حضرات نے دوسروں کو خود پہ ترجیح دے کر ایثار و قربانی کی مثال قائم کر دی ہے۔

میدانِ جنگ میں مجاہدین کے ایثار اور ایک دوسرے پہ ترجیح کا یہ واقعہ بھی

مشہور ہے۔ کئی زخمی میدان میں پڑے تھے۔ اُن میں سے ایک نے پانی طلب کیا۔
پانی کا پیالہ پیش کیا گیا تو اُس نے دوسرے زخمی مجاہد کی طرف دیکھا جو زخموں کی
شدت سے کراہ رہا تھا۔ اُس کو بھی پانی کی ضرورت تھی۔ پہلے مجاہد نے پانی پلانے
والے کو کہا کہ اُس زخمی کو پانی کی زیادہ ضرورت ہے لہذا یہ پیالہ اس کو پیش کر دو۔
جب وہ آدمی پانی لے کر اُس کے پاس پہنچا تو اُس نے خود پر تیسرے زخمی کو ترجیح
دیتے ہوئے پانی اُس کی طرف بھیج دیا۔ اس طرح چلتے چلتے پانی کا یہ پیالہ ساتویں
زخمی تک پہنچا مگر کسی نے بھی پانی نہ پیا اور سب کے سب اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے،
انہوں نے پانی کی بجائے جام شہادت ہی نوش فرمایا۔ اللہ نے ایسے ایثار پیشہ لوگوں کی
تعریف فرمائی ہے۔ اگر ان میں نفرت اور حسد کا جذبہ ہوتا تو یہ جماعت کبھی ترقی
نہ کر سکتی۔ وہ لوگ کسی کے مال، عزت، عہدہ وغیرہ پر حسد نہیں کرتے تھے بلکہ ایک
دوسرے کے لیے نہایت خلوص کا مظاہرہ کرتے تھے۔

بخل سے بچاؤ

آخر میں اللہ نے فرمایا وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ اور جو کوئی اپنے
نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو یقین جانو فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ بخل بدترین خصلت ہے۔ حضور علیہ السلام کا
ارشاد مبارک ہے اِتَّقُوا الظُّلْمَ وَالْبُخْلَ لوگو! ظلم اور بخل سے بچو۔ دوسروں پر
ظلم و زیادتی کی وجہ سے ہی پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ جن لوگوں نے لوگوں کے خون بہائے
ان کے اموال پر قبضہ کیا۔ وہ اس دنیا میں بھی تباہ ہوئے اور آخرت میں بھی جہنم کے
کندۂ ناتراش بنے۔ اس طرح حرص اور بخل بھی تباہ کن بیماری ہے۔ فرمایا اس سے بچو
ورنہ یہ تمہیں بھی ہلاک کر دے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سعید بن جبیرؒ کی روایت
میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا، یاد رکھو! جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد
کے لیے جا رہا ہے، یا تبلیغ دین کے مشن پر ہے۔ علم دین حاصل کرنے کیلئے
جا رہا ہے یا حج و عمرہ کے سفر پر ہے اور پھر اس کے چہرے پر راستے کا گرد و غبار
پڑ جاتا ہے تو فرمایا کہ یہ گرد و غبار اور دوزخ کا دھواں کبھی ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے

مطلب یہ کہ جس شخص کے چہرے پر اللہ کے راستے میں چلتے ہوئے گرد و غبار پڑے گا۔ وہ کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کے قلب میں ایمان موجود ہے وہاں بخل داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بخل ایمان کے منافی چیز ہے۔ ایسا آدمی مومن نہیں ہوگا۔ بلکہ کافر یا منافق ہوگا۔ مطلب یہ کہ سچے ایماندار کے دل میں بخل نہیں ہوتا۔ تو فرمایا جس کو بخل سے بچا لیا گیا تو ایسے لوگ آخرت میں کامیاب ہوں گے اور ان میں انصار اور مہاجرین دونوں گروہ شامل ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

ترجمہ :- اور اُن لوگوں کے لیے جو آئے اُن کے بعد وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہم کو اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں ۔ اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کھوٹ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ۔ اے ہمارے پروردگار! بے شک تو شفقت کرنے والا مہربان ہے ﴿۱۰﴾

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ نے بنی نضیر کے یہودیوں پر مسلمانوں کے غلبے کا ذکر کیا اور پھر اس ضمن میں مال فئے کے احکام اور اس کی تقسیم کا اصول بیان فرمایا اللہ نے اس مال کے مستحقین کے طور فرمایا کہ اس کے حقدار اللہ اور اس کے رسول اور اس کے قرابتدار ہیں۔ پھر یہ مال یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے ۔ درمیان میں اللہ نے اسلام کے نظام معیشت کا یہ اصول بھی ذکر کر دیا کہ مال و دولت محض دولتمندوں کے درمیان ہی گردش نہیں کرنا چاہیئے ۔ بلکہ اس کا بہاؤ نیچے کی طرف کمزور طبقات تک ہونا چاہیئے ۔ پھر اللہ نے نادار مہاجرین کو حقدار ٹھہرایا جو اپنے گھر بار اور ساز و سامان چھوڑ کر اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کر آئے ۔ پھر اُن انصار مدینہ کا ذکر کیا جنہوں نے مہاجرین کی بڑھ چڑھ کر میزبانی کی اور انہیں ضروریات زندگی کی تمام

چیزیں پیش کر دیں۔ اللہ نے اُن کے اوصاف بھی بیان فرمائے کہ وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور انہیں ملنے والی اشیاء پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی یا حسد کا مادہ نہیں رکھتے۔ فرمایا یہ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اور بخل سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ بخل کی بیماری سے بچ جانے والے لوگ ہی کامیاب ہوتے ہیں۔

انصار اور مہاجرین کے گروہوں کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد اب اللہ نے تیسرے گروہ کا ذکر کیا ہے جو ان دو گروہوں کے بعد میں آنے والے ہیں اور اس کے ساتھ اُن کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے جو وہ اپنے سے پہلے والے بھائیوں کے حق میں کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ اور وہ لوگ بھی مالِ فے کے حقدار ہیں جو مہاجرین اور انصار کے بعد آئے۔ مفسرین کا اس بارے میں قدرے اختلاف ہے کہ بعد میں آنے والوں سے کون سے لوگ مراد ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے ابتدا میں ہی ہجرت کر لی وہ مہاجرین کہلائے۔ اسی طرح جن انصار نے اولین مہاجرین کو سہارا دیا وہ انصار کہلائے، مگر جنہوں نے کچھ عرصہ بعد ہجرت کی اور مدینے کے جو لوگ بعد میں ایمان لائے، یہ دونوں گروہ مِنْۢ بَعْدِهِمْ میں آتے ہیں۔ تاہم صحیح بات یہ ہے کہ مِنْۢ بَعْدِهِمْ میں صرف خیر القرون کے لوگ ہی شامل نہیں بلکہ ان کے بعد قیامت تک آنے والے پوری امت کے لوگ شامل ہیں۔ اس میں وہ طبقہ بھی شامل ہے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لایا۔ پھر اس کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد آنے والے تمام امتی شامل ہیں اور اللہ نے ساری امت کے مستحقین کے لیے مالِ فے میں حصہ رکھا ہے چنانچہ جب عراق اور دیگر ممالک پہ اسلام کا غلبہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے وہاں کی زمینوں کو تقسیم نہیں کیا بلکہ بیت المال کے ساتھ وابستہ رکھا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اسی طرح خیبر کی کچھ زمینیں تو تقسیم کر دی گئی تھیں۔ مگر کچھ بیت المال میں داخل تصور ہوتی تھیں۔ مقصد یہی تھا کہ اگر ان کو تقسیم کر دیا تو یہی

لوگ یا اُن کے وارث فائدہ اٹھائیں گے اور اگر یہ مشترکہ ملکیت میں رہیں تو آیندہ نسلیں بھی اِن سے مستفید ہوسکیں گی۔

متاخرین کی متقدمین کے لیے دعائیں

پھر ان کے بعد میں آنیوالوں کی اللہ نے یہ صفت بیان کی ہے کہ یہ لوگ خواہ اُن کا تعلق قیامت تک کسی زمانے سے ہو، یہ اپنے سے پہلوں کے لیے اس طرح دُعائیں کرتے ہیں۔ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا کہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہماری غلطیوں کو معاف فرمادے۔ وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی بخش دے جنہوں نے ہم سے پہلے ایمان میں سبقت کی۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے جو ایماندار بھائی ہم سے پہلے گزر رہے ہیں۔ اُن کے گناہوں، کوتاہیوں اور لغزشوں سے بھی درگزر فرما۔ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اور ہمارے دلوں میں اُن لوگوں کے لیے کھوٹ نہ رکھ جو ایمان لاچکے ہیں۔ ایک مسلمان کی ہمیشہ یہ دُعا ہونی چاہیئے کہ اس کے دِل میں کسی دوسرے مسلمان کے بارے میں کینہ، بغض، عناد یا عداوت نہ ہو۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت سب مسلمانوں کے لیے ہے جو اگلوں کا حق مانیں اور انہی کے پیچھے چلیں اور اُن سے بَیر نہ رکھیں اور نہ ہی اُن سے دشمنی اور عداوت رکھیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ جو شخص صحابہ کرامؓ سے بغض رکھتا ہے اور اُن کی بدگوئی کرتا ہے، اس کے لیے مالِ فے میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس مال میں حصہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو سابقین کے حق میں بخشش کی دعائیں کرتے ہیں نہ کہ اُن کو گالیاں دیتے ہیں۔ بعد میں آنے والے وہی اس مال کے حقدار ہوسکتے ہیں جو اگلوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ متاخرین کو اس بات کا سختی سے پابند کیا گیا ہے کہ وہ سابقین اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں کوئی منفی لب کشائی نہ کریں، نہ اُن کی عیب جوئی کریں اور نہ بدگوئی کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ متاخرین متقدمین

کے لیے بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ متقدمین کے آپس میں اختلاف اور لڑائی جھگڑے بھی ہوں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان صفین نامی جنگ ہوئی۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان ایک جنگ جنگ جمل کے نام سے بھی مشہور ہے اس کے باوجود متاخرین پابند ہیں کہ وہ متقدمین کے لیے دعائیں کریں۔ فرماتے ہیں کہ ہم سے اُن کے اختلاف کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ بلکہ اختلافات اور تنازعات کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ ہمارے لیے یہی حکم ہے کہ ہم اُن کے لیے بخشش کی دعائیں کریں۔ البتہ اگر ہم اُن سابقین سے عداوت رکھیں گے تو لعنت کے مستحق ہوں گے اور مجرم ٹھہریں گے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ دوسری کتابوں کے حوالے سے اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ کسی نے امام زین العابدینؒ کے سامنے حضرت عثمانؓ پر تنقید کی تو آپ نے پوچھا کیا تم مہاجرین میں سے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا، کیا تم انصار میں سے ہو؟ اس شخص نے پھر نفی میں جواب دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم سابقین کے بارے میں بدگوئی کرتے ہو لہٰذا تم اُس تیسرے طبقے میں بھی نہیں آئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ وہ لوگ جو اِن کے بعد آئے وہ دُعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں معاف کر دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم سے سبقت حاصل کر چکے ہیں۔ بھلا تم بدگوئی کرنے والے اس طبقے میں کیسے شامل ہو سکتے ہو، یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ امام زین العابدینؒ سے ایک لمبی دُعا بھی منقول ہے جس کی ابتداء اِن الفاظ سے ہوتی ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اَصْحٰبِ مُحَمَّدٍ اے اللہ! اپنے نبی کے صحابہؓ پر رحمت نازل فرما۔ پھر آگے دُعا میں اُن لوگوں کی تعریف کی ہے جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے، آپ کی رفاقت کی، ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں اور آپ کی جماعت کو بڑھایا۔ ان لوگوں نے خاندان، قوم، زن و فرزند کو چھوڑا اور دین کی تائید کی۔ خود اپنے عزیز و اقارب سے جنگ کی حتیٰ کہ باپ بیٹا آمنے سامنے آنے سے بھی نہ چُوکے۔ عرض کیا، اے پروردگار! اُن پر رحمت نازل فرما

اور ان کے علاوہ وَالتَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ اُن پر بھی رحمت نازل فرما جو نیکی کے ساتھ اُن کا اتباع کرنے والے ہیں۔ غرضیکہ امام صاحبؒ نے اپنی دعا کے اندر ہی اصحابِ رسول کی تعریف فرمائی۔ لہٰذا اِن بزرگانِ پاک باز کے خلاف لب کشائی کی ہرگز اجازت نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی ہمیشہ تعریف ہی کرنی چاہیئے اور اُن کے متعلق رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ہی کہنا چاہیئے یعنی اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا۔ اگر کوئی شخص اصحابِ رسول کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ ایسا شخص مالِ فَے میں اپنا استحقاق کھو بیٹھتا ہے۔ الغرض فرمایا کہ مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والے لوگ سابقین کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پروردگار! ہمارے دل میں ان کے لیے کھوٹ نہ رکھ۔

امام ابو حنیفہؒ کے استاد امام شعبیؒ نے دیکھا کہ بعض رافضی حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کو برا بھلا کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ تو یہودیوں سے بھی پیچھے رہ گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہودیوں سے پوچھا جائے کہ تمہاری جماعت کے بہترین لوگ کون ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی پوری امت میں بہترین لوگ ہیں۔ اسی طرح جب عیسائیوں سے دریافت کیا جائے کہ تمہاری جماعت کے بہترین لوگ کون ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے حواری بہترین لوگ ہیں۔ جن کو آپ کی رفاقت نصیب ہوئی اور انہوں نے آپ کی مدد کی۔ فرماتے ہیں کہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اگر رافضی سے یہی سوال کیا جائے تو وہ اصحابِ رسول کو بدترین لوگ بتلائے گا۔ اُس کے زعم کے مطابق چار خلفائے راشدینؓ میں سے تین خلفاء نعوذ باللہ ایمان سے ہی عاری تھے۔ رافضی ان کو منافق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصحابِ ثلاثہ اہلِ بیت سے بغض رکھتے تھے۔ اس کے برخلاف حضور علیہ السلام کا فرمان یہ ہے۔ کہ کسی مسلمان کے خلاف بلا وجہ دل میں کھوٹ نہیں رکھنا چاہیئے چہ جائیکہ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لب کشائی کی جائے گی جن کا درجہ تو پوری امت کے لوگوں سے بلند ہے۔

حضرت انسؓ کو ہدایت

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھے خطاب کر کے فرمایا یَابُنَیَّ اے بیٹے! اگر تمہاری صبح اور شام ایسی گزرے کہ تمہارے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کھوٹ نہ ہو تو اس پر کاربند رہو کیونکہ یہ میرا طریقہ ہے۔ اور جو میرا طریقہ اختیار کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا خاص طور پر صحابہ کرامؓ امت کا بہترین طبقہ ہیں۔ جن کے متعلق اللہ نے اپنی رضا کا اعلان فرمادیا ہے دیکھو! قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔ ان بزرگان نے دین کے قیام، جماعت کے استحکام اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت و اطاعت میں ہر چیز قربان کردی، لہٰذا ان کے متعلق دل میں کھوٹ رکھنا منافقت ہی ہوسکتی ہے۔

حرفِ آخر

بہر حال اللہ نے تیسرے طبقے کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے کہ انصار و مہاجرین کے بعد آنے والے تمام طبقات دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہم کو ہماری غلطیاں اور کوتاہیاں، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی معاف کردے جو ہم سے ایمان میں سبقت کرچکے ہیں اور پھر تیری بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں۔ اے پروردگار! ہمارے دلوں میں ان بھائیوں کے لیے کھوٹ، نفرت، یا عداوت نہ رکھ۔ رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اے ہمارے پروردگار بیشک تو بہت ہی شفقت کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ جس طرح تو نہایت ہی شفیق اور مہربان ہے اسی طرح ہمارے دلوں میں سابقین کے لیے شفقت اور رحمت کو رکھ دے، ان کے لیے عداوت اور نفرت کو دور کردے ہم ان کا ذکرِ خیر اور ان کے لیے دعا ہی کریں اور ان کی تعریف ہی بیان کریں۔ احادیث کی تمام کتب میں فضائل صحابہؓ اور فضائل امت کے ابواب موجود ہیں۔ ان بزرگوں کے متعلق زبان سے اچھی بات ہی نکالنی چاہیئے۔ اور ان پر نکتہ چینی، عیب جوئی یا بدگوئی نہیں کرنی چاہیئے۔ غرضیکہ اللہ نے بعد میں آنیوالوں کا دستور العمل بیان کردیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ
مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ
لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾
لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا
لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫
ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ
صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى
مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ
شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ
اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ

لوگوں سے بلند ہے۔

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٧﴾

ترجمہ:- کیا نہیں دیکھا آپ نے اُن لوگوں کی طرف جو منافق ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اپنے بھائی بندوں سے جنھوں نے کفر کیا اہلِ کتاب میں سے کہ اگر تم نکالے گئے اپنے گھروں سے تو ہم بھی ضرور تمھارے ساتھ نکلیں گے۔ اور ہم تمھارے بارے میں کسی کی بات نہیں مانیں گے کبھی بھی۔ اور اگر وہ تمھارے ساتھ جنگ کریں گے تو ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بیشک یہ لوگ جھوٹے ہیں ﴿١١﴾ اگر وہ نکالے گئے تو یہ نہیں نکلیں گے اُن کے ساتھ۔ اور اگر اُن سے جنگ کی گئی تو یہ اُن کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر مدد کریں گے بھی تو پشت پھیر کر بھاگیں گے، پھر کہیں بھی اُن کی مدد نہیں کی جائے گی ﴿١٢﴾ (اے اہلِ ایمان) البتہ تم زیادہ شدید ہو اِن کے سینوں میں خوف کے اعتبار سے بہ نسبت اللہ کے۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ ایسی قوم ہے جو سمجھ نہیں رکھتی ﴿١٣﴾ یہ نہیں لڑیں گے تمھارے ساتھ اکٹھے مگر بستیوں میں جو محفوظ ہیں یا دیواروں کے پیچھے سے۔ ان کی لڑائی آپس میں شدید ہے۔ آپ ان کو گمان کریں گے اکٹھے حالانکہ ان کے دِل جدا جدا ہیں یہ اس وجہ سے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں ﴿١٤﴾ جیسے اُن لوگوں کی مثال جو اِن سے پہلے گزرے ہیں قریب زمانہ

ہیں۔ چکھا انہوں نے وبال اپنے معاملے کا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۵) جیسا کہ مثال شیطان کی کہ جب کہتا ہے انسان کے لیے کہ تو کفر کر، پس جب وہ کفر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ بیشک میں بیزار ہوں تجھ سے۔ میں تو خوف کھاتا ہوں اللہ سے جو رب جہانوں کا پروردگار ہے (۱۶) پس انجام ان دونوں کا یہ ہوا کہ وہ دونوں دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اور یہی ہے بدلہ ظلم کرنے والوں کا (۱۷)

منافقین کی اسلام دشمنی

گذشتہ دروس میں بنی نضیر کے یہودیوں کی بدعہدی اور اُن کے محاسبے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب آج کے درس میں اُن منافقین کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے یہودیوں کو عہد شکنی پر اکسایا اور اہلِ ایمان کے خلاف اُن کی مدد کا وعدہ کیا۔ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے واقعہ کا یہ حصہ پہلے آنا چاہیئے تھا اور سورۃ کا پہلا رکوع اس کے بعد۔ مگر واقعہ کی اہمیت کے پیشِ نظر یہودیوں کی سزایابی کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اُس کے اسباب کا ذکر اب بعد میں آرہا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے جب مسلمانوں نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا تو یہودی قلعہ بند ہو گئے اور اہلِ اسلام کی تمام تر کوشش کے باوجود وہ باہر نکل کر جنگ کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ جب یہ محاصرہ ذرا طول پکڑ گیا تو اس دوران میں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کو مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کا موقع مل گیا اُس نے بنی نضیر کو شہ دی کہ مسلمانوں کے سامنے ہتھیار نہ ڈالنا اور نہ ہی اپنی جلاوطنی قبول کرنا اگر مسلمان تمہیں ملک بدر کریں گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہی نکل کھڑے ہوں گے اور اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنا چاہیں گے تو ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔ ایک اور قبیلہ بنی غطفان بھی مسلمانوں کا شدید مخالف تھا، منافقوں نے بنی نضیر کو یقین دلایا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی صورت میں یہ قبیلہ بھی اُن کی مدد کے لیے پہنچے گا۔

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا کیا تم نے اِن منافقوں کی طرف نہیں دیکھا؟ منافقت کی تاریخ ۲ھ میں شروع ہوئی۔ جنگ بدر کے تھوڑا عرصہ بعد اپنی سازشوں کی وجہ سے بنی قینقاع کے یہودی جلاوطن ہو چکے تھے۔ بنی نضیر جلاوطن ہونے والا دوسرا قبیلہ ہے۔ تیسرا یہودی قبیلہ بنی قریظہ تھا جو اپنی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ۵ھ میں جنگ خندق کے بعد ہلاک کیے گئے۔ فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھی اُن لوگوں کی طرف جو منافق ہوئے۔ يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وہ اہل کتاب میں سے کفر کرنے والے اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں۔ ان سے مراد بنی نضیر کے یہودی ہیں۔ منافقوں کے اُن کے ساتھ تعلقات اور لین دین تھا۔ اس لیے اُن کو بھائی بند کہا گیا ہے اِن یہودیوں سے منافقین نے کہا لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ اگر تمہیں تمہارے گھروں، زمینوں اور باغات سے نکالا گیا لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا اور تمہارے بارے میں کسی کی کوئی بات نہیں مانیں گے۔ نیز کہنے لگے وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ اور اگر مسلمان تم سے جنگ کریں گے تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ غرضیکہ منافقوں نے یہودیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ مگر اللہ نے فرمایا وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ کہ اللہ گواہی دیتا ہے۔ کہ منافق جھوٹے ہیں۔ یہ محض شہ دینے والے ہیں، اگر یہودیوں پر کوئی افتاد پڑی تو وعدہ خلافی کریں گے۔ لَئِنْ اُخْرِجُوْا اگر اُن کو ملک بدر کیا گیا۔ لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ تو یہ منافق ہرگز اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ اور اگر یہودیوں سے جنگ کرنے کا موقع آیا تو منافق اُن کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔ یہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ یہ یہودیوں کو اکسا کر مسلمانوں سے لڑا دیں گے، خود پیچھے رہیں گے اور اُن کو مروا دیں گے وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ اور اگر کبھی یہ بادلِ نخواستہ اُن کی مدد کے لیے نکل کھڑے ہوئے لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ تو پیٹھ پھیر کر بھاگ آئیں گے۔ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ پھر کہیں بھی اِن

کی مدد نہیں کی جائے گی اور اُن کو کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی۔ یہ منافق سازشی لوگ ہیں اور محض سازشیں کرنا جانتے ہیں، یہ کسی کی مدد کرنے اور لڑنے مرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔

اہل ایمان کے لیے تسلی

اللہ نے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ باعتبار خوف تم اُن کے سینوں میں اللہ کی نسبت زیادہ شدید ہو۔ حالانکہ مخلوق کے دل میں خالق کا خوف ہونا چاہیئے۔ مگر یہ لوگ اتنا اللہ سے نہیں ڈرتے جتنا تم سے ڈرتے ہیں۔ اِن کو اپنی کرتوتوں کا علم ہے۔ اور جانتے ہیں کہ اگر اُن کا پردہ فاش ہو گیا۔ تو مسلمان اُن کو نہیں چھوڑیں گے لہٰذا وہ دل میں سخت خوف محسوس کرتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ اپنے نفع نقصان کو نہیں پہچانتے اور خفیہ سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ جن کا ایک نہ ایک دن ظاہر ہونا لازمی ہے اور پھر یہ اپنی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے پکڑے جائیں گے۔ اگر اِن لوگوں میں نفاق کی بجائے اللہ کا خوف ہوتا تو ایسی شرارتیں نہ کرتے۔ اس کے برخلاف مسلمانوں میں جرأت کا جو مادہ پیدا ہوا ہے وہ اُن کے ایمان کی وجہ سے ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ منافق لوگ یہودیوں کو کتنی بھی شہ دے لیں لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا وہ سارے مل کر بھی تم سے جنگ نہیں کریں گے۔ اگر بادلِ نخواستہ انہیں مقابلہ کرنا بھی پڑا تو کھل کر سامنے آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اِلَّا فِىْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ بلکہ محفوظ بستیوں یا دیوار کے پیچھے سے مطلب یہ ہے کہ اگر ان پر جنگ ٹھوپ ہی دی جائے تو یہ قلعہ بند ہو جائیں یا کسی دیوار، پہاڑ، یا درخت کی آڑ لے کر تیر چلاتے رہیں گے۔ یہ لوگ میدان میں نکل کر دست بدست لڑائی نہیں لڑ سکتے کیونکہ اِن کے دلوں میں تمہارا رعب بیٹھ چکا ہے۔ اِن کے دلوں میں وہ ایمان کی روشنی ہی نہیں جو مسلمانوں کے پاس ہے۔ اہل ایمان تو ذاتی مفاد سے ہٹ کر خدا کی رضا کے لیے میدان میں اُترتے ہیں؛ انہیں دینِ اسلام کی سربلندی مطلوب

ہوتی ہے اور وہ آخرت پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں مگر یہودی ان چیزوں سے محروم ہیں اس لیے وہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ بے مثال جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے خلاف بہت سی جنگیں لڑی ہیں مگر یہ لوگ کبھی میدان میں نکل کر مقابلہ نہیں کرتے۔ صلاح الدین ایوبیؒ کا دور دیکھ لیں۔ عیسائیوں کا کردار سخت ظالمانہ تھا۔ یہ لوگ ترکوں کے ساتھ آمنے سامنے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے لہٰذا انہوں نے آتشیں اسلحہ تیار کیا تاکہ وہ چھپ چھپا کر ہی وار کرتے رہیں۔ حضرت مولانا شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ہمارے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اہل یورپ نے مسلمانوں کی تلوار سے عاجز آکر آتشیں اسلحہ اور نئے نئے طریق جنگ ایجاد کیے۔ چنانچہ آج دنیا میں جدید ترین ہتھیار از قسم بندوق، توپ، راکٹ، میزائل، ایٹم بم اور طرح طرح کے کیمیائی ہتھیار ہیں جن کی زد میں آکر لاکھوں بے گناہ شہری لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ جرمنی، روس اور برطانیہ ہیتا اور یہ بم برساتے رہے ہیں۔ امریکہ نے جاپان پر تاریخ کا پہلا ایٹم بم برسایا۔ یہ ظالم تو بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر بھی حملہ آور ہونے سے باز نہیں آتے۔ یہ سب دھوکے اور فریب کا کاروبار کر رہے ہیں۔ یہ لوگ کبھی آمنے سامنے مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ دھوکے سے اوپر سے پتھر، تیزاب یا بوتل بم پھینک سکتے ہیں۔ یہ کوئی بہادری کا کام نہیں بلکہ محض فتنہ و فساد ہے۔

یہود یہ اندر ہی خائف

فرمایا اندرونی طور پر ان کا حال یہ ہے بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ان کی آپس کی لڑائی شدید ہے۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار رہتے ہیں تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى آپ گمان کرتے ہیں کہ یہ لوگ آپس میں اکٹھے ہیں۔ حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں یہ بظاہر تو ایک دوسرے کے ساتھ متفق نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے دل نااتفاقی کا شکار ہیں۔ چونکہ ان کے مقاصد مختلف ہیں۔ لہٰذا یہ کسی معاملے میں متفق نہیں ہو سکتے۔ فرمایا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل و سمجھ سے عاری ہیں۔ یہ دین توحید سے

محروم ہیں اور آخرت کے متعلق بھی ان کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ ان کے پیش نظر محض دنیاوی عیش و عشرت یا حصولِ اقتدار ہے۔

فرمایا کَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِیْبًا ان یہودیوں کی مثال قریب زمانے کے لوگوں کی سی ہے۔ قریب زمانے میں بنو قینقاع کی جلاوطنی کا واقعہ پیش آچکا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تو انہیں اپنے گھر بار اور اموال سے ہاتھ دھونا پڑے اس سے پہلے بدر کے مقام پر مشرکوں کا انجام بھی سب کے سامنے تھا۔ وہ بڑی سج دھج اور شان و شوکت کے ساتھ اہلِ ایمان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلے تھے مگر ان کا بدترین انجام تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو گیا۔ فرمایا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ انہوں نے اپنے معاملے کا وبال چکھ لیا۔ انہوں نے اپنی اسلام دشمنی کا نتیجہ نہ صرف اس دنیا میں پالیا بلکہ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب بھی تیار ہے۔

منافقوں کی مثال

اگلی آیت میں اللہ نے منافقوں کی مثال بھی بیان فرمائی ہے کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ ان کی مثال شیطان کی سی ہے۔ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ وہ انسان کو اکساتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کر دے فَلَمَّا كَفَرَ پھر جب انسان ایسا کر گزرتا ہے قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں، تو جان اور تیرا کام۔ مجھے تیرے اس کفر اور اس کے نتیجے سے کچھ واسطہ نہیں ہے اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ میں تو سارے جہانوں کے پروردگار سے خوف کھاتا ہوں کہ کہیں اس کی گرفت میں نہ آجاؤں۔ شیطان کا کام یہی ہے کہ وہ آدمی کو برے راستے پر لگا دیتا ہے جب وہ اس پر چل نکلتا ہے تو آپ الگ ہو جاتا ہے اور اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شیطان کے بتلائے ہوئے راستے پر چلے گا۔ وہ نقصان ہی اٹھائیگا۔

میدانِ بدر میں شیطان کی کارگزاری معلوم ہے۔ وہ سردارانِ قریش کے پاس بنی کنانہ کے سردار کی شکل میں آیا اور انہیں جنگ پر اکسایا۔ پھر جب دیکھا کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتے اتر رہے ہیں تو دم دبا کر بھاگا، اور کہنے لگا کہ

مجھے خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں میری اپنی جان ہی نہ ضائع ہو جائے۔ مشرک پیچھے سے آوازیں دیتے رہے کہ کہاں جا رہے ہو، ادھر آؤ، مگر وہ بھاگ گیا۔ منافقوں کا بھی یہی حال ہے، جس طرح بوقت ضرورت شیطان بھاگ جاتا ہے اسی طرح یہ بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ مدنی دور میں کتنے ہی ایسے واقعات پیش آئے کہ منافق مسلمانوں کے سامنے مدینے سے نکلے مگر راستے سے ہی کسی بہانے سے واپس آ گئے۔ غزوہ احد کی مثال اس ضمن میں کافی ہے۔ عبداللہ بن ابی تین سو ساتھیوں کے ساتھ نکلا تھا مگر میدانِ احد میں پہنچنے سے پہلے ہی واپس لوٹ آیا۔

قرآن میں موجود ہے کہ قیامت والے دن جب لوگ شیطان کو ملامت کریں گے کہ تو نے ہمیں وسوسہ اندازی کر کے دھوکے میں ڈالا اور برائی پہ آمادہ کیا، اب ہماری مدد کرو، تو وہ کہے گا کہ میں نے تمہیں کفر، شرک یا معصیت پہ مجبور تو نہیں کیا تھا، میں نے تو صرف وسوسہ اندازی کی تھی، باقی غلط کام تو تم نے خود کیے۔ اب میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم (ابراہیم - ۲۲) اب مجھے ملامت نہ کرو۔ بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو کہ ہم نے شیطان کی بات کو کیوں مانا۔ شیطان اُس وقت برأت کا اظہار کر دے گا۔

فرمایا منافقوں کی مثال شیطان کی ہے کہ جب وہ انسانوں سے کفر کروا لیتا ہے تو اُن سے برأت کا اعلان کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت کا خوف ہے۔ اللہ نے فرمایا فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا پس ان دونوں یعنی شیطان اور منافقین کا انجام یہ ہوا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا کہ دونوں جہنم رسید ہوئے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ فرمایا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ظلم کرنے والوں کا بدلہ یہی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کفر اور شرک سب سے بڑے ظلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ - ۲۵۴) اور کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں۔

نیز فرمایا إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمٰن - ۱۳) شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ تو فرمایا، ان ظالموں کا یہی انجام ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

درس ہشتم ۸ — آیت ۱۸تا۲۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور چاہیئے کہ دیکھے ہر نفس کہ اس نے آگے کل کے لیے کیا بھیجا ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ باخبر ہے اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو ﴿۱۸﴾ اور نہ ہونا اُن لوگوں کی طرح جنہوں نے فراموش کر دیا اللہ تعالیٰ کو، پس اللہ نے اُن سے اُن کی جانوں کو بھلا دیا۔ یہی لوگ ہیں نافرمان ﴿۱۹﴾ نہیں برابر دوزخ والے اور جنت والے۔ جنت والے لوگ ہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں ﴿۲۰﴾

پہلے اللہ نے منافقوں اور اہلِ کتاب کا ذکر فرمایا کہ یہ دونوں گروہ نافرمانوں میں شامل ہیں، اور شیطان، کے بہکاوے کا شکار ہو چکے ہیں۔ پھر اللہ نے نافرمانوں کا انجام بھی بیان فرمایا، اور اہلِ ایمان کو خبردار کیا کہ وہ نافرمانوں کی روش سے

اپنے آپ کو بچائیں۔

آخرت کی فکر

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو خطاب فرمایا ہے۔ یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اِتَّقُوا اللّٰہَ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ مطلب یہ کہ منافق اور اہلِ کتاب تو خدا تعالیٰ اور آخرت سے بے خوف ہو چکے ہیں مگر تم ایسے نہ ہو جانا۔ اور دوسری بات یہ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ اور ہر نفس کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے کل کیلئے کیا آگے بھیجا ہے۔ پھر فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے اُن کاموں کی جو تم کرتے ہو اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، وہ تمہارے ذرہ ذرہ عمل سے واقف ہے اور پھر اپنی اعمال کے مطابق جزا و سزا کا فیصلہ کریگا۔

تقوٰی کا مفہوم

اس آیت کریمہ میں اِتَّقُوا اللّٰہَ کا لفظ دو دفعہ آیا ہے جس کا معنیٰ ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ پہلے تقوٰی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے ڈر کر اس کی اطاعت اختیار کرو اور اس کے مقرر کردہ فرائض و واجبات کو ادا کرو اور دوسرے تقوٰی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے معاصی سے بچ جاؤ۔ کفر، شرک، نفاق اور کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کرو جو اللہ کے غضب کو دعوت دینے والا ہو۔ غرضیکہ پہلے تقوٰی میں اوامر و نواہی کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ کے احکام بجا لاؤ اور دوسرے تقوٰی میں گناہوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلا تقوٰی عام ہے یعنی عام لوگوں کے لیے حکم ہے کہ وہ حدود شریعت کی حفاظت کریں، اور دوسرا تقوٰی خاص لوگوں کے لیے ہے جو عام منہیات سے بچنے کے علاوہ مشتبہات اور مکروہات سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو پہلی بات عوام کے تقوٰی کے لیے اور دوسری خواص کے تقوٰی کے لیے ہے بہر حال یہ بنیادی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کی جائے اور معاصی سے بچنے کی کوشش کی جائے اس میں ایک بات یہ بھی آتی ہے

کہ اللہ سے ڈرو اور نیکی کا کام صحیح طریقے سے انجام دو ورنہ اعمال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے بعض فرماتے ہیں کہ پہلا تقویٰ یہ ہے کہ اعمالِ حسنہ انجام دو اور برائی سے بچو، اور دوسرا تقویٰ یہ ہے کہ اعمال کو دیکھو کیونکہ وہی اعمال کارآمد ہوں گے جو صحیح اور کھرے ہوں گے۔ کھوٹے اعمال کام نہیں دیں گے جن میں ریا، شہرت، بدعقیدگی یا کفر و شرک کی آلائش پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں کو دیکھ رہا ہے، وہ ان سب کو جانتا ہے، لہٰذا ہر نیک عمل خلوصِ نیت سے کرو تاکہ وہ مفید ہو۔

عربی زبان میں غد کا معنیٰ آنے والا کل ہے یعنی وہ وقت جس سے پہلے ایک رات آتی ہو۔ مثلاً آج کے دن کے بعد رات آئے گی اور رات کے بعد جو دن آئے گا۔ وہ آج کے لحاظ سے کل ہے۔ کبھی کل سے مراد مطلق آنے والا وقت ہوتا ہے یعنی عربی زبان میں غد کا لفظ مستقبل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے عربی ادب میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً ؎

؎ تَرْجُوا غَدًا وَغَدًا كَحَامِلَةٍ فِي الْحَيِّ لَا يَدْرُوْنَ مَا تَلِدُ

تم کل کی امید رکھتے ہو مگر کل تو اس حاملہ عورت کی طرح ہے جس کے متعلق کچھ علم نہیں کہ وہ کیا جنے گی۔

؎ وَاَعْلَمُ مَا فِي الْيَوْمِ وَالْاَمْسِ قَبْلَهٗ
وَلٰكِنَّنِيْ عَنْ عِلْمِ مَا فِيْ غَدٍ عَمِ

میں تو آج کی بات جانتا ہوں اور جو کل گزر گیا ہے اس کے بارے میں بھی۔ لیکن جو کل آنے والا ہے اس کے علم سے بے خبر ہوں

؎ اَعَاذِلُ مَا يُدْرِيْكِ اِنَّ مَنِيَّتِيْ
اَيَّةَ سَاعَةٍ فِي الْيَوْمِ اَوْ فِيْ ضُحَى الْغَدِ

مجھے ملامت کرنے والو تم کیا جانتے ہو کہ میری موت کس گھڑی واقع ہوگی، آج یا کل دوپہر کے بعد آئے گی۔

کُلُّ ابْنِ اُنْثیٰ وَاِنْ طَالَتْ سَلَامَتُہٗ
لَا بُدَّ یَوْمًا عَلیٰ اٰلَۃِ الْحَدْبَاءِ مَحْمُوْلٗ

ہر عورت کا بیٹا اگرچہ اُس کی سلامتی کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو، اُسے ایک نہ ایک دن ٹیڑھے آلے (جنازے کی چارپائی) پر سوار ہونا ہے گویا شاعر نے موت کو کل کے لفظ سے دردناک لہجے میں بیان کیا ہے۔

یَا لَہْفَ نَفْسِیْ عَلیٰ غَدٍ
اِذَا رَاحَ اَصْحَابِیْ وَلَسْتُ بِرَائِحٖ

مجھے کل کے دن پر افسوس ہے جب کہ میرے ساتھی واپس آجائیں گے مگر میں پلٹ کر نہیں آسکوں گا۔

مَتیٰ یَحْمِلُ رَاحَۃً مَنْ عُمْرُہٗ
یَوْمَانِ یَوْمُ قِلیٰ وَّیَوْمُ تَنَائِیْ

وہ آدمی راحت کی اُمید کب رکھ سکتا ہے اپنی عمر میں جس کی زندگی کے صرف دو دن ہیں ایک دن تو ناراضگی میں گزر جاتا ہے اور دوسرا جدائی میں۔

لَا اَمْسِیْ مِنْ عُمْرِ الزَّمَانِ وَلَا غَدٍ
جُمِعَ الزَّمَانُ فَکَانَ یَوْمُ رِضَاکَ

میری عمر میں نہ تو گزرے ہوئے کل کا کچھ اعتبار ہے اور نہ آنے والے دن کا۔ اگر زمانے کو اکٹھا کیا جائے تو وہی وقت صحیح ہو سکتا ہے جس میں تیری رضا حاصل ہو جائے۔

بہرحال غد کا لفظ کبھی تو مطلق زمانے پر بولا جاتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق اگلے دن پر ہوتا ہے۔ تاہم اس آیت میں آمدہ کل سے قیامت کا دن مراد ہے اور قیامت کو کل کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح آنے والا کل یقینی ہے، اسی طرح قیامت کا آنا بھی یقینی امر ہے۔

مسلم اور مسند احمد میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی منذ ابن جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے تھے، دن کا ابتدائی حصہ یعنی پہلا پہر تھا کہ کچھ لوگ ایسے وارد ہوئے جن کے جسموں پر پھٹے پرانے کپڑے تھے اور وہ پاؤں سے بھی برہنہ تھے۔ اُن لوگوں نے اپنی تلواریں گلے میں لٹکائی ہوئی تھیں۔ ان کی اکثریت قبیلہ مضر سے معلوم ہوتی تھی۔ یہ مسلمان مجاہد تھے۔ مگر نہایت شکستہ حالت میں، نہ تن پر کپڑا اور نہ پاؤں میں جوتا۔ حضور علیہ السلام نے اُن کو دیکھا۔ تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ یہ لوگ فاقہ زدہ معلوم ہوتے تھے۔ آپ گھر تشریف لے گئے، پھر باہر آئے اور بلالؓ سے کہا، اذان کہو کیونکہ زوال کا وقت ہو چکا تھا۔ اذان کہی گئی، پھر ظہر کی نماز ادا ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اور سورۃ النساء کی پہلی آیت تلاوت فرمائی یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔۔۔ الآیۃ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا جن میں سے کچھ مرد بنا دیے اور کچھ عورتیں اللہ سے ڈرتے رہو کہ وہ تم پر نگران اور محافظ ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ پھر آپ نے لوگوں کو ترغیب دلائی کہ ان مساکین کے لیے صدقہ پیش کریں۔ جس کے پاس درہم ہے وہ درہم دے، جس کے پاس اناج ہے وہ ایک صاع اناج یا کھجوریں لے آئے یا توفیق ہے تو کپڑا لائے۔ چنانچہ مجمع میں سے ایک شخص اپنے گھر سے نقدی کی ایک تھیلی بھر لایا جس کو وہ بمشکل اٹھا رہا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں دو ڈھیر لگ گئے ایک ڈھیر کپڑوں کا اور دوسرا اناج کا۔ صحابی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک چمک رہا تھا۔ جیسا کہ سونے کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ آپ خوش ہو گئے کہ اب ان مجاہدوں کا کام بن جائے گا۔ اس طرح گویا حضور علیہ السلام نے انسانی ہمدردی کا پروگرام سمجھا دیا۔

صدیق اکبرؓ کا خطبہ

طبرانی نے ایک حدیث بیان کی ہے، جس کو امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ یہ دراصل حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے۔ لوگو!
اَمَا تَعْلَمُوْنَ اِنَّكُمْ تَغْدُوْنَ وَتَرُوْحُوْنَ لِاَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ فَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّقْضِيَ الْاَجَلَ فِيْ عَمَلِ اللّٰهِ فَلْيَقْضِ وَلَنْ تَنَالُوْا ذٰلِكَ اِلَّا بِاللّٰهِ
کیا تم نہیں جانتے کہ تم صبح کرتے ہو اور پچھلا پہر کرتے ہو ایک مقررہ وقت کیلئے پس تم میں سے جو آدمی استطاعت رکھتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایسے اعمال انجام دے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں تو اُسے ایسا کر گزرنا چاہیئے (کیونکہ یہ مقررہ وقت ایک دن ختم ہو جاتا ہے) اور تم یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر انجام نہیں دے سکتے۔ لہٰذا ہر وقت خدا تعالیٰ سے نیک اعمال کی توفیق طلب کرنی چاہیئے۔
آپ نے یہ بھی فرمایا اِنَّ قَوْمًا جَعَلُوْا اٰجَالَهُمْ لِغَيْرِهِمْ جن لوگوں نے اپنی زندگی کی پونجی اللہ کی رضا کی بجائے دوسرے کاموں میں صرف کر دی قَدِمُوْا عَلٰى مَا قَدَّمُوْا انہوں نے اپنی زندگی میں جو کچھ آگے بھیجا تھا، اُس کے بدلے میں اُن کے حصے میں شقاوت ہی آئے گی کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کے اوقات کو ضائع کر دیا، اور جن لوگوں نے اللہ کی رضا والے کام کیے وہ سعادت مند ہوں گے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ پرانے جبار لوگ کہاں گئے؟ جنہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے تھے اور اُن کے گرد دیواریں بنائیں مگر آج وہ پتھروں کے نیچے گڑھوں میں پڑے ہیں اور کوئی اُن کا پرسانِ حال نہیں کسی کو کچھ علم نہیں کہ عالمِ برزخ میں اُن کے ساتھ کیا معاملہ پیش آرہا ہے۔ فرمایا لوگو! هٰذَا كِتٰبُ اللّٰهِ لَا تَفْنٰى عَجَائِبُهٗ فَاسْتَضِيْئُوْا مِنْهُ یہ اللہ کی کتاب قرآن حکیم ہے جس کے عجائبات کبھی فنا نہیں ہوں گے لہٰذا اِس کتاب سے روشنی حاصل کرو یعنی اس کی چمک اور اُس کے بیان سے قیامت کے تاریکی والے دن کے لیے روشنی حاصل کرو۔
فرمایا، اللہ نے قرآن میں حضرت زکریا علیہ السلام اور اُن کے گھرانے کا ذکر کیا ہے اور اُن کی تعریف فرمائی ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (الانبیاء - ۹۰)
یہ لوگ نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے اور ہمیں پکارتے تھے رغبت رکھتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے - اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، یادرکھو! لَا خَيْرَ فِىْ قَوْلٍ لَا يُرَادُ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ وَلَا خَيْرَ فِىْ مَالٍ لَا يُنْفَقُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا خَيْرَ فِىْ مَنْ يَّغْلِبُ جَهْلُهٗ حِلْمَهٗ ایسی بات میں کوئی بہتری نہیں جس سے اللہ کی رضا مراد نہ ہو - اور اُس مال میں کوئی بہتری نہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا جاتا، اور اُس آدمی میں کوئی بہتری نہیں جس کی جہالت اُس کی بردباری پر غالب ہو - آپ نے یہ بھی فرمایا لَا خَيْرَ فِىْ مَنْ يَّخَافُ فِى اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ اور اس شخص میں بھی کوئی بہتری نہیں جو اللہ کے معاملے میں ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف کھاتا ہے - اس خطبے میں مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کی تشریح آگئی ہے کہ انسان کے ساتھ کل قیامت کو جو معاملہ پیش آنے والا ہے اُس نے اُس کے لیے کیا آگے بھیجا ہے -

اگلے جہان کی تیاری

غور کرو اس لحاظ سے بھی قیامت کا دن کہہ سکتے ہیں کہ اِس پوری دنیا کا کُل زمانہ ایک دن ہے، اور قیامت کا زمانہ ایک دن ہے - اِسی لیے بعض بزرگانِ دین نے فرمایا ہے اَلدُّنْيَا يَوْمًا یہ ساری دنیا ایک دن کی مانند ہے جس دن میں ہم نے روزہ رکھا ہوا ہے، یعنی جس طرح روزے کی حالت میں لغویات سے پرہیز کیا جاتا ہے اسی طرح اس دُنیا کی پوری زندگی میں برائیوں سے گریز کرتے ہیں - اگر آج یہ دنیا ہے تو کل آخرت آنے والی ہے - اور پھر یہ بات سمجھادی گئی ہے کہ ہر شخص نے قیامت یعنی دوسرے ملک کی طرف جانا ہے - کسی دوسرے ملک میں جانا ہو تو اُس کے لیے پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت ہوتی ہے اور وہاں کے اخراجات کے لیے رقم بھی جمع کرانی پڑتی ہے تاکہ دوسرے ملک میں اخراجات کے لیے وہاں کی کرنسی حاصل کی جا سکے - فرمایا یاد رکھو! دوسرے جہان میں جانے کے لیے

پاسپورٹ اور ویزہ کلمہ توحید اور ایمان ہے۔ اور پھر اگلے جہان کی کرنسی تقویٰ اور اعمال صالحہ ہیں۔ یہ چیزیں اللہ کے خزانے میں جمع کراؤ تاکہ جب اگلے جہان میں پہنچو تو تمھیں وہاں کی کرنسی حاصل ہو سکے۔ اگر یہاں کچھ جمع نہیں کراؤ گے تو وہاں بھی کچھ نہیں ملے گا، بلکہ الٹا رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عالمِ برزخ تو ایک انتظار گاہ ہے جب کہ اصل منزل آگے آ رہی ہے۔ دنیا کی زندگی کسب اور عمل کا نظام ہے یہاں پر جس قدر ہو سکے کما لو، اور یہاں جمع کر کے آگے خدا کے خزانے میں بھیج دو۔ تاکہ وہاں تمھیں آخرت کی کرنسی حاصل ہو سکے۔

خدا فراموشی کی ممانعت

اللہ نے قیامت کے لیے سامان تیار کرنے کی تلقین کے بعد فرمایا وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کا ذکر اور اس کی طرف توجہ کرنا ہی چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ پس اللہ تعالیٰ نے اُن سے اُن کی جانوں کو فراموش کر دیا یعنی وہ اپنی جانوں کے لیے بھلے کی کوئی بات نہ کر سکے۔ وہ دنیا میں ایسے کام کرتے رہے جن سے اُن کی اپنی جانوں کو کچھ فائدہ نہ ہو بلکہ وہ غیروں کے لیے کام کرتے رہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خطبے سے واضح ہوتا ہے۔ فرمایا أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ مطلب یہ ہے، کہ جو لوگ اس دنیا کی زندگی میں خدا تعالیٰ کو فراموش کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے نفع نقصان کو بھی نہیں سمجھ سکتے، یہی لوگ فاسق ہیں

پھر فرمایا، یاد رکھو! لَا يَسْتَوِيٓ أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ دوزخ والے اور جنت والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اور یقین جانو أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُونَ جنت میں جانے والے لوگ ہی مراد کو پہنچنے والے ہیں، آخرت میں یہی لوگ فائز المرام ہوں گے، جب کہ جہنم میں جانے والے ناکام ہو کر ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ:- اگر ہم نازل کرتے اِس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو البتہ دیکھتے آپ اُس کو خشوع کرنے والا اور پھٹ جانے والا اللہ کے خوف سے۔ اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور و فکر کریں ﴿۲۱﴾

پہلے اللہ نے نافرمانوں کا حال بیان کیا اور پھر ایمان والوں کی توجہ مستقبل اور قیامت کی طرف دلائی، اور آئندہ زندگی کے لیے سامان آگے بھیجنے کی تلقین کی۔ نیز فرمایا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ انسانوں کے تمام اعمال اُس کی نگاہ میں ہیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ دوزخ والے ناکام اور جنت والے فائز المرام ہوں گے۔ آگے نافرمانوں کا شکوہ بیان ہو رہا ہے اور ایمان والوں کو بات سمجھائی جا رہی ہے۔

قرآنِ حکیم اللہ کا کلام ہے جس میں قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے راہِ ہدایت موجود ہے مگر نافرمان لوگ اس کو سُنتے تو ہیں، اس کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ حقیقت میں یہ سنگدلی کی علامت ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ کافروں کے دل بڑے سخت ہیں۔ یہ کلام سن کر بھی ایمان نہیں لاتے، حالانکہ قرآن کریم وہ کلام ہے کہ اگر پہاڑ بھی اس کو سمجھ جائیں تو اس کی عظمت و جلال کے سامنے دب جائیں یعنی عاجزی کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے لَوْ اَنْزَلْنَا

هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر بھی نازل کرتے لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ تو آپ دیکھتے اُس کو عاجزی کرنے والا اور پھٹ جانے والا اللہ کے خوف سے۔ یہاں پر لفظ جبل نکرہ لایا گیا ہے۔ یعنی کوئی پہاڑ۔ پہاڑ مٹی اور پتھر کا بہت بڑا ٹیلہ ہوتا ہے۔ بعض پہاڑ سرسبز ہوتے ہیں اور اس پر درخت، جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں اور بعض پہاڑ بالکل خشک ہوتے ہیں۔ تاہم پہاڑ ایک جامد چیز ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ اگر ہم پہاڑ جیسی ٹھوس چیز پر بھی اپنا کلام نازل فرماتے تو یہ اللہ کی ہیبت و جلال کو برداشت نہ کر سکتا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے علاوہ روئے زمین پر ۶۶۷ بڑے بڑے پہاڑ ہیں اور اللہ کا فرمان ہے کہ ان میں سے کسی بھی پہاڑ پر وہ اپنا کلام نازل فرماتا تو اس کی یہی حالت ہوتی جو بیان کی گئی ہے۔

انسانوں اور پہاڑوں میں یہ فرق ہے کہ پہاڑ ایک جامد چیز ہے جو عقل و شعور اور حس و حرکت سے خالی ہے۔ اس کے برخلاف انسان کو اللہ تعالیٰ نے حواس خمسہ ظاہرہ اور حواسِ باطنہ، حس مشترک، وہم خیال، قوتِ متفکرہ اور عقل و شعور سے نوازا ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ اگر یہ چیزیں پہاڑوں میں بھی ہوتیں تو وہ کلام الٰہی کو سن کر عجز و نیاز مندی کا اظہار کرتے اور خوفِ خدا سے ریزہ ریزہ ہو جاتے مگر اس کے علی الرغم پہاڑوں کے اثر قبول کرنے کا ثبوت موجود ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ کا فرمان ہے وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (آیت۔ ۷۴) کہ ان پہاڑوں کے پتھروں میں بعض ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور اُن سے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ اگر پہاڑوں میں بھی انسانوں جیسا شعور ہوتا تو وہ اللہ کے کلام کو سُن کر اس کے خوف سے دب جاتے مگر افسوس کا مقام ہے کہ صاحب شعور انسان کے دل پر اس قرآن کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

انسان کی سنگدلی

شاہ عبدالقادرؒ نے لکھا ہے کہ کافر تو ویسے ہی سنگدل ہیں مگر عام طور پر

اہلِ ایمان بھی ایسے ہی ہیں کہ کلامِ الٰہی کو سُن کر ان پر وہ اثر نہیں ہوتا جو ہونا چاہیئے۔ اللہ نے انسان کو عقل و شعور، فہم سے مزین کر کے بڑی باکمال ہستی بنایا ہے۔ مگر اُس پر کلام الٰہی کا اثر نہیں ہوتا۔ اس معاملہ میں ہنود، یہود، مجوس، نصاریٰ اور مسلمانوں کی اکثریت برابر ہیں۔ غیر اقوام کا تو قرآن پر ایمان ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اُن پر اس کا اثر انداز نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے لیکن آج کا مسلمان بظاہر تو قرآنِ پاک کی بڑی عزت و احترام کرتا ہے، ریشمی غلاف میں بند کر کے اور اس پر خوشبو لگا کر اونچی جگہ رکھتا ہے، اس کی طرف پیٹھ نہیں کرتا۔ مگر اس سے اثر قبول نہیں کرتا۔ اللہ کے کلام پر ایمان لانے والے اگر اس کو پڑھتے اور سمجھتے تو ضرور ان پر اثر ہوتا اور پھر وہ اس پر عمل بھی کرتے۔ قرآن پاک کی اثر انگیزی کے نمونے قرونِ اولیٰ کے مسلمان پیش کر چکے ہیں جن کی زندگیوں میں اس قرآن پاک کی وجہ سے عظیم انقلاب آیا اگر آج کے مسلمان بھی اس کی طرف توجہ کریں اور اس کا اثر قبول کریں تو ان کی زندگی میں انقلاب آ سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان حدیث میں موجود ہے اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بعض لوگوں کو بامِ عروج پر پہنچاتا ہے اور بعض کو پست کر دیتا ہے۔ کتاب موجود ہے مگر ایمان اور عمل صحیح نہیں، لہٰذا لوگ پستی میں جا رہے ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ اپنی تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم اور پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارکہ کی مثال عمدہ قسم کی غذا کی ہے۔ اگر یہ غذا تندرست جسم میں جائیگی تو جسم میں مثبت اثرات پیدا کریگی۔ جسم میں خون پیدا کرنے اور جسمانی قویٰ کی مضبوطی کا باعث ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر یہی غذا بیمار جسم میں جائے گی تو بیماری میں اضافے کا باعث ہی بنے گی۔ اللہ نے منافقوں کے متعلق فرمایا ہے فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ (التوبہ-۱۲۵) یعنی قرآنی آیات اُن کی پہلے سے موجود گندگی میں اضافہ ہی کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ قرآن پاک کے متعلق مزید شک و تردد میں پڑ جاتے ہیں اور بالآخر اُس کا انکار ہی کر دیتے ہیں۔ شاہ صاحب

فرماتے ہیں قرآن اور پیغمبر کی ذات سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے انسان کی روح اور مزاج کو درست کرنا ضروری ہے۔ جب تک انسان کے جسم سے فاسد مادوں کو اسہال وغیرہ کے ذریعے انسانی جسم سے نکال نہ دیا جائے اُس وقت تک کوئی دوائی جسم پر اثر نہیں کرتی۔ اسی طرح انسان کے دل و دماغ سے فاسد اخلاق، تعصبات، باطل عقائد، باطل رسوم اور جہالت کو نکالنا ضروری ہے۔ جب تک یہ چیزیں انسان کی روح میں موجود ہیں، اللہ کے کلام اور نبی کی زبان سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بھی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان خواہشات اور شہوات میں ڈوبا ہوا ہے اس وقت تک اُس کے لیے قرآن مفید نہیں ہو سکتا۔ قرآن خدا کا کلام ہے اور برحق ہے۔ نبی کی زبانِ مبارک بھی پاک ہے مگر انسان خود اپنے بُرے اخلاق کی وجہ سے اِن چیزوں سے متاثر نہیں ہو پاتا۔

فساد کے راستے

پرانے بزرگوں میں دوسری تیسری صدی کے بزرگ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ فساد پانچ راستوں سے مخلوق میں آتا ہے۔ پہلا راستہ ہے ضعف النیۃ بعمل الآخرۃ یعنی آخرت کے اعمال کے بارے میں انسانوں کی نیت کمزور ہوتی ہے، حالانکہ وہ دنیا کے عمل تو پکی نیت سے انجام دیتے ہیں مگر آخرت والے کام بے یقینی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ فساد کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ انسانوں کے اجسام اُن کی خواہشات کی سواریاں بنی ہوتی ہیں اور وہ خواہشات نفسانی کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں کہ فساد کا تیسرا راستہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی تو مختصر ہے مگر وہ آرزو لمبی رکھتے ہیں اور لمبی لمبی سکیمیں بناتے ہیں۔ یہی چیز لوگوں کو بگاڑ میں ڈالے رکھتی ہے اور وہ قرآن کی طرف توجہ ہی نہیں دے سکتے۔ چوتھا راستہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ اللہ کی رضا پر مخلوق کی رضا کو مقدم رکھتے ہیں اُن کو ہمیشہ یہی فکر لاحق رہتی ہے کہ لوگ ناراض نہ ہو جائیں خدا چاہے راضی ہو یا ناراض۔ پھر فرماتے ہیں کہ فساد کا پانچواں راستہ یہ ہے کہ لوگ خواہشات میں پڑ کر سنتِ نبویؐ کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اکثر لوگ خوشی اور غمی کے مواقع پر

سنت کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ خواہشاتِ نفسانی کا ہی اتباع کرتے ہیں اور چھٹا سبب یہ ہے کہ اکثر لوگ سلف کی معمولی سی لغزش کو بھی اپنے لیے بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور اُن کی خوبیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہودیوں نے اسی لیے انبیاء پر اعتراضات کیے تاکہ لوگ اُن کو بُرا نہ کہیں۔ جب لوگ اُن کی برائیوں پر اعتراض کرتے تو وہ کہتے کہ اللہ کے نبی بھی تو ایسا کرتے رہے ہیں، لہٰذا اگر ہم نے ایسا کام کر لیا تو کون سا حرج ہو گیا۔ بہر حال حضرت ذوالنون مصریؒ نے انسانی اخلاق و اعمال میں فساد کے اِن چھ ذرائع کی نشاندہی کی ہے۔

شاہ ولیؒ کا فلسفہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب تک انسان اس دنیا میں رہتا ہے اُس پر مادیت غالب رہتی ہے۔ اور اس مادیت کے اثر سے انسان بالکل اسی طرح بیہوش رہتا ہے جس طرح کسی آدمی کو کلوروفارم سونگھا دیا گیا ہو۔ ایسا کرنے سے انسان بے حس ہو جاتا ہے اور پھر اگر آپریشن کر کے اُس کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ بھی دیا جائے تو اُسے محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسان پر مادیت کا کلوروفارم چڑھا ہوا ہے جب تک اس کا اثر باقی ہے انسان کو بُرے اعمال کی وجہ سے اُس کی ملکیت پر ہونے والا دکھ درد محسوس نہیں ہوتا۔ اس بے حسی کو ختم کرنے کے لیے دو طریقے ہیں۔ اگر انسان کی طبعی موت واقع ہو جائے تو مادیت کا خول اُتر کر اصلی انسان ظاہر ہو جاتا ہے اور پھر اس کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ انسان عبادت و ریاضت کے ذریعے مادیت یا حیوانیت کے اثر کو کم کرے تاکہ بے حسی ختم ہو کر اصلی چیز ظاہر ہو جائے۔ اسی لیے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی زندگی کے دوران بہیمیت اور ملکیت کی کشمکش جاری رہتی ہے اور انسان کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کی بہیمیت کمزور ہو کر ملکیت میں اضافہ ہو، یہی وہ مقصد ہے جس کے حصول کے لیے ہم کوئی کوشش نہیں کرتے۔ اگر کوئی محنت کرتے بھی ہیں تو وہ اس قدر قلیل مقدار میں ہوتی ہے کہ بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان پر مادیت کا خول غالب ہے۔

اُس پر قرآن کی آواز اور نبی کا فرمان اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

غور و فکر کی دعوت

الغرض! اللہ تعالیٰ نے انسان کے متعلق یہ شکوہ کیا ہے کہ وہ اللہ کے عطا کردہ تمام کمالات کے باوجود اس قدر سنگدل واقع ہوا ہے کہ وہ قرآن حکیم کا اثر قبول نہیں کرتا۔ فرمایا اگر ہم یہ قرآن پہاڑوں پر نازل کرتے اور اُن میں انسانوں جیسا شعور ہوتا تو وہ اس کو سن کر ریزہ ریزہ ہو جاتے یعنی اللہ کے خوف سے ڈر جاتے فرمایا وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔ اور اس کا مقصد یہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ تاکہ وہ غور و فکر کریں اور اللہ کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آگے سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔ تاہم اس درس میں نافرمانوں کا شکوہ ہی بیان کیا گیا ہے کہ اُن پر کلامِ الٰہی کی عظمت کا اثر نہیں ہوتا اور وہ اس کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔

درس دہم ۱۰ آیت ۲۲ تا ۲۴

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰىؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾ ع

ترجمہ :- وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کو ۔ وہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے ﴿۲۲﴾ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ، بادشاہ ، پاک ، سلامتی والا ، امن دینے والا ، نگرانی کرنے والا ، زبردست ، دباؤ ڈالنے والا اور عظمت کا مالک ہے ۔ پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ اس کا شریک بناتے ہیں ﴿۲۳﴾ وہی اللہ ہے جو پیدا کرنے والا ، بنانے والا ، تصویر کھینچنے والا ہے ۔ اس کے نام ہیں بھلے ۔ پاکی بیان کرتی ہے اس کے لیے جو چیز ہے آسمانوں میں اور زمین میں ۔ وہ زبردست اور حکمتوں والا ہے ﴿۲۴﴾

ربط آیات

بنی نضیر کی غداری کے نتیجہ میں اہلِ ایمان نے اُن کو جلا وطن کر دیا

اور اُن کی زمینوں، باغات اور گھروں پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس سلسلہ میں مالِ فے کی تقسیم کا قانون بیان ہوا۔ پھر آخر میں اللہ نے انسانوں کو جزائے عمل کی طرف متوجہ کیا۔ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم لوگوں کے متفاوت ہونے کا ذکر ہوا۔ اللہ نے لوگوں کی غفلت اور کوتاہی پر تنبیہ کی اور کتابِ الٰہی کی عظمت اور اُس کی تاثیر کو بیان کیا۔ فرمایا کہ اگر یہ قرآن پہاڑوں پر نازل ہوتا تو وہ بھی خشیتِ الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے مگر انسان میں جتنی اکثریت اثر قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ یہ ایسے سنگدل ہیں کہ اللہ کے کلام کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔

معرفتِ الٰہی

کتاب اللہ کی عظمت بیان کرنے کے بعد اب اللہ نے اپنی عظمت اور صفات کا تذکرہ فرمایا ہے کیونکہ قرآنِ حکیم کو نازل کرنے والا خود وہی ہے۔ مفسرین کرام یہ بات اس طرح سمجھاتے ہیں کہ انسان سعادت مند یا نیک بخت اُس وقت ہوتا ہے جب اس کی قوتِ نظری یا عقلی اور قوتِ عملی بھی صحیح ہو۔ اس کے بغیر انسان کو سعادتمندی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور قوتِ نظری اُس وقت صحیح ہوتی ہے۔ جب انسان اپنے پروردگار کو پہچانے اور اُس کی توحید کو ماننے لگے۔ جس شخص کی قوتِ عقلی صحیح نہیں ہے وہ بدبخت ہوگا۔ اس لیے اللہ نے سورۃ کے آخر میں اپنی عظمت اور صفات کا ذکر کیا ہے، اور انہی صفات سے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

توحیدِ خداوندی

ارشاد ہوتا ہے هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ مستحقِ عبادت ہونے کے لیے بعض صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً عبادت کے لائق وہ ذات ہو سکتی ہے جو واجب الوجود ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اُس کا وجود مستعار ہے یعنی کسی کا دیا ہوا ہے تو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ الٰہ وہ ہوگا جس کا وجود خود بخود ہے۔ الوہیت کے لیے دوسری صفت خلق ہے یعنی وہ ہر چیز کا خالق ہو اور خود کسی کا پیدا کردہ نہ ہو۔ پھر وہ رب ہو یعنی اس میں صفتِ ربوبیت پائی جائے۔ وہ ہر چیز کو بتدریج درجہ کمال تک پہنچانے والا ہو۔ اور چوتھی صفت تدبیر ہے کہ وہ ہر چیز کا مدبر ہو۔ اُسے ہر چیز پر تصرف حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (الزمر-۶۲) وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس صفت کو دہریوں کی ایک قلیل تعداد کے علاوہ تمام مذاہب والے تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ کی ذات ہی وہ واحد ذات ہے جس میں الوہیت کی تمام صفات پائی جاتی ہیں۔ اُس کے سوا ساری مخلوق عاجز ہے اور اُسی کے در کی سوالی ہے۔ لہٰذا مستحق عبادت بھی وہی ہے، اور کوئی نہیں۔

علم غیب و حاضر

فرمایا عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جاننے والا ہے۔ لفظِ غیب مخلوق کے اعتبار سے ہے کیونکہ خدا تعالیٰ سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اُس کے لیے تو ہر چیز ظاہر ہے۔ بہرحال اُس کا علم ہر چیز پر محیط ہے خواہ وہ کائنات کے کسی بھی کونے میں ہو۔ اللہ کا فرمان ہے وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّکَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (یونس-۶۱) زمین و آسمان کی کوئی ذرہ بھر چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔ فرشتے ہوں یا جنات، انسان ہوں یا عالمِ بالا کی کوئی اور مخلوق، کوئی بھی غیب دان نہیں ہے۔ انسانوں سے ملائکہ اور جنات غائب ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار ایسی اشیاء ہیں جو انسان کی عقل یا آنکھ کی نگاہ میں نہیں آتیں۔ مگر پروردگار کے علمِ محیط سے کوئی بھی باہر نہیں ہے۔ غرضیکہ محسوسات اور غیر محسوسات، مادی اور غیر مادی اشیاء سب کی سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اسی واسطے فرمایا کہ وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ صفات

ھُوَ الرَّحْمٰنُ وہ نہایت مہربان ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہی کا کرشمہ ہے۔ کہ اس نے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے اور پھر آخر میں قرآن کریم نازل کر کے اُسے قیامت تک کے لیے قابلِ عمل بنا دیا۔ یہ بھی اُس کی مہربانی ہے کہ اُس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے بے شمار پیغمبر بھیجے اور پھر آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر سلسلہ نبوت بند کر دیا۔ اُس نے سعادت مندی کے حصول کے تمام اسباب مہیا کیے۔ اور پھر اگر خود انسان ہی اُن سے استفادہ حاصل نہ کرے تو اس کی اپنی بدبختی ہے۔ وہ اَلرَّحِیْمُ یعنی نہایت رحم کرنے والا بھی ہے

وہ اپنی صفتِ رحیمیت کی وجہ سے اپنے بندوں کی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے۔ اس جملے کو اپنے ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ معبودِ برحق صرف اللہ کی ذات ہے اِن صفات کی حامل کوئی دوسری ذات نہیں۔ لہٰذا عبادت کے لائق بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ اس توحید کے بغیر نہ انسان کو کمال حاصل ہو سکتا ہے اور نہ نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے بغیر نجات کا دروازہ ہی بند ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک نام اَلْمَلِكُ بھی ہے۔ وہ بادشاہ ہے اور حقیقی بادشاہت اُسی کی ہے۔ دُنیا کی بادشاہت ناپائیدار ہے مگر جس کو یہ حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ خدا کے سامنے اکڑ جاتا ہے اور اسے نسلاً بعد نسلٍ چلانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ کوئی سلطنت کتنی بھی مضبوط ہو۔ بالآخر زوال پذیر ہو جاتی ہے اور حقیقی بادشاہ وہی ہے جس کی بادشاہت ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گی، دنیا کی عارضی حکومت اور اقتدار وہی تقسیم کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اس عارضی اقتدار کو کسی دوسری طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اس کا فرمان ہے مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (آل عمران - ۲۶) وہ جس کو چاہتا ہے حکومت، ملک اور سلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے مسولینی اپنے زمانے کا بہت بڑا ڈکٹیٹر تھا مگر جب اس کو زوال آیا تو لوگوں نے اُس کی لاش کو کتوں کی طرح گھسیٹا۔ قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتیں ختم ہو گئیں، دنیا کا فاتح سکندر نہ رہا۔ فرعون کی بادشاہت خاک میں مِل گئی۔ یہ سب اُسی وحدہٗ لاشریک کا کارنامہ ہے جس کی شہنشاہی کو کبھی زوال نہیں، حقیقی مَلک اور بادشاہ وہی ہے۔

فرمایا اس کی ذات اَلْقُدُّوْسُ ہے یعنی وہ تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔ وہ اَلسَّلٰمُ یعنی سلامتی والا ہے۔ خود قائم و دائم ہے اور دوسروں کو سلامتی عطا کرتا ہے اور سلامتی میں رکھتا ہے۔ وہ اَلْمُؤْمِنُ یعنی امن دینے والا اور تصدیق کرنے والا ہے۔ وہ اپنے نبیوں اور ایمانداروں کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ

پرندوں کو بھی امن دیتا ہے کہ احرام کی حالت میں کوئی شخص جانوروں یا پرندوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ وہ اَلْمُهَيْمِنُ بھی ہے اسی صفت کی بنا پر وہ ہر چیز کی نگرانی کرتا ہے اور اُس کو حفاظت میں رکھتا ہے وہ اَلْعَزِيْزُ بھی ہے یعنی زبردست ہے اور کمالِ قدرت کا مالک ہے۔ فرمایا وہ اَلْجَبَّارُ بھی ہے جس کا معنیٰ دباؤ ڈالنے والا بھی آتا ہے اور تلافی کرنے والا بھی۔ وہ جس پر چاہتا ہے دباؤ ڈالتا ہے اور جس چیز کی چاہتا ہے تلافی کر دیتا ہے۔ انسان دُعا کرتے ہیں مولا کریم وَاجْبُرْنِیْ یعنی میری شکستگی کی تلافی فرمائے اور میری کمزوریوں کو دور فرمائے۔ اُس معبودِ برحق کی ایک صفت اَلْمُتَكَبِّرُ بھی ہے۔ ساری بڑائی اسی کی شان کے لائق ہے جب کہ ساری مخلوق درماندہ اور عاجز ہے۔ تکبر، بڑائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کو ہی سزاوار ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ عظمت میری چادر ہے اور کبریائی میرا تہبند ہے۔ جو ان کو اوڑھنا چاہے گا۔ میں اُس کو ذلیل کر دوں گا۔ یہ چیز انسان یا کسی بھی مخلوق کے لائق نہیں۔ سعدی صاحبؒ نے بھی کہا ہے۔

مر او را رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

بڑائی اور عظمت تو اسی ذات کے لائق ہے جس کی بادشاہی پرانی ہے اور اُس کی ذات بے نیاز ہے۔ اللہ نے اپنے نبی کو بھی یہی حکم دیا ہے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (المدثر۔ ۳) اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو۔

فرمایا سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے جن کو یہ اُس کا شریک بناتے ہیں۔ بعض لوگ مثلاً مجوسی یا ثنوی وغیرہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک بناتے ہیں اور دو یا زیادہ خداؤں کو تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی باپ، بیٹا اور روح القدس کا ہے یعنی وہ تین خداؤں کو مانتے ہیں بعض دو خدا مانتے ہیں۔ ایک خیر کا اور دوسرا شر کا۔ ایک نور کا اور ایک

ظلمت کا، علیٰ ہٰذا القیاس۔ البتہ اکثر و بیشتر لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کا شریک بناتے ہیں۔ بعض علم میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور بعض قدرت میں۔ بعض اللہ کی دیگر صفات میں اُس کا شریک بناتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ وہ تمام عیوب و نقائص اور ہر قسم کے شریکوں سے پاک ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد۔ وہ نہ کھاتا پیتا ہے اور نہ سوتا اور اونگھتا ہے۔ اس میں کمزوری والی کوئی بات نہیں پائی جاتی بلکہ وہ صفاتِ کمال کا مالک ہے اور تمام شرکاء سے پاک ہے۔

مزید صفاتِ الٰہیہ

پھر فرمایا هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ وہ اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس صفت کو تمام مذاہب والے تسلیم کرتے ہیں اَلْبَارِئُ وہ بنانے والا ہے یعنی کسی چیز کو چھیل تراش کر خوبصورت شکل و صورت میں بنا دیتا ہے۔ یہ تراش خراش کا مادہ صفتِ باری کے ساتھ مخصوص ہے۔ درخت کے ایک پتے کو ہی دیکھ لیں یا کسی پتھر کو ملاحظہ کر لیں، اللہ نے اُس کی بناوٹ کس انداز سے کی ہے ایک درخت کے تمام پتے بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں اور اُن کی کاٹ چھانٹ میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کی اسی صفت کا شاہکار ہے۔

فرمایا اُس کی ذات اَلْمُصَوِّرُ بھی ہے۔ وہ انسانوں، جانوروں، چرندوں اور پرندوں سب کی شکلیں کمال درجے کی بناتا ہے۔ چنانچہ حقیقی مصور خدا تعالیٰ کی ذات ہی ہے، اسی لیے کسی انسان کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ کسی جاندار کی تصویر بنائے اگر ایسا کرے گا تو خدا تعالیٰ کی صفت مصور کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس چیز کی تصویر بنائی ہے۔ اب اس میں جان بھی ڈالو۔ جب وہ ایسا نہیں کر سکے گا تو ہر تصویر کے بدلے سخت سزا ملے گی۔ ہاں اگر کوئی تصویر بنانا ہی چاہتا ہے تو بے جان چیز پہاڑ، درخت، عمارت وغیرہ کی تصویر بنا سکتا ہے جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے۔ کہ یہ اللہ کی صفت مخصوصہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَعَنَ اللّٰهُ

اَلْمُصَوِّرِیْنَ مصوروں پر خدا کی لعنت ہے۔ مگر آج کی دنیا میں تصویر کے بغیر کوئی کام ہی نہیں چلتا۔ تصویر کے بغیر تو لوگ اخبار نہیں پڑھتے اور اب ٹیلیویژن نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔ اب تو علماء کی تقریروں اور جلسوں کی بھی ویڈیو بن رہی ہیں، گویا تصویر زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکی ہے۔ یہ سب ملعون چیزیں ہیں۔ اصل مصور تو اللہ ہے هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ (آل عمران - ۶) جو شکم مادر میں تمھاری تصویر کشی کرتا ہے اور جس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ جو شخص اللہ کی اس صفت کے ساتھ مشابہت پیدا کرے گا وہ مجرم ٹھہرے گا۔

فرمایا لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اللہ تعالیٰ کے بھلے نام ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (آیت - ۱۱۰) اللہ تعالیٰ کو اس کے ذاتی اسم اللہ کے ساتھ پکارو یا اسم رحمٰن کے ساتھ، جس کے ساتھ بھی پکارو اس کے سارے ہی نام بھلے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ ان میں سے جس نام کے ساتھ کوئی اللہ کو یاد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔ صحیحین کی روایت میں یہ بھی آتا ہے اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں، جو ان کو زبانی یاد کرے گا۔ جنت میں داخل ہو گا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا یُسَبِّحُ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پاکی بیان کرتی ہے اس کے لیے جو چیز بھی ہے آسمانوں اور زمین میں، انسان جن، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، سمندر کی مچھلیاں یا آسمانی مخلوق اللہ کے فرشتے سب کے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (آیت - ۴۴) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے

البتہ انسانوں میں آکر دو گروہ بن جاتے ہیں۔ بعض تو اپنے اختیار اور ارادے سے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جیسے اہل ایمان۔ اور بعض شرک کرتے ہیں۔ حالانکہ اُن کے سائے خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اُن کے اعضاء جوارح خدا کی تسبیح بیان کرتے ہیں مگر خود ناشکر گزار ہی رہتے ہیں۔

فرمایا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور کمال قدرت اور کمالِ قوت کا مالک ہے۔ بہرحال آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں سے غالب اور حکمت والا ہونا بیان کیا ہے۔ پہلی صفت اس کے کمالِ قدرت پر دلالت کرتی ہے جب کہ دوسری کی بنیاد کمالِ علم پر ہے۔ اِن دو صفات کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔

فضائل آیات آخرہ

مسند احمد اور ترمذی شریف کی حدیث میں حضرت معقل بن یسارؓ سے مروی ہے کہ اس سورۃ مبارکہ کی آخری تین آیات بڑی فضیلت والی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص صبح و شام أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ تین دفعہ پڑھیگا، اور پھر تین آیات سورۃ حشر کی آخری پڑھیگا۔ بشرطیکہ عقیدے میں فساد نہ ہو بلکہ صحیح ایماندار ہو، تو اگر وہ رات کو اِن آیات کی تلاوت کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کرے گا جو اُس کے لیے صبح تک دعائیں کرتے رہیں گے۔ اور اگر وہ اس دوران مر گیا تو شہادت کا درجہ پائے گا۔ اور جو شخص اِن آیات کو صبح کے وقت پڑھیگا اُس کا بھی یہی مرتبہ ہو گا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اِن آیات کو اپنا وِرد بنالے اور صبح شام تین تین دفعہ پڑھ لیا کرے۔

سورة

الممتحنة

(مكيّة)

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ
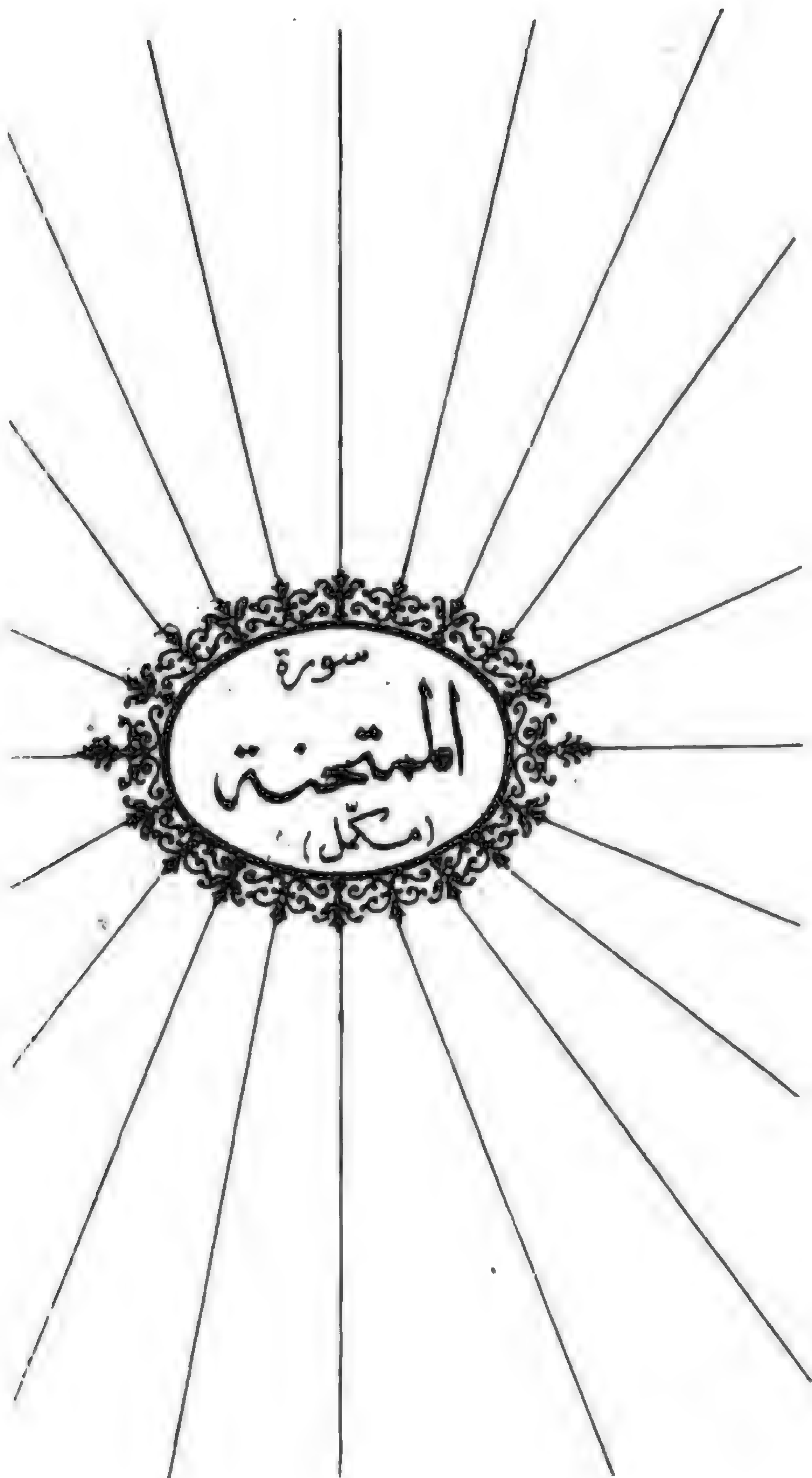
سورۃ الممتحنہ مدنی ہے۔ اور یہ تیرہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا اور بے حد مہربان ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۤ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست۔ ڈالتے ہو تم ان کی طرف دوستی کا پیغام حالانکہ انہوں نے کفر کیا ہے اُس چیز کے ساتھ جو تمہارے پاس آئی ہے حق سے۔ نکالتے ہیں وہ اللہ کے رسول کو اور تمہیں بھی (اپنے گھروں سے) اس وجہ سے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم نکلے ہو جہاد کرنے کے لیے میرے راستے میں اور میری رضا کی تلاش کے لیے تو پھر تم کس طرح پوشیدہ طور پر اُن کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں جانتا ہوں اُس چیز کو جس کو تم چھپاتے ہو اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور تم میں سے جس نے یہ کام کیا، پس بیشک وہ بہک گیا سیدھے راستے سے (۱) اگر وہ قابو پالیں تم پر تو وہ تمہارے دشمن ثابت ہوں گے، اور پھیلائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو برائی کے ساتھ۔ اور وہ پسند کرتے ہیں کہ تم بھی کسی طرح کفر کرنے لگ جاؤ (۲) ہرگز نہیں فائدہ پہنچائیں گے تم کو تمہارے رشتے اور نہ تمہاری اولادیں قیامت کے دن۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اُن کو دیکھتا ہے (۳)

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الممتحنہ ہے جو کہ امتحان کے مادہ سے ہے اس سورۃ کی آیت نمبر ۱۰ میں اُن عورتوں کو بیعت لینے سے پہلے اچھی طرح جانچ لینے کا حکم ہے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں تاکہ پتہ چل سکے کہ اُن کی ہجرت کا مقصد اسلام لانے کے سوا کوئی اور تو نہیں۔ اس لحاظ سے اِس

سورۃ کا نام سورۃ ممتحنہ رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ مدنی زندگی میں صلح حدیبیہ کے بعد ۸ھ کے قریب نازل ہوئی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سورۃ احزاب اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اس سورۃ کی تیرہ آیات اور دو رکوع ہیں اور یہ سورۃ ۳۴۸ الفاظ اور ۱۵۱۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

پچھلی سورۃ میں اللہ نے کافروں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا تھا۔ خواہ وہ خدا کے دشمن یہودی ہوں یا نصاریٰ۔ یہاں پر بھی اللہ نے کافروں سے عدم دوستی اور منافقوں کی چالبازیوں سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے یہ لوگ دین کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اس سورۃ میں اللہ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصی ذکر فرمایا ہے اور ان کا اسوہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

شانِ نزول

ابتدائی آیات میں کافروں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے اور یہ ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان معاہدہ حدیبیہ دس سال کی مدت کے لیے کیا گیا تھا مگر مشرکین اُسے ایک سال تک بھی نہ نباہ سکے۔ اور اس کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان عہد شکنوں کو سبق سکھانے کا ارادہ کیا۔ اور اس بات کو عام لوگوں تک پہنچے بغیر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ حضور علیہ السلام کی خواہش تھی کہ مکہ پر اچانک حملہ کر دیا جائے تاکہ مشرکین کو تیاری کا موقع نہ مل سکے۔ اس دوران حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ سے ایک شدید غلطی ہو گئی۔ یہ صحابی خاندان قریش میں سے تو نہیں تھے مگر مکہ کے باشندے تھے۔ یہ خود تو ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے مگر ان کے بیوی بچے اور مال و اسباب مکہ ہی میں تھے۔ اکثر مہاجرین کے رشتہ دار تو مکہ میں موجود تھے جو ان کے مفادات کی نگرانی کرتے تھے۔ مگر حاطبؓ کا کوئی رشتہ دار بھی مکہ میں نہیں تھا جو اُن کے بچوں اور اموال کی نگہداشت کرتا۔

چنانچہ انہوں نے قریش کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے ان کو مسلمانوں کے ارادے سے بذریعہ خط آگاہ کرنا چاہا۔ ان دنوں بنو عبدالمطلب کی ایک آزاد کردہ لونڈی مدینے آئی ہوئی تھی۔ جب وہ واپس مکے جانے لگی تو حضرت حاطبؓ نے اُسے قریش مکہ کے نام خط لکھ کر دے دیا۔ اس خط میں مسلمانوں کے بعض راز افشا کیے گئے تھے۔ جن میں مکہ پر حملہ کا ذکر بھی تھا۔ بخاری اور مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں یُخْبِرُ بِبَعْضِ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی اس خط میں حضور علیہ السلام کے بعض امور کی خبر دی گئی تھی۔ بہرحال مسلمانوں کے مکہ پر حملہ کی اطلاع کر دی گئی مگر ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے یقین ہے کہ اگر حضور علیہ السلام تن تنہا بھی آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کو غالب کر دے گا۔

جب وہ عورت خط لے کر مدینہ سے روانہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وحی کے ذریعے مطلع کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ کو اس عورت کے پیچھے جانے کا حکم دیا۔ اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ وہ عورت تمہیں روضہ خاخ پر ملیگی، اس سے وہ خط لے آؤ۔ یہ حضرات گھوڑے دوڑاتے ہوئے جب اُس مقام پر پہنچے تو عورت کو جا لیا۔ اُس سے خط کا مطالبہ کیا تو اُس نے انکار کیا۔ حضرت علیؓ نے سختی سے کہا کہ اگر تو نے یہ خط خود بخود نہ دیا تو تمہاری جامہ تلاشی لینا پڑے گی۔ وہ عورت خوفزدہ ہو گئی۔ اس نے اپنے بالوں کے نیچے چھپایا ہوا خط دے دیا۔ جسے لا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

خط کا مضمون پڑھ کر حضور علیہ السلام نے حضرت حاطبؓ کو طلب کیا اور اس کے سامنے خط کھول کر رکھ دیا اور باز پرس کی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضور! اجازت دیں تو میں اس منافق کا سر قلم کر دوں مگر آپ نے منع کر دیا۔ حضرت حاطبؓ کہنے لگے کہ حضور! جلدی نہ کریں، پہلے میری بات سن لیں اس کے بعد جو چاہیں حکم دیں۔ حضرت حاطبؓ نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے

عرض کیا کہ جب سے میں ایمان لایا ہوں اسکے خلاف کبھی کوئی بات نہیں سوچی۔ میں نہ کافر ہوا ہوں، نہ مشرک اور نہ مرتد بلکہ اللہ کے دین پر پوری طرح قائم ہوں۔ بات یہ ہے کہ قریش مہاجرین کے تو مکے میں عزیز و اقارب ہیں جن کی وجہ سے مکے والے ان کا لحاظ کرتے ہیں مگر میرا وہاں کوئی عزیز نہیں ہے جسکی بنا پر مجھے خطرہ ہے کہ وہ میرے بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ میں نے مکے والوں کو ممنونِ احسان بنانے کیلیے یہ خط لکھا ہے، ورنہ مجھے اسلام کی حقانیت میں کوئی شبہ نہیں بلکہ یقین ہے کہ اللہ آپ کو ضرور فتح عطا فرمائے گا۔ لہذا آپ میری خطا کو معاف کر دیں۔ حضور علیہ السلام نے صحابی کی اس صفائی کو قبول کیا اور فرمایا کہ یہ بدری صحابی ہے جن کے متعلق اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ میں نے اُن کی لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اُس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کیا۔

دشمن سے دوستی کی ممانعت

اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے صحابی کو سخت ڈانٹ پلائی۔ اور کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا چاہے کسی کی نیت ٹھیک ہی کیوں نہ ہو۔ اور ساتھ یہ بھی کہ قرابتداری کی وجہ سے ایمان میں ضعف نہیں آنا چاہیئے بلکہ ایمان کو ہر چیز پر مقدم رکھنا چاہیئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ کافر خدا کے بھی دشمن ہیں کیونکہ اُس کی توحید کو نہیں مانتے اور تمھارے بھی دشمن ہیں کیونکہ تمھاری جان کے درپے ہیں۔ لہذا ان کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ اس قسم کے احکام سورۃ آل عمران، سورۃ توبہ اور بعض دیگر سورتوں میں بھی دیے جا چکے ہیں کہ کسی کافر کو دلی دوست نہ بناؤ۔ اُن کے ساتھ تجارت اور دیگر معاملات کیے جا سکتے ہیں اخلاق کے ساتھ پیش آ سکتے ہیں۔ مگر اُن کے ساتھ رازداری کا معاملہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس سے دین کے نقصان کا خطرہ ہے۔ فرمایا تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ تم اُن کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، اور مسلمانوں کے راز کی بات اُن تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہ ملک و قوم سے غداری کے مترادف ہے اور یہ کام

کسی مسلمان کے لیے ہرگز مناسب نہیں

عدم دوستی کی وجوہات:

فرمایا یہ حکم اس لیے دیا جارہا ہے وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ کہ انہوں نے اس دین حق کا انکار کر دیا جو تمہارے پاس آچکا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے دشمن ہیں اس کے نازل کردہ دین کے بھی دشمن ہیں۔ ان کی کارروائی یہ ہے يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ کہ یہ رسول کو بھی نکالتے ہیں اور تمہیں بھی۔ یہ واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے کہ کافروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ کے نبی کو جلا وطن کر دیا یا قید کر دیا جائے یا پھر قتل ہی کر دیا جائے۔ بالآخر قتل پر اتفاق ہوا اور لوگ تلواریں سونتے حضور علیہ السلام کے گھر سے باہر نکلنے کا انتظار کرتے رہے۔ مگر اللہ نے وحی کے ذریعے کفار کی اس سازش سے آگاہ کر دیا۔ اور آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیدیا۔ اس طرح مکے میں رہتے ہوئے تمہارے اوپر بھی عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے تم بھی ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ اور تمہارا اس کے سوا کیا جرم تھا۔ کہ اَنْ تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ تم اللہ پر ایمان لائے جو تمہارا پروردگار ہے۔ اسی جرم کی پاداش میں وہ تمہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ ذلت ناک سلوک کرتے تھے حتیٰ کہ کتنے ہی مسلمان مرد اور عورتوں کو شہید کر دیا گیا۔ آخر تمہارا کیا قصور تھا؟ یہی کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو۔ اصحاب الاخدود کے واقعہ میں بھی اسی طرح بیان فرمایا وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (البروج - ۸) ان بیچاروں کا اس کے سوا کیا قصور تھا کہ وہ اللہ عزیز و حمید پر ایمان لائے تھے۔ اسی طرح تمہارا بھی یہی قصور ہے جس کی بناء پر کفار مکہ نے تمہیں مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

پھر اللہ نے براہ راست حضرت حاطبؓ کے خط کی طرف اشارہ کیا۔ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ اگر تم جہاد کرتے ہوئے میرے راستے میں نکلے ہو، اور میری خوشنودی کی تلاش میں ہو، تو پھر تم تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ کس طرح پوشیدہ طور پر ان کی طرف دوستی کا

پیغام بھیجتے ہو۔ تم اُن کے ساتھ کئی معرکوں میں جنگ بھی کر چکے مگر پھر اس دوستی کے پیغام کا کیا مقصد؟ اللہ نے فرمایا وَاَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَمَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ حالانکہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، وہ تو تمہارے سینوں کے رازوں اور نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے، تم اُن کے ساتھ دوستی کیسے کرتے ہو؟ بہر حال اللہ نے صحابی کو سخت ڈانٹ پلائی تاہم اُس کا عذر بھی قبول کیا کہ اُس کا مقصد جاسوسی نہیں بلکہ اپنے بچوں کی حفاظت کا انتظام کرنا تھا۔ فرمایا وَمَنۡ یَّفۡعَلۡهُ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ تم میں سے جس نے کبھی ایسا کام کیا تو سمجھ لو کہ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹک گیا۔

کافروں کی اسلام دشمنی

فرمایا تم تو اُن کے ساتھ دوستی کا اظہار کرتے ہو، مگر اُن کافروں کا حال یہ ہے اِنۡ یَّثۡقَفُوۡكُمۡ یَكُوۡنُوۡا لَكُمۡ اَعۡدَآءً کہ اگر خدانخواستہ وہ تم پر قابو پا لیں تو پھر تمہارے دشمن ہی ثابت ہوں گے۔ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری حیلہ سازی سے وہ تمہارے دوست بھی بن سکتے ہیں، نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ تمہارے دشمن ہی رہیں گے۔ وَیَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡكُمۡ اَیۡدِیَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ اور اپنے ہاتھ اور زبانیں تمہاری ایذا رسانی کے لیے ہی بڑھاتے رہیں گے۔ کیونکہ وَوَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ ان کا مقصد یہ ہے کہ تم کسی طرح ایمان کو ترک کر کے کفر میں واپس آ جاؤ۔ کافر خواہ یہودی کی شکل میں ہو یا نصرانی کی شکل میں، مشرک ہو یا دہریہ کوئی بھی نہیں چاہتا کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں۔ اُن کی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ اگر مسلمان کافر یا مشرک نہ بھی ہوں تو کم از کم دینِ اسلام پر بھی قائم نہ رہیں۔

لوگ سخت دھوکے میں ہیں جو سمجھتے ہیں کہ امریکہ ہمارا خیر خواہ ہے یا برطانیہ ہماری مدد کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی باطل طاقتیں مسلمانوں کو کبھی پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ سب لوگ، خدا، اُس کے رسول، قرآن، اسلام حتیٰ کہ انسانیت کے بھی دشمن ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اُن پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا

ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر مسلمان دین پر قائم رہیں گے تو مادی کمزوری کے باوجود اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائے گا۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان مادی قوت نہیں بلکہ ایمانی قوت کی بدولت غالب آئے تھے اور قیصر و کسریٰ جیسی عظیم طاقتیں بھی اُن کے سامنے نہ ٹھہر سکیں، یہ دین، ایمان، خلوص اور خدا پر بھروسے کا نتیجہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدر کے میدان میں کون سی مادی طاقت تھی؟ آپ نے دُعا کی کہ مولا کریم! جو کچھ مختصری پونجی ہمارے پاس تھی، وہ ہم نے پیش کر دی ہے۔ اگر یہ چھوٹی سی جماعت مغلوب ہوگئی تو دنیا پر تیرا نام لیوا کوئی نہیں ہوگا۔ پھر کیا ہوا؟ اللہ نے فرشتوں کے ذریعے مدد بھیج دی اور کافر تمام تر مادی قوت اور سر و سامان کے ساتھ مغلوب ہوگئے افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمان بھی مادی طاقت کے ذریعے کفار پر غالب آنا چاہتے ہیں جو کہ ممکن نہیں۔ تم جتنی بھی ترقی کر لو وہ تم سے پچاس سال آگے ہی رہیں گے مقصد یہ کہ اگر دین کا غلبہ چاہتے ہو تو قوتِ ایمانی پیدا کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو، وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔ کامیابی کا راستہ ایک ہی ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر ایمان پر قائم رہو گے تو تم ہی غالب رہو گے (آل عمران - ۱۳۹)

ارشاد ہوتا ہے لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ تمہاری قرابتداری اور اولاد ہرگز تم کو فائدہ نہیں پہنچائیگی يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت والے دن۔ تم بیوی بچوں کی خاطر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کام کرتے ہو مگر آخرت میں یہ تمہارے کچھ کام نہ آسکیں گے۔ وہاں تو ایمان، نیکی، خالص نیت، توحید اور صداقت ہی کام آئے گی۔ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ اُس دن اللہ تعالےٰ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اور یہ نہ سمجھو کہ جس طرح تم اِس دنیا میں لوگوں کو دھوکہ دے لیا کرتے تھے۔ وہاں بھی کوئی ایسا حیلہ بہانہ چل جائے گا۔ نہیں، بلکہ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ تم جو کچھ کر رہے ہو، سب کچھ اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں ہے۔ اُس سے کوئی چیز

آخرت: گناہ کا

مخفی نہیں ہے۔ قیامت والے دن وہ تمہارے تمام اچھے اور بُرے اعمال تمہارے سامنے رکھ دے گا۔ اور انہی کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِ
مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّ
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا
بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِ
وَحْدَهٗٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَ
وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْ
تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا
تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ
أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ أُسْ
حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِ
وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥ ع

ترجمہ: تحقیق تمہارے لیے اچھا نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام اور اُن لوگوں میں جو اُن کے ساتھ تھے۔ جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے تحقیق ہم بری ہیں تم سے اور اُن چیزوں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم نے انکار کیا ہے تمہارا اور ظاہر ہو گئی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت ہمیشہ کے لیے جب تک کہ تم ایمان

لاؤ اللہ پر جو اکیلا ہے مگر ابراہیم علیہ السلام کی بات جو
اُن کے باپ کے لیے تھی کہ میں ضرور بخشش کی دُعا
کروں گا تیرے لیے ، اور میں نہیں مالک تیرے لیے
اللہ کے سامنے کسی چیز کا ۔ اے ہمارے پروردگار ! ہم
تجھی پر بھروسہ کرتے ہیں ، اور تیری ہی طرف رجوع کرتے
ہیں ، اور تیری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے ④
اے ہمارے پروردگار ! نہ بنا ہم کو آزمائش اُن لوگوں کے
لیے جنہوں نے کفر کیا ، اور بخش دے ہم کو اے ہمارے پروردگار
بے شک تو زبردست اور حکمت والا ہے ⑤ البتہ تحقیق
تمہارے لیے اُن میں اچھا نمونہ ہے اُس شخص کے
لیے جو امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دِن
کی اور جس نے منہ پھیرا پس بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز
اور تعریفوں والا ہے ⑥

ربط آیات

سورۃ ہذا کی پہلی تین آیات میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ
کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے مشرکین کو اُن پر مسلمانوں کے حملے کی تیاری کے
سلسلے میں خط لکھا تھا ۔ مگر اس کی اطلاع اللہ نے حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی
کر دی تو آپ نے وہ خط راستے سے ہی واپس لے لیا ۔ جب اس صحابی رضی اللہ عنہ سے
کوتاہی کی وجہ دریافت کی گئی تو اُس نے عذر پیش کیا کہ اُس نے یہ کام اپنے
بچوں کی حفاظت کی غرض سے مشرکین مکہ کو اعتماد میں لینے کے لیے کیا تھا ۔ اللہ
نے اس بات کا سخت نوٹس لیا اور اہلِ ایمان کو سختی کے ساتھ منع کر دیا ۔ کہ
آئندہ ایسی حرکت نہ کریں ۔ فرمایا کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور تمہارے بھی ،
لہٰذا اُن کے ساتھ دوستانہ رکھنا سخت نقصان دہ ہوگا ۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا
کہ تم کفار کے ساتھ کتنا بھی ہمدردی کا اظہار کرو ، اگر وہ تم پر غالب آگئے تو

سخت دشمنی کا سلوک کریں گے اور اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے تمھیں نقصان پہنچائیں گے۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم اسلام کو چھوڑ کر دوبارہ کفر میں داخل ہو جاؤ۔ اس قسم کی تنبیہ سورۃ توبہ میں بھی موجود ہے۔ وہاں اللہ نے فرمایا ہے۔ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً (آیت - ۸) اگر تم پر غلبہ پائیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں اور نہ عہد و پیمان کا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اہلِ ایمان کی دلی دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟ محض بیوی بچوں کی خاطر کافروں سے دوستانہ کرنا اور انہیں راز کی بات بتانا بہت بری بات ہے۔ اللہ نے اس پر تنبیہ کی ہے اور فرمایا کہ جس اولاد کی خاطر تم نے یہ کام کیا ہے۔ قیامت والے دن وہ تمھارے کچھ کام نہیں آئے گی۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے رفقاء کا نمونہ پیش کیا ہے کہ انہوں نے اللہ کے دین کی خاطر ہر چیز کی قربانی پیش کر دی۔ ارشاد ہوتا ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ البتہ تحقیق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی پیروی اختیار کی۔ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم بیزار ہیں تم سے وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اور ان چیزوں سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

ابراہیم علیہ السلام کا وطنِ مالوف عراق تھا۔ جہاں وہ اپنی بیوی اور بھتیجے سمیت رہتے تھے۔ یہ تو سچے ایماندار تھے۔ باقی ساری قوم بادشاہ سے لے کر ادنیٰ اہلکار تک سب کا فر اور مشرک تھے، اُن کی اکثریت ستارہ پرست تھی۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ پہلی آیت میں گزر چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا لوگو! اِن کو دوست نہ بناؤ یہ عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ میرے بھی دشمن ہیں اور تمھارے

بھی۔ سورۃ ابراہیم میں آپ کی دعا کا ذکر بھی ہے جس میں عرض کیا، پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو بتوں سے دور رکھ۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (آیت ۳٦) پروردگار انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ لہٰذا ہم اِن بتوں سے بھی بَری ہیں۔ اور اِن کی پوجا کرنے والوں سے بھی بیزار ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا كَفَرْنَا بِكُمْ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں۔ تم نے اللہ کی توحید کا انکار کیا ہے، ہم تمہارے عقیدہ اور عمل کا انکار کرتے ہیں مطلب یہ کہ ہم تمہارے طریقہ کی ذرہ بھر بھی حمایت نہیں کر سکتے۔ تمہاری اس غلط روش کی وجہ سے وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا ہے حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔ ہماری اور تمہاری دوستی کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اگر اُسے مان لو تو بہتر ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان نفرت و عداوت کی دیوار کھڑی ہو چکی ہے۔

اسوۂ ابراہیمی

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک عراق میں رہے تکالیف برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کو آگ میں پھینک دیا گیا مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور آپ توحیدِ خداوندی پر جمے رہے۔ آپ کو سات سال تک قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں، ساری قوم دشمن ہو گئی۔ باپ نے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا مگر آپ نے ایمان پر کبھی سودے بازی نہیں کی۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ پکڑو، جب وہ عراق سے نکلے تھے تو پھر واپس نہیں گئے، مگر تم بیوی بچوں کی خاطر کافروں کے ساتھ دوستی کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ قوم برادری، رشتہ داری، وطن سب ثانوی چیزیں ہیں اور ایمان کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کافروں کے ساتھ عہد و پیمان، لین دین یا احسان کی بات آگے آرہی ہے۔ مگر جو لوگ کفر کا برملا اظہار کرتے ہیں اُن کے ساتھ دوستی یا محبت ہرگز ممکن نہیں، ابراہیم علیہ السلام

کے اسوہ سے یہی بات سامنے آتی ہے۔

باپ کے لیے بخشش کی دعا

جب ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے آپ کی دعوت قبول نہ کی تو آپ نے ان سے علیحدہ ہونے وقت اِلَّا قَوۡلَ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ اپنے باپ سے یہ بات ضرور کہی تھی لَاَسۡتَغۡفِرَنَّ لَكَ میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دُعا کروں گا۔ اور یہ میری عرضداشت ہوگی ورنہ وَمَاۤ اَمۡلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ مگر میں اللہ سے تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں کیونکہ مالک تو اللہ ہے وہ چاہے تو دُعا کو قبول کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ قبول کرے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عداوت اور دشمنی کے باوجود ابراہیم علیہ السلام میں شفقت کا مادہ موجود تھا۔ اور یہ شفقت اس لیے تھی کہ کسی طرح آپ کا باپ ایمان قبول کرلے۔ تاہم یہ دُعا بھی محدود طریقے پر تھی۔ سورۃ توبہ میں ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لیے بخشش کی دُعا مانگنا ایک وعدے کا سبب تھا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ (آیت ۱۱۴) پھر جب آپ پر واضح ہوگیا کہ یہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ پہلے توقع تھی کہ شاید وہ ایمان قبول کرلے گا؛ مگر جب امید بالکل ختم ہوگئی کہ اب یہ ایمان نہیں لائیگا تو آپ نے اس سے اعلانِ برأت کر دیا۔

ابراہیم علیہ السلام کا یہی اسوہ مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہیئے، کسی کافر مشرک باپ، بھائی، بہن کے لیے بخشش کی دُعا کرنا بھی جائز نہیں۔ بھلا جس کے لیے دُعا نہیں ہوسکتی اُس کے ساتھ دوستی کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ تو دین کے پروگرام کو مغلوب کر کے کفر کے پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں۔ اہلِ ایمان کو مالی، جسمانی اور ذہنی ہر طرح کی اذیت پہنچانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اور اگر وہ اہلِ ایمان پر غالب آجائیں تو دشمنی کا پورا پورا حق ادا کریں، تو ایسے لوگوں سے دوستی کا کیا امکان رہ جاتا ہے؟

دعائے ابراہیمی

ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے سچے پیروکار یہی کہتے ہیں رَبَّنَا عَلَيۡكَ تَوَكَّلۡنَا

اے ہمارے پروردگار! ہم تیری ہی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ وَاِلَیْکَ اَنَبْنَا اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ اور سب کو تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اگر تم نے مکے سے ہجرت کی ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی بابل سے ہجرت کی تھی اور پھر انہوں نے کبھی اپنی قوم کی طرف رُخ نہیں کیا۔ اب وہی کام تم بھی کرو۔ اب مدینہ کو ہی مستقل ٹھکانا بنا لو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس وقت تک باپ کے لیے دُعا کی جب تک اُن پر حقیقت حال واضح نہیں تھی۔ پھر جب معلوم ہو گیا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہی ہو گا۔ تو پھر آپ نے بخشش کی دُعا نہیں کی۔ لہٰذا تمھیں بھی چاہئے کہ اپنے مشرک والدین یا عزیز و اقارب کے لیے بخشش کی دُعا نہ کرو کہ اسوۂ ابراہیمی یہی ہے۔

آپ نے یہ دُعا بھی کی۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کے لیے آزمائش نہ بنا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کافروں کا تختۂ مشق بن جائیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچاتے رہیں۔ مولا کریم! ہمیں اس آزمائش میں نہ ڈالنا کیونکہ آزمائش میں پورا اُترنا بڑا مشکل کام ہے۔ وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ بے شک تو زبردست اور حکمت والا ہے۔

مسلمانوں کی زبوں حالی

آج کل مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی آزمائش آئی ہوئی ہے۔ جب سے تاتاریوں کی یلغار ہوئی ہے اُس وقت سے اکثر و بیشتر ممالک کے مسلمان کافروں کے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ اسرائیل کی فلسطینیوں پر زیادتیاں سب کے سامنے ہیں۔ برما کے دو تین لاکھ مسلمانوں کو ملک بدر کر دیا گیا ہے اور اُن کی جائیدادیں چھین لی گئی ہیں۔ فلپائن کے مسلمان بالکل قلیل تعداد میں ہیں مگر سخت مشکلات میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ روسی مسلمان کھل کر اپنے مذہب کا اظہار بھی نہیں کر سکتے۔ ہندوستان میں تقسیم کے بعد ہزاروں مسلم کش فساد ہو چکے ہیں۔ کشمیر میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے

جا رہے ہیں۔ الغرض! کافر کوئی بھی ہوں اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ کے مصداق سب مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہیں۔ مسلمان کتنا عرصہ تک انگریزوں کے مصائب جھیلتے رہے ہیں اور اُن کے پیدا کردہ مصائب سے آج تک جان نہیں چھوٹی۔ آج پوری دنیا میں مسلمان مغلوب ہیں، اُن کی کوئی آواز نہیں، کوئی آزادانہ حیثیت نہیں۔ ہر جگہ سپر طاقتوں کا تسلط ہے اور وہ پس ماندہ ملکوں کو آپس میں لڑاتے رہتے ہیں، مگر یہ بیچارے کچھ نہیں کر سکتے۔ ایران، عراق جنگ، افغانستان پر بیرونی طاقت کا قبضہ جس کے نتیجے میں بیس لاکھ افغان ہلاک اور پچاس لاکھ جلاوطن ہو چکے ہیں سب سپر طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ ہے بڑی طاقتوں کو محض اپنا مفاد عزیز ہے اور وہ چھوٹے ملکوں کو مُہروں کی طرح چلاتے رہتے ہیں آج کی دنیا میں مسلمان خاص طور پر تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں جو کہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔

آخر میں دوبارہ تاکید ہو رہی ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ البتہ تحقیق تمہارے لیے اُن لوگوں یعنی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں میں اچھا نمونہ ہے مگر یہ اُس شخص کے لیے لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ جو خدا کی ذات اور قیامت کے دن جزائے عمل کی اُمید رکھتا ہے۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کا ڈر رکھتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے ابراہیم علیہ السلام کی ذات اور اُن کے پیروکاروں میں اچھا نمونہ ہے جس کو لوگ اختیار کر کے ان کے نقشِ قدم پر چل سکتے ہیں۔ ایسا شخص کفر اور شرک سے بیزاری کا اظہار کریگا۔ اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرے گا لہٰذا وہ اس نمونے سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ وَمَنْ يَتَوَلَّ اور جو شخص روگردانی کریگا۔ اس اسوہ سے فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ تو خدا تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے اس کو کسی کی پرواہ نہیں ہے روگردانی کرنے سے اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ البتہ ایسا شخص خود ہی گھاٹے میں رہے گا۔

درس سوم ۳ آیت ۷ تا ۹

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨

ترجمہ:۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بنا دے گا تمہارے درمیان اور اُن لوگوں کے درمیان جن سے تمہاری عداوت ہے اُن کی طرف سے دوستی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ⑦ نہیں منع کرتا اللہ تعالیٰ تم کو اُن لوگوں سے جو تم سے نہیں لڑے دین کے معاملہ میں اور تمھیں نہیں نکالا تمہارے گھروں سے کہ تم اُن سے نیکی کا سلوک کرو۔ اور ان کے ساتھ انصاف کرو، بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو ⑧ بے شک منع کرتا ہے تم کو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے دین

کے معاملہ میں اور نکالا ہے تم کو تمہارے گھروں سے، اور
مدد کی ہے انہوں نے تمہارے نکالنے میں، کہ تم اُن سے
دوستی کرو۔ اور جو اُن سے دوستی کرے گا پس یہی لوگ
ہیں ظالم ⑨

ربط آیات:

حضور علیہ السلام کے صحابی سے غلطی ہوئی اور اُس نے مسلمانوں کے راز مشرکینِ مکہ تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو سخت تنبیہ کی کہ ـــــــ ایسی غلطی کا اعادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر اللہ نے کافروں کے ساتھ مقاطعہ کا حکم دیا اور اُن کے ساتھ دوستی کرنے کی ممانعت فرما دی۔ فرمایا اللہ کے دشمنوں کے ساتھ کسی طرح دوستی نہیں ہو سکتی، نہ انہیں اپنا رازدار بنایا جا سکتا ہے کیونکہ جب بھی انہیں موقع ملے گا وہ مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچائیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے اہلِ ایمان کو اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ فرمایا تم نے تو یہ کام اپنے بیوی بچوں کی مصلحت کے لیے کیا ہے مگر قیامت والے دن رشتہ دار اولاد اور مال کسی کے کام نہیں آئیں گے۔ تمہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ اختیار کرنا چاہیئے۔ جنہوں نے اپنی قوم، برادری حتیٰ کہ اپنے باپ سے بھی بیزاری کا اظہار کر دیا اور فرمایا کہ جب تک تم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان نہیں لاؤ گے ہمارے اور تمہارے درمیان نفرت و عداوت کی دیوار حائل رہے گی۔ درمیان میں اللہ نے اہلِ ایمان کی دعا کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنائے اور کسی آزمائش میں نہ ڈالے

کفار سے دوستی کی امید

اب آج کے درس میں اللہ نے کافروں سے دوستی نہ کرنے کی حکمت بیان کی ہے، اور اس کے ساتھ ایک قسم کی پیشین گوئی کی ہے اور ساتھ توقع بھی دلائی ہے کہ دشمنی کا سلسلہ ہمیشہ تو نہیں رہے گا۔ خدا تعالیٰ چاہے تو وہ اس دشمنی کو دوستی میں تبدیل کرنے پر بھی قادر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی کی فضا پیدا کر دے اور وہ تمہارے دوست

بن جائیں۔ مگر جب تک درمیان میں کفر کی دیوار کھڑی ہے، وہ ہمیشہ نقصان پہنچانے کے ہی درپے رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُن کے ساتھ دوستی نہیں ہو سکتی۔ تم اِس قانون کی پابندی کرو۔ مگر نا اُمید نہ ہو، شاید کہ تمھارے اور اُن کے درمیان اللہ تعالیٰ دوستانہ تعلقات قائم کر دے۔

چنانچہ کچھ عرصہ بعد ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے بدترین دشمنوں کے دلوں کو بھی پھیر دیا اور وہ ایمان لے آئے۔ فتح مکہ کے دن مشرکین مکہ میں سے کوئی شاذ آدمی ہی رہ گیا ہوگا۔ جس نے ایمان قبول نہ کیا ہو۔ اس ضمن میں ابوسفیانؓ کی مثال سامنے ہے وہ کل تک بدترین دشمن تھا مگر آج جان نثار بن چکا تھا۔ مکے کے بعض خاندان، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابوسفیانؓ وغیرہ اسلام کے سخت ترین دشمن تھے مگر جب انہوں نے اور اُن کی بیوی ہندہؓ نے اسلام قبول کر لیا تو کہنے لگے حضور! آج سے پہلے ہمارے نزدیک آپ کے گھر سے زیادہ مبغوض دنیا میں کوئی گھر نہیں تھا، اور ہماری تمنا ہوتی تھی کہ آپ کو سب سے زیادہ ذلت حاصل ہو۔ مگر آج معاملہ بالکل برعکس ہے۔ آج ہمیں آپ کا گھر تمام گھروں سے زیادہ محبوب ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جذبہ ابھی مزید بڑھے گا۔ اللہ آپ کو مزید اخلاص عطا فرمائے گا۔ الغرض! اللہ تعالیٰ کی پیشین گوئی کے مطابق بعض بدترین دشمن اسلام قبول کر کے بہترین دوست بن گئے۔

ابوسفیانؓ کی درخواست

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ نے حضور علیہ السلام سے تین چیزوں کی درخواست کی۔ پہلی یہ کہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں اسلام کے خلاف لڑا تھا۔ اب اجازت دیں کہ اس سے بڑھ کر کافروں کے ساتھ جہاد کروں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے چنانچہ فتنہ مرتدین کے سلسلہ میں سب سے بڑے مرتد ذالخمار کیخلاف ابوسفیانؓ نے ہی علم جہاد بلند کیا۔ معرکہ یرموک تاریخ اسلام کا بہت بڑا معرکہ ہے جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پیش آیا اور جس میں دشمن کی تعداد دو لاکھ تھی۔ ابوسفیانؓ اگرچہ بوڑھے ہو چکے تھے اور جہاد میں ایک آنکھ بھی ضائع ہو چکی تھی۔ مگر اس کے

باوجود اس معرکہ میں شرکت کی۔ آپ مجاہدین کو خطاب کرتے اور اُن کو حوصلہ دلاتے مطلب یہ ہے کہ ایک وقت آیا جب اسلام کے بدترین دشمن بہترین دوست بن گئے۔

ابوسفیانؓ نے دوسری درخواست یہ پیش کی کہ اُن کے بیٹےؓ کو کاتب بنالیا جائے چنانچہ حضور علیہ السلام نے اُن کی یہ درخواست بھی قبول کرلی۔ تیسری گزارش یہ تھی مجھے اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے سلسلہ میں وہی عزت واحترام حاصل ہونا چاہیئے جو ایسے باپ کو حاصل ہوتا ہے جو اپنی بیٹی کا نکاح خود اپنے اختیار اور ارادے سے کرتا ہے۔ یاد رہے کہ حضرت ام حبیبہؓ بہت پہلے ایمان لاکر ابوسفیانؓ کی مرضی کے خلاف حضور علیہ السلام کے عقد میں آچکی تھیں۔ بہر حال نبی علیہ السلام نے ابوسفیانؓ کی یہ درخواست بھی قبول کرلی اور فرمایا کہ تمھیں اسی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے گا جیسے کوئی باپ خود اپنی بیٹی کا نکاح کرتا ہے

اللہ نے فرمایا کہ موجودہ حالات میں کافروں سے دوستی نہیں ہوسکتی۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کردیں گے جس سے تمھارے اور اُن کے درمیان دوستی کی فضا قائم ہوجائے۔ وَاللّٰہُ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ جب کوئی شخص تائب ہوکر اس کے دروازے پر آجاتا ہے تو وہ سابقہ تمام خطائیں معاف کرکے اُس کے ساتھ نہایت مہربانی کا سلوک کرتا ہے اور اُس کو دُنیا و آخرت کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ کسی شخص کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی رحمت اور مہربانی بڑی وسیع ہے۔

غیر
—

پہلے عام کافروں کا ذکر تھا کہ انکے ساتھ دوستی نہیں ہوسکتی۔ اب اللہ نے غیر حربی کافروں کا ذکر کیا ہے یعنی وہ کافر جو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ نہ ہوں یا وہ ذمی بن کر اسلامی قوانین کا احترام کرتے ہوں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ اللہ ایسے لوگوں کے متعلق منع نہیں کرتا جو تم سے جنگ نہیں کرتے دین کے معاملہ میں وَلَمْ

يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اور تمہیں تمہارے گھروں سے بھی نہیں نکالتے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے منع نہیں کرتا اَنْ تَبَرُّوْهُمْ کہ تم ان کے ساتھ نیکی کا سلوک کرو۔ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اور ان سے انصاف کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ غیر حربی اور ذمی کافروں کے ساتھ انصاف کا حکم بھی دیتا ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ وہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی جان، مال اور عزت مسلمانوں کی جان، مال اور عزت کی طرح محفوظ ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس اصول کے تحت اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کافر کو قتل کرے گا۔ تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ایک مسلمان کے ہاتھ سے دو کافر مارے گئے تھے تو حضور علیہ السلام نے ان کے لیے مسلمانوں کے لیے مقرر کردہ دیت سو سو اونٹ دلائے تھے۔ فرمایا، ہمارا ان کے ساتھ معاہدہ تھا اور ان کو امن حاصل تھا، لہٰذا ان کی دیت ادا کی جائیگی۔

صلح حدیبیہ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مطلقہ بیوی اور اسماءؓ کی والدہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ مدینہ آئی تو حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کو تردد ہوا۔ کہ آیا میں اپنی مشرکہ والدہ کی خدمت کر سکتی ہوں یا نہیں؟ انہوں نے اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میرا اس کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیئے۔ میں نے تو ابھی تک اُسے اپنے گھر میں بھی داخل نہیں ہونے دیا۔ کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کا سلوک کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں، تم اس کو اپنے ہاں ٹھہرا سکتی ہو، اور اس کے ساتھ نیکی کا سلوک بھی کر سکتی ہو۔ اگر وہ نادار ہے تو اس کی مالی اعانت بھی کر سکتی ہو۔ تو فرمایا کہ جو کافر تمہارے ساتھ جنگ نہیں کرتے تم ان کے ساتھ نیکی اور احسان کر سکتے ہو اور ان کے ساتھ بھی انصاف کرو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کرتے ہو۔

حربی کفار سے دوستی کی ممانعت

البتہ اللہ نے حربی کافروں کے ساتھ عدم دوستی کی پھر تاکید فرمائی اور کہا۔ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ بے شک اللہ تعالیٰ

منع کرتا ہے تم کو ان لوگوں سے جو تم سے دین کے معاملے میں لڑے ہیں وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اور انہوں نے تمھارے نکالنے میں دوسروں کی مدد کی ہے تو اللہ تمھیں منع کرتا ہے اَنْ تَوَلَّوْهُمْ کہ ان سے دوستی کرو۔ یہ حربی کافر اور دشمنِ خدا، دشمنِ رسول اور دشمنِ دین ہیں لہٰذا اِن سے کوئی راہ و رسم جائز نہیں۔ زکوٰۃ تو ویسے ہی کافروں کو نہیں دی جاسکتی، ایسے حربی کافروں کو صدقہ دینا بھی روا نہیں۔ البتہ غیر حربی کافروں کو صدقہ کی ادائیگی کی اجازت اللہ نے قرآن میں دے دی ہے، اور ایسے لوگوں کے ساتھ دوسرا احسان بھی کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اسی بناء پر اللہ نے غیر حربی کافر عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی جنگ میں حصہ لیتا ہے یا کوئی عورت سپاہیوں کی معاون ہوتی ہے تو پھر وہ بھی گردن زدنی شمار ہو گی۔ راہب قسم کے لوگ جو جنگ میں حصہ نہ لیتے ہوں، اُن کی جان کو بھی امن حاصل ہے بلکہ اُن کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے۔ البتہ جو کافر تمھیں گھروں سے نکالتے ہیں یا نکالنے میں مدد دیتے ہیں جیسا کہ بنو خزاعہ نے عہد شکنی کر کے دوسروں کی مدد کی تھی۔ تو ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی نہیں بلکہ جنگ ہو گی۔

فرمایا اس حکم کے برخلاف وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ جو شخص ایسے لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ تو اللہ کے نزدیک یہ لوگ ظالم شمار ہوں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تمہارے پاس آئیں ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے تو اُن کا امتحان کر لو۔ اللہ خوب جانتا ہے اُن کے ایمان کو۔ پس اگر تم جان لو اُن کو کہ وہ ایماندار ہیں، پس نہ پلٹاؤ اُن کو کافروں کی طرف۔ نہ تو وہ عورتیں اُن (کافروں) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) اُن عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ اور ادا کرو ان (کافروں)

کو جو خرچ کیا انہوں نے ۔ اور کوئی گناہ نہیں ہے تم پر کہ تم اُن عورتوں سے نکاح کرو جب کہ تم دے دو اُن کو اُن کے مہر۔ اور نہ روک رکھو اپنے پاس ناموس کافر عورتوں کا ۔ اور مانگ لو تم جو خرچ کیا ہے تم نے ۔ اور وہ (کافر) لوگ بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا ہے ۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ۔ وہ فیصلہ کرتا ہے تمہارے درمیان ، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے (۱۰) اور اگر چلی جائیں تمہاری بیویوں میں سے کچھ کافروں کی طرف ، پس تم گرفت کرو تو دو اُن لوگوں کو جن کی بیویاں گئی ہیں اُس کے مثل جو انہوں نے خرچ کیا ہے ۔ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو (۱۱)

ربطِ آیات

گزشتہ درس میں اللہ نے غیر حربی کافروں کے ساتھ احسان کرنے کی اجازت دی اور حربی کافروں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کر دیا ۔ معاہدہ حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کافروں کا کوئی آدمی بھاگ کر مدینہ آجائے گا تو مسلمان اُسے واپس کر دیں گے ، اور اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی مکے چلا جائے گا تو کفار اُسے واپس نہیں کریں گے ۔ یہ معاہدہ تو مردوں کے لیے تھا مگر جب کچھ عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینے آگئیں اور اُن کے اقرباء اُن کے پیچھے آئے تو سوال پیدا ہوا کہ ان کو ٹھہرانے یا واپس کرنے کے متعلق کیا احکام ہیں ؟ مشرکین مکہ نے عورتوں کو بھی مردوں پر محمول کیا اور اُن کی واپسی کا مطالبہ کیا کیونکہ معاہدہ میں واپسی کی شرط موجود تھی ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی مذکورہ شرط صرف رجال (مردوں) کے لیے تھی اور عورتوں پر یہ شرط عائد نہیں ہوتی تھی ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں احکام نازل فرمائے جو آج کے درس میں بیان ہوئے ہیں ۔

مہاجر عورتوں کے متعلق

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ

مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو اُن کا امتحان لے لیا کرو، اور اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو کہ وہ کن حالات میں مکہ سے مدینہ آئی ہیں اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ اللہ تعالیٰ تو اُن کے ایمان کو خوب جانتا ہے مگر تمہارا بھی فرض ہے کہ اچھے طریقے سے جانچ لو کہ کیا وہ واقعی دین کی خاطر آئی ہیں یا پس پردہ کوئی دوسرا مقصد کارفرما ہے ہو سکتا ہے کہ کوئی عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر چلی آئی ہو جسے وہ تنگ کرنا چاہتی ہو یا کسی دوسرے شخص کی محبت میں گرفتار ہو کے آئی ہو یا کسی لالچ کی وجہ سے آگئی ہو۔ تو فرمایا اپنے طریقے پر تحقیق کر لیا کرو۔ کہ ان کا مقصد دین کی محبت ہے۔ یا کوئی اور مقصد ہے۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق حضور علیہ السلام نے خود بھی بعض عورتوں سے سوال جواب کیے اور حضرت عمرؓ کو بھی اس کام پہ مامور کیا۔

پھر فرمایا کہ تحقیق کرنے کے بعد فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ اگر تم جان لو یعنی اس نتیجے پر پہنچو کہ یہ واقعی مومنہ ہیں اور انہوں نے محض دین کی خاطر ہجرت کی ہے فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ تو پھر انہیں کافروں کی طرف مت لوٹاؤ۔ بلکہ اپنے ہاں پناہ دو کیونکہ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ اب یہ کافروں کے لیے حلال نہیں ہیں۔ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ اور نہ وہ کافر ان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ ایمان لانے کے بعد ان عورتوں کا نکاح کافروں کے ساتھ ختم ہو چکا ہے ہاں، اگر خاوند بھی مسلمان ہو جائے یا اس کی توقع ہو تو پھر ایسی عورت اپنے خاوند کی طرف پلٹا دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام کا عمل ہمارے سامنے موجود ہے آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ مسلمان تھی جب کہ اس کا خاوند ابو العاص مشرکین مکہ میں سے تھا۔ حضرت زینبؓ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئیں، پھر کئی سال بعد جب خاوند بھی مسلمان ہو کر آگیا تو آپ نے اپنی صاحبزادی کو خاوند کے پاس جانے کی اجازت دیدی۔ اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔

اس سلسلہ میں مسئلہ تباین دارین بھی پیدا ہوتا ہے۔ اگر مومنہ عورت کافر خاوند کو

چھوڑ کر دارالاسلام میں آجائے تو اُس کا سابقہ نکاح تو ختم ہو گیا۔ کیا نکاح ثانی کے لیے اُسے عدت گزارنا پڑے گی یا نہیں؟ اس ضمن میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت حاملہ نہ ہو تو اُسے عدت گزارنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اگر وہ حاملہ ہے تو پھر وضع حمل تک عدت پوری کرنا ہو گی۔

مہر کا

اب یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ جب کوئی عورت ایمان لا کر دارالاسلام میں آجائے یا کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر دارالکفر میں چلی جائے تو نکاح ثانی کے لیے ان کے مہر کا کیا حکم ہے، اور جو مہر پہلا خاوند ادا کر چکا ہے اس کا کیا بنے گا؟ اس سلسلے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی عورت کافر خاوند کو چھوڑ کر تمہارے پاس آجائے وَآتُوهُم مَّآ أَنفَقُوا تو کافروں کو وہ مہر وغیرہ کا خرچہ دے دو جو انہوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرتے وقت کیا تھا۔ اور پھر اگر تم اُن سے نکاح کرنا چاہو وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَآ آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم اُن کو مہر ادا کر دو۔ گویا نکاح ثانی کے لیے تمہیں پھر مہر ادا کرنا ہو گا۔

اس کے برعکس اگر کوئی مومنہ عورت مرتد ہو کر کافروں کے پاس چلی جائے۔ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ تو کافر عورتوں کے ناموس کو اپنے پاس مت روکو، کیونکہ مرتد ہونے کے بعد اُن کا مومن آدمی کے ساتھ نکاح خود بخود فسخ ہو گیا ہے لہٰذا اُن کو روکنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ وَاسْأَلُوا مَآ أَنفَقْتُمْ تم نے اُن عورتوں پر مہر کی صورت میں جو خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو۔ اور کوئی کافر خاوند کی بیوی ایمان لا کر تمہارے پاس آجاتی ہے وَلْيَسْأَلُوا مَآ أَنفَقُوا تو چاہیے کہ وہ بھی مانگ لیں جو انہوں نے ایسی عورتوں پہ خرچ کیا ہے۔ یہ دو طرفہ معاملہ ہے اگر کوئی عورت ایمان لا کر آگئی ہے تو اس کے کافر خاوند کو اُس کا خرچہ ادا کر دو اور اگر یہاں سے کوئی عورت مرتد ہو کر دارالکفر میں چلی جاتی ہے تو اُس پہ کیا گیا خرچہ مسلمانوں کو ملنا چاہیے۔

فرمایا ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہیں دیا گیا ہے، اور اس

پر عملدرآمد ضروری ہے یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ اسی نے تمہارے درمیان فیصلہ کیا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمتوں والا ہے۔

عدم ادائیگی کی صورت میں

مسلمان تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے پابند تھے مگر سوال یہ ہے کہ کیا کافر بھی اس قسم کے تبادلہ مہر کے لیے تیار تھے؟ ہو سکتا ہے کہ جو عورت مرتد ہو کر ان کے پاس چلی جائے وہ اس کا خرچہ ادا نہ کریں۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے اللہ نے فرمایا وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَی الْكُفَّارِ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کچھ کفار کی طرف چلی جائیں فَعَاقَبْتُمْ پس تم گرفت کرو یعنی اگر اُدھر سے کوئی عورت مسلمان ہو کر آجائے جس کا خرچہ تم پر کافروں کو واجب الادا ہو تو اس کو روک لو فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا اور یہ رقم ان لوگوں کو ادا کر دو جن کی بیویاں مرتد ہو کر چلی گئی ہیں اور کافر ان کا خرچہ ادا کرنے کے لیے تیار نہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ عَاقَبْتُمْ یعنی گرفت کرو کا مطلب یہ ہے کہ تم کافروں کے خلاف جہاد کرو اور وہاں سے حاصل ہونے والا مال بیت المال میں جمع کرو اور پھر اس بیت المال میں سے اس شخص کا خرچہ ادا کرو جو اس نے اپنی مرتد ہو جانے والی بیوی پر کیا تھا۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کے قوانین کی خلاف ورزی نہ کرو۔ بلکہ صلح و جنگ کے ہر قانون کی پابندی کرو۔ اس اللہ سے ڈرو اَلَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔ اسی نے اپنے رسول اور کتابیں نازل فرما کر احکام نازل فرمائے ہیں۔ اس سے ڈرو اور قانون پر عملدرآمد کرو۔

يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

ترجمہ :- اے نبی ! جب آئیں آپ کے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے اس شرط پر کہ وہ نہیں شریک ٹھرائیں گی اللہ کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ چوری کریں گی ۔ اور نہ وہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولادوں کو قتل کریں گی ۔ اور نہ لائیں گی وہ بہتان جس کو گھڑیں وہ اپنے ہاتھوں سے اور پاؤں سے ۔ اور نہ وہ نافرمانی کریں گی آپ کی نیکی کے کام میں ۔ پس آپ اُن کو بیعت کر لیں ، اور بخشش طلب کریں ۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿۱۲﴾ اے ایمان والو ! نہ دوستی کرو اُس قوم سے کہ اللہ تعالیٰ اس پہ ناراض ہوا ہے

تحقیق مایوس ہو گئے ہیں وہ آخرت سے جس طرح کہ کافر لوگ مایوس ہو گئے ہیں ان لوگوں سے جو قبروں میں جا پڑتے ہیں ۔ ⑬

ربطِ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ نے مہاجر عورتوں کے امتحان کا قانون بیان فرمایا کہ اگر کوئی عورت مکے سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بیعت کرنے سے پہلے اُن کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیا کرو کہ کیا واقعی انہوں نے دین کی خاطر ہجرت کی ہے یا اس سے کوئی دیگر دنیوی مفاد وابستہ ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خاوندوں سے ناراض ہو کر آئی ہوں یا وہ کسی دوسرے شخص کی محبت کی وجہ سے آگئی ہیں لہٰذا ان کے متعلق تحقیق کر لینا ضروری ہے ۔ اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی محض دین کی خاطر ہجرت پر مجبور ہوئی ہیں تو پھر اُن کو اپنے ہاں روک لو اور واپس کافروں کی طرف نہ بھیجو ۔

عورتوں کے لیے بیعت

اب آج کے درس میں اللہ نے عورتوں کی بیعت کی شرائط کا ذکر کیا ہے ۔ سورۃ الفتح میں گزر چکا ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر مردوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی تھی مگر اب عورتوں سے بیعت لینے کا قانون بیان ہو رہا ہے اگر عورتیں مذکورہ شرائط پر پورا اتریں گی تو کامیابی سے ہمکنار ہوں گی ورنہ خالی بیعت بے سود ہے

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بیعت سے متعلق القول الجمیل نامی کتاب تحریر فرمائی ہے ۔ جس میں بیعت کی مختلف شرائط اور اس کے کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بیعت کرنا کوئی فرض واجب نہیں بلکہ سنت ہے ، اور حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ اور خیر القرون میں بیعت کرنے کا طریقہ رائج تھا ، ہاں ، اگر کوئی شخص ایمان کی تمام صفات پوری کرتا ہے مگر کسی کی بیعت نہیں کرتا تو اس پر اعتراض بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

بیعت کی قسمیں

بیعت کی بہت سی قسمیں ہیں ۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ میں ایک بیعت

بیعتِ اسلام کہلاتی تھی۔ یہ وہ بیعت تھی جو کوئی شخص کوئی غیر مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ حضور علیہ السلام کے بعد بیعتِ خلافت ہوتی تھی۔ اس کے ذریعے لوگ احکامِ الٰہی کی انجام دہی اور خلیفہ کی پیروی کا اقرار کرتے تھے۔ ہر خلیفہ کے انتخاب پر یہ بیعت ہوتی رہی۔ اس کے علاوہ ایک بیعت بیعتِ ہجرت ہوتی تھی جس کے ذریعے لوگ اقرار کرتے تھے کہ وہ اللہ کے راستے میں ہجرت کریں گے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ میں جہاد کے لیے بھی بیعت ہوتی تھی۔ حضور علیہ السلام سے تقویٰ اور سنت کی اتباع کی بیعت بھی ثابت ہے۔ اسی طرح ارکانِ اسلام کی پابندی کرنے کے لیے بیعت بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہے۔

بعض آدمیوں سے بتکرار بیعت بھی ثابت ہے۔ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ بڑے بہادر آدمی تھے۔ حدیبیہ کے مقام پر آپ سے تین دفعہ بیعت لی گئی اور یہ بیعت بھی درست ہے کہ کوئی اقرار کرے کہ میں سنت کا اتباع اور بدعت سے اجتناب کروں گا۔ حضور علیہ السلام نے بعض عورتوں سے جو بیعت لی تھی اس میں یہ وعدہ بھی شامل تھا اَنْ لَّا نَنُحْنَ کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی، یعنی کسی کی موت پر بین نہیں کریں گی، نہ کپڑے پھاڑیں گی اور نہ چہرہ نوچیں گی۔ حضور علیہ السلام نے بعض فقراء مہاجرین سے یہ بیعت بھی لی تھی اَنْ لَّا یَسْئَلُوْا اَحَدًا یعنی وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ اس قدر محتاط ہو گئے تھے کہ سواری پر سوار ہو کر جاتے وقت اگر ہاتھ سے چھڑی وغیرہ گر پڑتی تو کسی کو پکڑانے کے لیے نہیں کہتے تھے، بلکہ خود سواری سے نیچے اتر کر پکڑتے تھے۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ نے حضور علیہ السلام سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ میں نماز کی پابندی کروں گا، زکوٰۃ احتیاط سے ادا کروں گا وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ اور ہر مسلمان بھائی کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کروں گا۔

احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ بعض لوگوں نے اس عہد پر بیعت کی اَنْ لَّا یَخَافُوْا لَوْمَةَ لَآئِمٍ یعنی وہ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کھائیں گے وَاَنْ یَّقُوْلُوا الْحَقَّ اَیْنَ مَا کَانُوْ

اور وہ جہاں کہیں بھی ہوں سچی بات ہی کہیں گے، خواہ اس کے لیے کتنا بھی خطرہ مول لینا پڑے۔ ایسے لوگ کسی بڑے سے بڑے جابر کے سامنے بھی کلمہ حق کہنے سے دریغ نہیں کرتے۔

بیعت کی ایک قسم بیعتِ توبہ بھی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی گناہ میں ملوث ہو جاتا ہے اور پھر وہ کسی مرشدِ برحق کے پاس جا کر اقرار کرتا ہے کہ میں اپنے کردہ گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ تو یہ بھی درست ہے۔ بہت سے لوگ یہ بیعت بھی کرتے ہیں جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بیعت بیعتِ تبرک بھی ہے۔ بعض والدین اپنے بچوں کو لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے تھے کہ حضور! ان کو بیعت کریں۔ آپ علیہ السلام ان کے سر پر دستِ شفقت پھیر دیتے تھے اور بعض سے تبرکاً بیعت بھی لے لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے والدین نے ان کو سات آٹھ سال کی عمر میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے برکت کے لیے ان سے بیعت لی۔ اس قسم کی بیعت بھی حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔ بعض بزرگانِ دین کے سلسلے میں شامل ہونے کے لیے بھی بیعت کی جاتی ہے۔

شاہ رفیع الدینؒ نے بیعت کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک بیعتِ وسیلہ ہے جو کسی سلسلہ میں منسلک ہونے کے لیے کی جاتی ہے۔ دوسری قسم کی بیعت، احکامِ شریعت کی پابندی اختیار کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ تیسری قسم کی بیعت یہ ہے کہ انسان ورد وظائف پر پابندی اختیار کرنے کے لیے بیعتِ طریقت کرتا ہے۔ اور اگر انسان صاحبِ ہمت ہو، محنت کر سکتا ہو تو وہ مشاہدات حاصل کرنے کے لیے چوتھی قسم کی بیعت بیعتِ حقیقت کرتا ہے۔

مرشدِ کامل کے اوصاف

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی انسان تربیت کے بغیر خود بخود درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔ مذکورہ تربیت اصولاً درست ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں مگر اس کے ساتھ شرائط بھی ہیں جن کا پایا جانا مرشدِ کامل

میں ضروری ہے۔ چنانچہ بیعت اُس شخص کی کرنی چاہیئے جس میں یہ اوصاف پائے جائیں۔ فرماتے ہیں کہ مرشد کامل کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول کا علم رکھتا ہو۔ اُس نے اُستاذ سے تعلیم حاصل کی ہو اور اگر یہ نوبت نہیں آئی تو کم از کم اہلِ علم کے پاس بیٹھ کر اور اُن سے سُن کر کتاب و سنت کا علم حاصل کیا ہو۔ اگر کسی نے اِن میں سے کسی ذریعہ سے بھی علم حاصل نہیں کیا تو اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنا درست نہیں۔

فرماتے ہیں کہ دوسری شرط یہ ہے کہ بیعت کنندہ میں عدالت اور تقویٰ پائے جائیں یعنی وہ فاسق نہ ہو، تقویٰ کے خلاف کوئی کام نہ کرتا ہو۔ کبائر سے اجتناب کرتا ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ بیعت کرنے والا آخرت میں رغبت رکھتا ہو اور دنیا سے بے رغبت ہو، اس کے بغیر وہ بیعت کے قابل نہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو۔ اور پانچویں شرط یہ ہے کہ اُس نے یہ طریقہ مشائخ اور بزرگوں سے سیکھا ہو، نہ کہ خود بخود پیر بن کر بیٹھ گیا ہو۔ یہ پانچ شرائط ہیں۔ اگر یہ کسی شخص میں پائی جائیں تو اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنا درست ہے البتہ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ اِس قسم کی بیعت کو سنت کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی وجہ سے معصیت سے بچاؤ ہوگا اور ترقی جلدی نصیب ہو جائے گی۔ بایں ہمہ یہ بیعت کوئی فرض یا واجب نہیں ہے۔

بعض لوگ ظاہری شکل و صورت سے تو اچھے بھلے معلوم ہوتے ہیں، مگر وہ حقیقت سے خالی ہوتے ہیں۔ رومی صاحبؒ نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا ہے

؎ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دست نہ باید داد دست

بعض لوگ انسان نما شیطان ہوتے ہیں لہذا بلا سوچے سمجھے ہر کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیئے۔ دیکھنا چاہیئے کہ بیعت کنندہ میں مذکورہ بالا شرائط پائی جاتی

ہیں یا نہیں۔ ایسے بیعت کنندہ سے اجتناب کرنا چاہیئے جو محض رسوماتِ باطلہ اور بدعات انجام دینے کی تلقین کرتا ہو۔

ناقابلِ بیعت پیر

آج تو انحطاط کا زمانہ ہے۔ نویں صدی کے بزرگ خواجہ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے اپنے مکتوبات میں اپنے دور کا شکوہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں "ہیہات ہیہات امروز بد روزِ ما است کہ جہاں از پیری و مریدی پُر شدہ و ہیچ خبر مسلمانی نیست" افسوس! آج ہمارا زمانہ کتنا برا ہے کہ جہاں پیری مریدی سے بھرا ہوا ہے مگر مسلمانی کی کسی کو خبر نہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ایمان، اسلام اور دین کیا ہے؟ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ "افسوس! آج ہماری بدنصیبی کا یہ عالم ہے کہ پیری مریدی بت پرستی اور خود پرستی بن چکی ہے اور درویشی لقمہ فروشی کا نام بنا ہوا ہے۔ ہم بدنصیب لوگ دُعا کریں گے کہ خدا تعالیٰ ایسی درویشی اور دین فروشی سے توبہ کی توفیق دے" اول بار مسلمانی درست کنیم بعدہٗ درویشی، یعنی پہلے ہم اسلام اور مسلمانی تو درست کر لیں، درویشی اور پیری مریدی تو بعد کی بات ہے؛ اس وقت جتنی گدیاں اور پیر ہیں ان میں سے اکثر خلافِ شرع کام کرتے ہیں فاسق، فاجر ہیں، شرکیہ اور بدعقیدہ رسوم انجام دیتے ہیں اور دوسروں کو اس کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے لوگ قطعاً بیعت کے لائق نہیں۔ ان سے بیعت کرنے میں فائدے کی بجائے الٹا نقصان ہوگا۔

عورتوں کی بیعت کے لیے شرائط

اب آج کی پہلی آیت میں عورتوں کی بیعت سے متعلق شرائط کا ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے۔ یَاَیُّھَا النَّبِیُّ اے پیغمبر! اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ جب آپ کے پاس عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا اس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی یعنی وہ نہ تو اللہ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرائیں، نہ صفات میں اور نہ افعال میں گویا کسی طرح کا بھی شرک نہیں کریں گی۔ اور دوسری بات یہ کہ وَلَا یَسْرِقْنَ اور وہ چوری نہیں کریں گی وَلَا یَزْنِیْنَ اور بدکاری نہیں کریں گی وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ اپنی بچیوں

کو عار کی وجہ سے زندہ درگور کر دیتے تھے اور بعض فقر کے ڈر سے بھی بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ تم خود رازق بن بیٹھے ہو حالانکہ ہم اِن بچوں کو بھی روزی دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔ بہر حال اس قسم کا ظلم بھی ہوتا رہا ہے جسے بیعت کی شرائط میں داخل کیا گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ اس شرط پر بھی بیعت کریں وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بہتان نہ باندھیں گی۔ مطلب یہ کہ بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کو اپنے خاوندوں کی طرف منسوب نہیں کریں گی۔ اس بہتان میں جھوٹی قسم، جھوٹا دعویٰ اور جھوٹا الزام بھی آجاتا ہے۔ اس کے علاوہ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ وہ نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ فرمایا اگر بیعت کے لیے آنے والی عورتیں ان شرائط پر پوری اترتی ہوں فَبَايِعْهُنَّ تو آپ ان سے بیعت کرلیں۔

مفسرین اس آخری شرط پر کلام کرتے ہیں کہ اللہ نے معروف یعنی نیکی کے کام میں نافرمانی نہ کرنے کی شرط کیوں لگائی ہے جب کہ اللہ کا نبی تو ہمیشہ نیکی کا حکم ہی دیتا ہے اور کبھی برائی یا غلط بات کی دعوت دے ہی نہیں سکتا۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کا نبی کبھی غلط کام کا حکم نہیں دیتا۔ مگر یہ شرط اس لیے لگائی ہے تاکہ کوئی شخص اس کو غلط اطاعت کے لیے بہانہ نہ بنا سکے۔ عام طور پر لوگ امراء، سلاطین اور مطلق العنان لوگوں کی غلط کام میں اطاعت کے لیے عذر پیش کرتے ہیں کہ امر مجبوری تھی یا ہم مجبور تھے اور اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اللہ نے معروف کی شرط لگا کر غلط کام میں اطاعت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔ جب اللہ کے معصوم نبی اور افضل البشر کا اتباع بھی صرف نیکی کے کام میں ہو سکتا ہے تو کسی عام انسان کی برائی کے کام میں اطاعت کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی بادشاہ، خلیفہ، حاکم، امیر یا استاد کسی خلافِ شرع کام کا حکم دے گا تو اُس کی اطاعت نہیں ہوگی کیونکہ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ اور اطاعت تو نیکی کے کام میں ہی ہو سکتی ہے۔ وَإِذَا أُمِرَ

بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ اور جب کسی گناہ یا نافرمانی کا حکم دیا جائے گا تو نہ اُس کو سُنو اور نہ اُس کی اطاعت کرو۔

عورتوں سے بیعت کا طریقہ

فرمایا اگر اِن شرائط پر عورتیں بیعت کرنا چاہیں تو آپ اُن کو بیعت کر لیں مردوں سے بیعت لینے کا طریقہ تو یہ ہے کہ مرشد اپنے مرید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ مگر عورتوں کے لیے یہ طریقہ نہیں ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بیعت کے لیے کسی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ ایک عورت نے مصافحہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی مگر آپؐ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے۔ میری بات ایک عورت یا سو عورتوں کے لیے یکساں ہے میں جو بات زبان سے کرتا ہوں اُس کی پابندی کرو، یہی کافی ہے۔ ہاں اگر تبرک کے لیے ضرور ہی کچھ کرنا ہو تو کسی برتن میں پانی ڈال کر بیعت لینے والا اس پانی میں ہاتھ ڈالے۔ اور پھر اسی پانی میں عورت بھی ہاتھ ڈال لے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی کپڑا لے کر اُسی کا ایک کنارہ پیر پکڑ لے اور دوسرا کنارہ عورت پکڑ لے۔

فرمایا آپ ایسی خواہشمند عورتوں سے بیعت بھی لے لیں وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے اُن کے لیے بخشش کی دعا بھی کریں کہ مالک الملک اُن کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ وہ آپ کی دعاؤں کو پذیرائی بخشے گا۔

مغضوب علیہم سے دوستی کی ممانعت

جو مضمون سورۃ کی ابتداء میں بیان کیا گیا تھا، اب آخر میں اُسی کو دہرایا جا رہا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اے ایمان والو! نہ دوستی کرو اُن لوگوں سے جن پر اللہ ناراض ہوا۔ یہ حکم خاص طور پر مدینے کے اطراف میں آباد یہودیوں کے لیے ہے۔ ان پر اللہ کا غضب ہوا اس لیے سورۃ فاتحہ میں یہ دُعا سکھلائی گئی ہے کہ اے مولا کریم! ہمیں اُن لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا، اور نہ اُن لوگوں کی راہ پر غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ

عَلَيْهِمْ جن پر تیرا غضب ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم مغضوب علیہ لوگوں سے دوستی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی طرح تم پر بھی ناراض ہو گا۔ اس کے علاوہ مطلق کفر اور شرک بھی خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

فرمایا اِن لوگوں کا حال یہ ہے قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ کہ یہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکے ہیں جس طرح کافر لوگ قبروں میں جا پڑنے والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کافر مردوں کی دوبارہ زندگی اور جزائے عمل سے مایوس ہیں کہ نہ وہ دوبارہ زندہ ہوں گے اور نہ ان کا حساب کتاب ہو گا۔ اسی طرح یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ خود بھی دوبارہ نہیں اٹھیں گے اور نہ کوئی جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ یہودی اہلِ علم تھے اور آخرت کا تصور بھی رکھتے تھے مگر غافل ہو کر وہ بھی کافروں کی طرح ہی ہو گئے۔ آج کے دور میں اکثر و بیشتر مسلمانوں کی حالت بھی یہی ہے۔ آخرت کے بارے میں اُن پر بھی مایوسی چھائی ہوئی ہے۔ وہ کوئی کام پورے یقین کے ساتھ نہیں کرتے گویا کہ انہیں حساب کتاب کے لیے اللہ کے حضور پیش ہی نہیں ہونا۔

سورۃ

الصّفّ

(مکمّل)

قد سمع اللہ ۲۸ — سورۃ الصف ۶۱

درس اول ۱ — آیت ۱ تا ۴
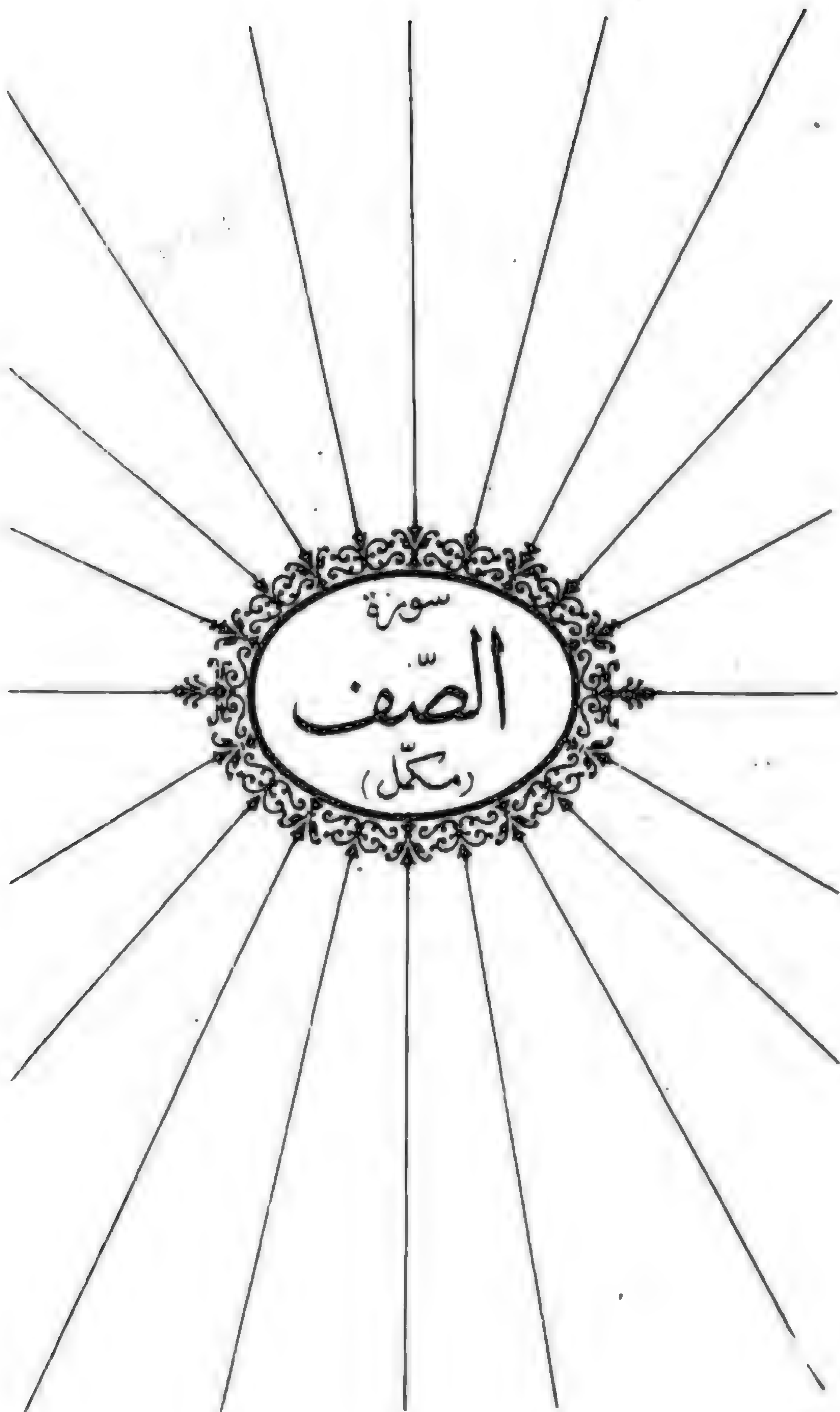
سُورَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الصف مدنی ہے اور یہ چودہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

ترجمہ:- پاکی بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جو کچھ بھی ہے آسمان میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے ① اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو تم وہ بات جو کرتے نہیں ② بڑی ہے نفرت کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک یہ بات کہ تم کہو وہ جو تم نہیں کرتے ③ بیشک اللہ تعالیٰ

پسند کرتا ہے اُن لوگوں کو جو لڑتے ہیں اُس کے راستے میں صف باندھ کر گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار ہیں ④

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الصّف ہے جو اس کی چوتھی آیت میں آمدہ لفظ الصّف سے موسوم ہے۔ صف قطار کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں جہاد کے لیے صف بندی کا ذکر ہے، لہٰذا اس سورۃ کا نام الصّف رکھا گیا ہے مفسرین بیان کرتے ہیں کہ مدنی زندگی میں یہ سورۃ ــــ سورۃ التغابن کے بعد نازل ہوئی حالانکہ ترتیب تلاوت کے لحاظ سے یہ اُس سے پہلے ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی چودہ آیات اور دو رکوع ہیں اور یہ سورۃ ۲۲۱ الفاظ اور ۹۲۶ حروف پر مشتمل ہے

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

گذشتہ سورۃ الممتحنہ میں خدا، اُس کے رسول، اُس کے دین اور اُس کی طرف سے آمدہ پروگرام کے دشمنوں سے دوستی کی ممانعت کی گئی تھی۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ ایک صحابی رسُول سے یہ غلطی ہو گئی تھی کہ اُس نے اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کی خاطر کفار مکہ کو مسلمانوں کے راز سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اللہ نے اس ضمن میں سخت تنبیہ فرمائی کہ یہ لوگ تمہارے کبھی دوست نہیں ہو سکتے۔ اگر انہیں کبھی تم پر تسلط حاصل ہو گیا تو یہ تمہیں تمہارے ایمان کی سزا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ فرمایا غیر حربی کافروں سے تو احسان کیا جا سکتا ہے۔ مگر وہ حربی کافر جو تمہیں ہجرت پر مجبور کرتے ہیں اُن کے ساتھ کسی طرح بھی دوستی نہیں ہو سکتی۔ اب اس سورۃ میں ایک قدم اور بڑھ کر اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، اسلام کے پروگرام کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور دینِ حق کو مٹانا چاہتے ہیں اُن کے ساتھ جہاد کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اس فتنہ کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔ گویا اس سورۃ میں جانبازی اور سرفروشی کا حکم دیا گیا ہے۔

توحید کا بیان

سُورۃ کا آغاز توحید کے بیان سے ہوتا ہے جو دین کی جڑ بنیاد ہے اور

جس کے ذریعے انسانی فکر صحیح ہوتی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان کو بلندی نصیب ہوتی ہے۔ اگر توحید میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو انسان کا کوئی عمل اور کوئی نیکی قابلِ اعتماد نہیں ہوتی اور نہ ہی اُس کو نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے سب سے پہلے توحید کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ پاکی بیان کرتی ہے جو مخلوق بھی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ تسبیح کا معنی تنزیہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے شرک، کمزوری عیب اور احتیاج سے پاک ہے، غرضیکہ اللہ کی ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ جب ہم لفظ اللہ بولتے ہیں تو اُس میں یہ ساری حقیقت آجاتی ہے۔

علمِ عقائد والے سمجھاتے ہیں کہ اللہ سے مراد ایک ایسی ذات ہے، جو ازلی، ابدی قائم اور دائم ہے۔ اُس کا وجود بذاتہٖ ہے اور وہ تمام صفاتِ کمال کی جامع ہے۔ جب کوئی مسلمان اپنی زبان سے سُبْحَانَ اللّٰهِ کہتا ہے یا سَبَّحَ لِلّٰهِ کہتا ہے تو اس کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ ذاتِ خداوندی تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ آتا ہے سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ خدا کی ذات پاک ہے اُن چیزوں سے جن کو یہ لوگ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔ کوئی اللہ کی ذات میں شریک بناتا ہے، کوئی صفات میں، کوئی عبادت میں، کوئی نذر و نیاز میں، کوئی نام رکھنے میں، کوئی دہائی دینے میں، کوئی پکارنے میں، کوئی انتہائی تعظیم کرنے میں۔ یہ سب کفر اور شرک کی باتیں ہیں۔ کسی مخلوق کے سامنے ایسی تعظیم کرنا جو صرف خداوند قدوس کے لائق ہے، صریح شرک ہے۔

دنیا میں شرک کی مختلف قسمیں رائج ہیں۔ اللہ نے سورۃ الانعام میں ان تمام قسموں کو بیان کر دیا ہے۔ کبھی مال میں شرک ہوتا ہے، کبھی افعال میں اور کبھی عقائد میں۔ خدا تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ کو مخلوق میں ثابت کر کے لوگ مشرک بن جاتے ہیں لہٰذا شرک کی ہر قسم سے بیزاری کا اعلان کرنا ضروری ہے۔ پچھلی سورۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کا یہ اعلان گزر چکا ہے اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الممتحنہ۔۴) ہم تم سے بھی بیزار ہیں اور اُن سے بھی جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو۔ اور ہماری یہ بیزاری اس وقت تک قائم رہے گی حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ یہاں تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان لے آؤ

خدا تعالیٰ کی تسبیح

فرمایا کہ ہر چیز خدا تعالیٰ کی تسبیح یعنی تنزیہہ بیان کرتی ہے۔ قرآن میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ شجر، حجر، آسمانی کرے، جانور، کیڑے مکوڑے غرضیکہ مخلوق کی ہر شے خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ البتہ انسانوں میں آکر دو گروہ بن جاتے ہیں ان میں سے ایک گروہ تو دوسری اشیاء کی طرح تنزیہہ بیان کرتا ہے جب کہ دوسرا گروہ شرک کرنے لگتا ہے۔ تسبیح لسانِ حال سے بھی ہوتی ہے۔ اور لسانِ قال سے بھی۔ بعض فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی وضع اور شکل و صورت اور اس کا کام بتلاتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ خدا کے ساتھ کسی چیز میں کوئی شریک نہیں ارض و سما کی ہر چیز کی حالت ہی بتا رہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی ہے قرآن نے اس بات کی تصریح کر دی ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (بنی اسرائیل۔۴۴) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔ مگر تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ جب ہر چیز خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے تو انسانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی تنزیہہ بیان کریں اور اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔ غرضیکہ اس سورۃ کی ابتداء میں یہی اصول سمجھایا گیا ہے

فرمایا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ وہ خدا تعالیٰ زبردست اور غالب ہے، کمال قدرت اور کمال قوت کا مالک ہے، اور اُس کی ہر بات حکمت پر مبنی ہے ایک ذرے سے لے کر بڑے بڑے سیارے تک اُس نے ہر چیز کمال حکمت اور خاص مصلحت کے ساتھ قائم کر رکھی ہے۔ جس میں کوئی عیب اور نقص نہیں سورۃ الملک میں اللہ نے فرمایا ہے کہ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (آیت۔۳) آسمان کی طرف بار بار نگاہ اٹھا کر دیکھ لو مگر تم اُس میں کوئی نقص یا عیب نہیں پاؤ گے۔ یہ اس کمال قدرت اور کمال حکمت کے مالک

خداوند تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اس میں کوئی عیب نہیں ہو سکتا۔

شانِ نزول

آگے سورۃ کا اصل موضوع آ رہا ہے یعنی خدا کے دشمنوں سے دوستی کی ممانعت اُن کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم۔ اس سورۃ مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم بعض صحابہؓ بیٹھے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے، کاش ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک سب سے اچھا عمل کون سا ہے تاکہ ہم اس پر عمل کر سکیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے کسی شخص کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں نہ بھیج سکے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے خود اِن آدمیوں کو طلب فرمایا اور پوچھا کیا تم نے یہ بات کی ہے۔ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ پھر آپ نے یہ ساری سورۃ اُن کو سنا دی جس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

قول و فعل کا تضاد

بعض فرماتے ہیں کہ جب تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ بعض لوگوں کی خواہش تھی کہ اجازت ملے تو ہم دشمنوں کے خلاف جہاد کریں۔ پھر جب جہاد کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو بعض لوگوں نے کمزوری دکھائی لہٰذا اللہ نے اُس کی سخت مذمت بیان کی۔ چنانچہ یہاں اسی بات کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ اگر انسان کوئی دعویٰ کرے اور پھر اس پر پورا نہ اُترے تو یہ بہت بُری بات ہے جو کہ قابلِ مذمت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُوا۟ مَا لَا تَفْعَلُونَ اللہ کے نزدیک یہ بات باعثِ نفرت ہے کہ تم وہ کچھ کہو جو خود نہیں کرتے۔ جب ایک چیز کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر اُس کے مطابق عمل بھی کر کے دکھاؤ۔ اگر جہاد کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے تو پھر بزدلی نہ دکھاؤ حقیقت میں قول و فعل کا یہ تضاد منافقت کی علامت ہے۔ اس بات کا مفصل ذکر آگے سورۃ المنافقون میں آئے گا۔ چنانچہ عملی منافق جو دنیا میں کثرت سے پائے جاتے ہیں وہ اسی تضاد کا شکار ہوتے ہیں۔ انصاف سے دیکھا جائے

توہم اسلام کے دعویدار بھی عملی منافق ہیں۔ کوئی اکا دکا آدمی اس فہرست میں نہ آتا ہو وگرنہ مجموعی طور پر ہماری یہی حالت ہے۔ حضور علیہ السلام نے منافق کی یہ علامت بیان فرمائی ہے اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اس کا عمل اُس کے قول کے مطابق نہیں ہوتا۔ حکومتوں کی پالیسیاں، اُن کے بیانات، تقریریں تحریریں اُن کے اعمال سے بالکل مختلف ہیں۔ جن چیزوں کا پراپگینڈا کیا جاتا ہے اُن کا نام و نشان بھی ہماری زندگیوں میں نہیں ملتا۔ سب زبانی کلامی بات ہے، عمل کچھ بھی نہیں۔ اجتماعی کام سارے منافقت پر مبنی ہیں۔ کہتے ہیں کہ غربت ختم کر دیں گے، تعلیم عام کر دیں گے، ٹی بی ختم کر دیں گے مگر عملی طور پر کچھ بھی نہیں کرتے، غربت اُسی طرح ہے بلکہ بڑھ رہی ہے، بے روزگاری عام ہے، ہسپتالوں کا نظام ناگفتہ بہ ہے۔ سکولوں، کالجوں میں داخلے نہیں ملتے، بھلا اِن کے دعووں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ زبانی باتیں کرتے ہیں، عملی ثبوت کوئی نہیں پیش کرتے۔ حدود آرڈیننس تو جاری ہو گیا۔ مگر اغواء، بدکاری اور بے حیائی تو اسی طرح ہے۔ کیا جرائم ختم ہو گئے ہیں؟ کیا لوگ آرام کی نیند سو رہے ہیں؟ کیا دِن دیہاڑے ڈاکے نہیں پڑ رہے ہیں۔ اگر یہ باتیں درست ہیں تو پھر تمہارے دعوے کہاں گئے جن میں کہتے ہو کہ ملک کو امن و امان کا گہوارہ بنا دیں گے، بے روزگاری ختم ہو جائے گی، کوئی بچہ تعلیم کے بغیر نہیں رہے گا اور ہر مریض کو علاج معالجے کی سہولتیں حاصل ہوں گی۔ یہی تضاد بیانی ہے اور اسی کا نام منافقت ہے۔ جو ہر فرد میں پائی جاتی ہے اور بحیثیت مجموعی ہر جماعت اور ہر حکومت میں عیاں ہے اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ وہ کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں؟

منافقت سے تکالیف دور نہیں ہوتیں بلکہ مصائب کا علاج سچائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تضاد بیانی غیر مسلم اقوام میں تو ہے ہی، روس، امریکہ، جاپان، جرمنی، برطانیہ، فرانس سب تضاد بیانی کا شکار ہیں، نہ کوئی کافر اس سے بچا ہوا ہے، نہ یہودی، نہ نصرانی، نہ دہریہ اور نہ مسلمان۔ سارا معاشرہ ہی بگڑا ہوا ہے

تاجر ہوں یا صنعت کار، ملازم پیشہ لوگ ہوں یا مزدور سب اس بیماری میں مبتلا ہیں
اعلان کرتے ہیں کہ رشوت کا قلع قمع کر دیں گے مگر کب؟ کوئی کام رشوت کے بغیر
انجام نہیں پاتا۔ کوئی تو مجبوری سے اس لعنت میں گرفتار ہے اور کوئی اپنے اختیار
اور ارادے سے اس دھندے میں لگا ہوا ہے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ اے
ایمان والو! جو کہتے ہو وہ کرتے کیوں نہیں۔ یہ تضاد بیانی اللہ کے ہاں سخت نفرت
والی بات ہے۔

صف بندی کی اہمیت

آگے اللہ نے جہاد کے ضمن میں صف بندی کی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد
ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا
بیشک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے
ہیں اور اس وقت ان کی حالت یہ ہوتی ہے کَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ
گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار ہیں۔ مضبوط دیوار وہ ہوتی ہے جو اینٹ
سیمنٹ، پتھر وغیرہ سے بنائی جائے اور جس میں کوئی رخنہ نہ ہو۔ ایک اینٹ دوسری
کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ پھنسی ہوئی ہو۔ تو مجاہدین کی صفیں بھی ایسی ہی مضبوط
ہونی چاہئیں جن میں کوئی رخنہ نہ ہو اور وہ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔

صف بندی سے متعلق حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور
علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَضْحَکُ اللہ تعالیٰ ہنستا ہے یعنی پسندیدگی
کی نگاہ سے دیکھتا ہے اُس شخص کو جو رات کو اٹھ کر اس کی عبادت کرتا ہے
جب کہ باقی لوگ سوئے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نماز کے لیے صف بندی کرنے
والوں کو بھی استحسان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان ایمان والوں کو بھی پسندیدگی
کی نظر سے دیکھتا ہے جو دشمن کے مقابلے میں صف بندی کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام
کا یہ بھی فرمان ہے کہ دو مواقع کی صفیں اللہ کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہیں، ایک
نماز کے موقع پر اور دوسری جہاد کے موقع پر۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ نظم و نسق
کو برقرار رکھنا چاہیئے اور کسی بدنظمی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے۔ حضور علیہ السلام میدان

جنگ میں مجاہدین کی صفیں اور مسجد میں نمازیوں کی صفیں خود سیدھی فرمایا کرتے تھے تاکہ کوئی رخنہ باقی نہ رہے۔

صف بندی کے عنوان سے دراصل نظم و نسق کی تعلیم دی گئی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام کام نظم و ضبط کے ساتھ انجام پانے چاہئیں۔ یہاں پر جہاد کے لیے صف بندی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے تاکہ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جا سکے۔ فرمایا اللہ تعالٰے ایسے مجاہدوں کو پسند کرتا ہے جو اللہ کے راستے میں صف باندھ کر مقابلہ کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

ترجمہ:- اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اے میری قوم کے لوگو! مجھے تم کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف۔ پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا اس قوم کو جو نافرمانی کرنے والی ہو ⑤

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و تنزیہہ کا ذکر کرنے کے بعد اہلِ ایمان سے فرمایا کہ ان کی زندگی میں قول و فعل کا تضاد نہیں ہونا چاہیئے یعنی کوئی ایسی بات نہ کریں جس پر خود عمل پیرا نہ ہوں یہ بات اللہ کے نزدیک بہت ہی بری اور مبغوض ہے۔ سچے ایمانداروں کا یہ شیوہ ہرگز نہیں ہو سکتا یہ تو منافقوں کی روش ہے اس کے بعد اللہ نے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا ذکر کیا اور اس کو احب الاعمال یعنی پسندیدہ کام بتلایا۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ اس کے راستے میں صف باندھ کر جہاد کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

جہاد کی اہمیت

اس سورۃ مبارکہ کا مرکزی مضمون دین کی خاطر جانی اور مالی قربانی پیش کرنا ہے۔ پچھلی سورۃ میں دشمنانِ خدا، دشمنانِ رسول، دشمنانِ کتاب اور دشمنانِ دین کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کیا گیا تھا، اور اس سورۃ میں اللہ کی راہ میں

جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حدیث میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے ذُرْوَۃُ سَنَامِہِ الْجِہَادُ اسلام کی کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ جس طرح کوہان اونٹ کے جسم کا بلند ترین حصہ ہوتا ہے اسی طرح اسلامی احکام میں بلند تر حکم جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اسی کی وجہ سے اہلِ ایمان کو عزت حاصل ہوتی ہے اور دین کو عزت، وقار اور غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے بھی جہاد ضروری ہے کیونکہ دشمن ہمیشہ دین کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا ہے اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے۔ کہ جو کمزوری موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں پیدا ہو گئی تھی وہ کمزوری حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں نہیں آنی چاہیئے۔ جس طرح قومِ موسیٰ اپنے نبی کے حکم کی تعمیل میں پس و پیش کرتی تھی اس طرح مسلمانوں کو نہیں کرنا چاہیئے بلکہ نبی کے ہر حکم کی مکمل اطاعت کرنی چاہیئے۔

حضور صلی اللہ اور موسیٰ علیہ کے حالات میں مماثلت

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے مماثلت رکھتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام قوم کے نبی بھی تھے اور حاکم بھی۔ آپ کو اللہ نے ایک عظیم الشان کتاب بھی عطا فرمائی تھی۔ اللہ نے آپ کو اُس دور کی سب سے بڑی طاقت فرعون کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا تھا۔ انہوں نے ابتداء میں بڑے مصائب برداشت کیے اور ان پر صبر کیا۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قوم کی طرف رسول تھے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل-۱۵) ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا

——————————— اور

پھر آپ کو بھی اللہ نے حکومت عطا فرمائی۔ اللہ نے آپ کی طرف آخری اور سب سے عظیم کتاب نازل فرمائی۔ آپ کو بھی قریشِ مکہ جیسی سرکش قوم سے واسطہ پڑا جو فرعون

سے بھی زیادہ متکبر تھی۔ جب وقت فرعون غرق ہو رہا تھا تو اس نے ایمان لانے کی کوشش کی۔ اور کہنے لگا۔ اٰمَنْتُ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس - ۹۰) یعنی میں بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ مگر اللہ نے فرمایا آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (آیت - ۹۱) اب ایمان لاتے ہو ساری عمر تو نافرمانی اور غنڈہ گردی کرتے رہے اور اب جب کہ موت کے فرشتے نظر آ گئے اور غیب کا پردہ اٹھ گیا تو ایمان لاتے ہو، اب یہ ایمان قابلِ قبول نہیں ہے۔

قریش مکہ کا غرور و تکبر بھی اس سے کم نہیں تھا۔ جنگ بدر میں ابوجہل کو دو نوجوانوں نے قتل کر دیا۔ وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کی گردن اتارنے کے لیے اس کے سینے پر چڑھ گئے۔ اس عالم میں بھی ابوجہل کا غرور اس درجہ کا تھا کہ کہنے لگا کہ تو تو بڑی اونچی گھاٹی پر چڑھ گیا ہے وہ بدبخت کہہ رہا تھا کاش کہ کوئی کاشتکار مجھے قتل نہ کرتا۔ کوئی میری حیثیت کا آدمی مجھے مارتا تو مجھے حسرت نہ رہتی۔

کسریٰ کا غرور

حضور علیہ السلام کو کسریٰ جیسی سپر طاقت کے ساتھ بھی واسطہ پڑا۔ اس کے غرور و تکبر کے اظہار کے لیے یہ واقعہ کافی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ۷ھ کے قریب مختلف بادشاہوں کو بذریعہ خطوط اسلام کی دعوت دی۔ ان میں ایک خط کسریٰ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کی طرف تھا۔ جب یہ خط حضرت عبداللہ ابن حذافہؓ نے بادشاہ کو پیش کیا تو وہ پڑھ کر غصے میں آ گیا اور خط کو پھاڑ دیا، کہنے لگا، اب عرب کے بدو بھی ہمیں دعوت نامے بھیجنے لگے ہیں ہم ہزاروں سال پرانی بادشاہی کے مالک ہیں۔ بھلا یہ ہمیں کیا دعوت دیں گے؟ اس بدبخت نے حضرت عبداللہؓ کی تذلیل کی حتیٰ کہ ان کے سر پر مٹی کا ٹوکرا اٹھوا دیا۔ آپ بڑے ذہین آدمی تھے، جب اپنے ساتھیوں کے پاس آئے تو ان کو خوشخبری دی کہ دیکھو کسریٰ نے ایران کی سرزمین خود میرے سر پر رکھ دی ہے

پھر جب اس واقعہ کی اطلاع حضور علیہ السلام کو دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے میرے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دے گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ہی وہ آپس میں لڑنے لگے اور یہ سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، پھر حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ سلطنت مکمل طور پر فتح ہو گئی۔ یہ مجوسی مذہب رکھتے تھے۔ جن میں سے اکثر مسلمان ہو گئے۔

قوم موسیٰ کا بگاڑ

بنی اسرائیل یعنی قوم موسیٰ علیہ السلام میں ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ اپنے نبی کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے تھے بلکہ ٹال مٹول سے کام لیتے تھے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام نے ایک قتل کے سراغ کے لیے اُن سے کہا کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم کو لگاؤ تو وہ تمھیں اپنے قاتل کی نشاندھی کر دے گا۔ مگر بنی اسرائیل نے طرح طرح کی حجت بازی کی۔ پہلے کہنے لگے کہ اے موسیٰ! کیا تو ہم سے مذاق کرتا ہے۔ جب انہوں نے یقین دلایا کہ یہ مذاق نہیں بلکہ حقیقت ہے تو کہنے لگے بتلاؤ وہ گائے کیسی ہونی چاہیے۔ اس کا رنگ کیسا ہو، وغیرہ

اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ اس ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمھیں فتح عطا کرے گا۔ تو وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہم اس شہر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ قوم عمالقہ وہاں موجود ہے لہذا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ (المآئدۃ۔ ۲۴) تو اور تیرا رب جا کر ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔

اُن کی ایک بہت بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ اللہ کے کلام میں تحریف کرتے تھے۔ مثلاً سورۃ النسآء آیت ۴۶) میں موجود ہے يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا یہ لوگ کلمات کو اُن کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا ہے مگر مانا نہیں۔

جب اسرائیلی فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے تو انہوں نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لیے کوئی قانون ہونا چاہیے۔ جس کی ہم پابندی کریں۔ اللہ

نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ چالیس دن کوہ طور پہ اعتکاف کرو تو تمہیں کتاب عطا کی جائے گی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر لی تو اللہ نے تورات جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی جس میں حلت و حرمت وغیرہ کے تمام قوانین موجود تھے۔ جب یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو پیش کی تو وہ اسی میں مندرج احکام کی تعمیل میں پس و پیش کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ایک موقع پہ اللہ نے فرمایا وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ کہ ہم نے تمہارے اُوپر کوہ طور کو اٹھا کر کھڑا کر دیا اور حکم دیا کہ جو کتاب ہم نے دی ہے اُس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو، اور جو تمہیں حکم ہوتا ہے۔ اُس کو سنو۔ مگر وہ کہنے لگے کہ ہم نے سُن تو لیا ہے مگر مانتے نہیں (البقرہ۔۹۳)

الغرض! بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ نے فرمایا وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (المآئدۃ۔۱۳) ہم نے اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ پھر یہی خرابی بڑھتے بڑھتے اُن کی گمراہی کا ذریعہ بن گئی اور وہ مغضوب ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اس قوم کی اصلاح کے لیے ہزاروں نبی آئے۔ مگر انہوں نے ان نبیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہؓ کی جاں نثاری

قومِ موسیٰ کے برخلاف حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی جاں نثاری کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ بدر کے موقعہ پہ[1] حضور علیہ السلام نے مہاجرین اور انصار دونوں سے خطاب کیا تاکہ جنگ سے متعلق اُن کی رائے دریافت کی جا سکے مہاجرین کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر حضرت عمرؓ نے اچھی بات کہی۔ پھر حضرت مقداد بن عمروؓ اٹھے اور عرض کیا کہ حضور! اللہ نے آپ کو جو راہ دکھائی ہے، آپ اس پہ رواں دواں رہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کریں گے۔ جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔

---

[1] الکامل لابن الاثیر ص۱۲۰ ج۲ و تاریخ طبری ص۴۳۳ ج۲

حضور علیہ السلام بار بار فرما رہے تھے کہ لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ کا اشارہ انصار کی طرف تھا۔ چنانچہ انصار میں سے حضرت سعدؓ بن معاذؓ نے عرض کیا کہ حضور! ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کی ہے اور گواہی دی ہے کہ جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے۔ اگر آپ ہمیں حکم دیں گے تو ہم اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیں گے۔ ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے، اور ہر مشکل سے مشکل مہم پر جانے کے لیے تیار ہیں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور آپ نے جنگ کا فیصلہ کر لیا۔

موسیٰؑ کا قوم سے شکوہ

بہرحال موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی پے در پے نافرمانیوں سے تنگ آکر اُن کا شکوہ بیان کیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِىْ اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں اذیت پہنچاتے ہو وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ اِن تکالیف کا قرآن میں اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى (الاحزاب - ۶۹) حضور علیہ السلام کے امتیوں سے خطاب ہے کہ تم بھی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکالیف پہنچائیں۔

صحیحین کی حدیث میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی باحیا انسان تھے۔ حتیٰ کہ وہ لوگوں کے سامنے کبھی برہنہ نہیں ہوئے تھے۔ اس پر اسرائیلیوں نے پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ آپ کو اُدرہ کی بیماری ہے جس میں انسان کے فوطے پھول جاتے ہیں۔ کبھی اِن میں پانی بھر جاتا ہے اور کبھی چربی آجاتی ہے جس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کو ایسی کوئی بیماری نہیں تھی بلکہ وہ تو حیاداری

ؔلہ تاریخ طبری ص۴۳۵ ج ۲ و الکامل لابن الاثیر ص۱۲۰ ج ۲

ؔلہ مسلم ص۱۰۲ ج ۲ میں سعد بن عبادہؓ سے یہی الفاظ منقول ہیں (فیاض)

کی وجہ سے ہمیشہ باپردہ نہاتے رہتے تھے۔ تاہم فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا (الاحزاب ۶۹) اللہ نے آپ کو اس الزام سے بھی بری کیا۔ اس کے علاوہ آپ کے برادر زادے قارون نے آپ پر بدکاری کا الزام لگایا (العیاذ باللہ) مگر اللہ نے اُسی کو ذلیل کیا حتیٰ کہ وہ بمع مال و دولت زمین میں دھنس گیا۔ اس قسم کی اذیتیں تھیں جو اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیتے رہتے تھے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! مجھے کیوں تکلیف پہنچاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

ایسا ہی واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت میں بھی ملتا ہے۔ جنگ حنین کے موقع پر مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو ایک شخص نے کہا، اللہ کے رسول! آپ انصاف کریں۔ اس پر آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو دنیا میں اور کون انصاف کرے گا۔ خدا کے فرشتے اور خود اللہ تعالیٰ بھی مجھے امین سمجھتا ہے مگر تم مجھے خائن سمجھتے ہو، کس قدر ظلم کی بات ہے آپ نے فرمایا رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰى لَقَدْ اُوْذِيَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے اُن کو تو اس سے بھی زیادہ تکالیف دی گئیں مگر انہوں نے صبر کیا۔ الغرض! موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم مجھے تکلیف دیتے ہو حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

دلوں کی کج روی

بہر حال بنی اسرائیل کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے فَلَمَّا زَاغُوْا جب وہ لوگ کج رفتار ہو گئے یعنی ٹیڑھا چلنے لگے اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ تو اللہ نے اُن کے دلوں کو بھی ٹیڑھا کر دیا۔ جب کوئی شخص کسی بد عملی پر اصرار کرتا ہے۔ تو پھر وہ اس میں پختہ ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک چھوٹا سا سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے اگر وہ توبہ کر لے تو وہ داغ دھل جاتا ہے۔ اور اگر اس گناہ پر اصرار کرتا ہے تو داغ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرہ - ۷) اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیتا ہے۔ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اس میں صحیح چیز کو

قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی اور انسان نیکی کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کسی گناہ کو حقیر نہ جانو کیونکہ تنکا تنکا جمع ہو کر بھی پہاڑ بن جاتا ہے۔ اسی طرح کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ اگر مسجد سے ایک تنکا اٹھا کر باہر پھینک دو تو یہ بھی ایک نیکی ہے۔ نیکیاں اور برائیاں ساری جمع ہوتی رہتی ہیں، ان کو حقیر نہ جانو کیونکہ یہ آگے چل کر پہاڑوں کی صورت میں نظر آئیں گی۔

بنی اسرائیل نے اپنی کجروی کی وجہ سے اپنے نبی کو ایذا پہنچائی تو اُن کے دل ٹیڑھے ہو گئے اور آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی وہ تنگ دل اور سیاہ باطن ہی ہیں مسیح علیہ السلام کے ساتھ بھی اسرائیلیوں نے بدترین سلوک کیا حتیٰ کہ آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔ آپ کو دجال کہتے اور منہ پر تھوکتے تھے، پتھر مارتے الزام تراشی کرتے اور گالیاں دیتے تھے۔ اُن کے دل بھی ٹیڑھے ہو گئے اور ان میں نیکی کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہی۔ ایسے لوگ برائیاں لے کر ہی اگلے جہان میں جاتے ہیں ان حالات میں اصول یہ ہے وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کی راہنمائی نہیں کرتا۔ جب تک کوئی شخص کفر، شرک فسق، بدعت اور معصیت کو ترک نہیں کرتا اُسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۗ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶﴾

ترجمہ :- اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے بنی اسرائیل! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف۔ میں تصدیق کرنے والا ہوں اُس کی جو میرے آگے ہے تورات۔ اور میں خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کے ساتھ جو آنے والا ہے میرے بعد اور جس کا نام احمد ہے۔ پس جب آئے اُن کے پاس وہ کھلی نشانیاں لے کر تو کہنے لگے وہ لوگ کہ یہ تو کھلا جادو ہے ﴿۶﴾

ربط آیات

پہلے اللہ نے اپنی توحید اور تنزیہہ کا ذکر کیا اور پھر قول اور فعل کے تضاد کو رفع کرنے کے لیے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کو کرتے نہیں۔ یہ تو اللہ کے نزدیک بڑی ناراضگی والی بات ہے۔ فرمایا اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل دشمنوں کے ساتھ صف بستہ ہو کر جنگ کرنا ہے پھر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا حال بیان کیا۔ اور اُن کی نافرمانی اور معصیت کا شکوہ کیا۔ کہا تم مجھے کیوں تکلیف دیتے ہو۔ حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں مگر وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کرتے اور ان کو اذیتیں پہنچاتے رہے جس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ اُن کے دِل ٹیڑھے ہو گئے۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ یہ ذکر کر کے اللہ نے آخری رسول کی آخری امت کو تنبیہ کی ہے کہ وہ قومِ موسیٰ جیسے کام کر کے اپنے نبی کو اذیت نہ پہنچائیں ورنہ ان کے دِل بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے اور وہ نیکی سے محروم ہو جائیں گے۔

سابقہ کُتب کی تصدیق

موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے کے بعد اب اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے جس میں آپ کے دو فرائض کو بیان کیا ہے۔ پہلا یہ کہ آپ سابقہ کُتب کے مصدق ہیں اور دوسرا یہ کہ آپ آخری نبی کی بشارت سنانے والے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اور اس بات کو دھیان میں لاؤ جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے کہا۔ قرآنِ حکیم میں مسیح علیہ السلام کو عیسیٰ ابن مریم کہہ کر ہی خطاب کیا گیا ہے آپ کی نسبت ماں کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ تو آپ نے کہا یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اے بنی اسرائیل! یہ وہی لوگ ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام یعقوب علیہ السلام اور دوسرے انبیائے کرام کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو آپ نے کہا اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور میں کسی چیز کو مٹانے کے لیے نہیں آیا بلکہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ میں اپنے سے پہلے آنے والی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں کہ وہ اللہ کی عظیم الشان اور برحق کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

یہ مسلمہ اصول ہے کہ ہر نبی اپنے سے پہلے آنے والے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ ہاں اگر کوئی حکم اللہ تعالیٰ منسوخ کرنا چاہتا ہے تو اس کو اگلے نبی کی زبان سے واضح کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان ہے جس کو اللہ نے سورۃ آلِ عمران میں نازل فرمایا ہے۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ (آیت: ۵۰)

میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور بعض چیزیں جو تمہارے لیے حرام قرار دی گئی تھیں انہیں اللہ کے حکم سے حلال قرار دیتا ہوں۔ اسی اصول کے مطابق اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم سابقہ تمام کتب سماویہ کی تصدیق کرتی ہے البتہ اُن باتوں کی نشاندھی بھی کرتی ہے جن میں پہلی امتوں نے گڑبڑ کی ہے، اور جن احکام میں تحریف کی ہے اُن کو واضح کرتی ہے کیونکہ قرآن حکیم مہیمن بھی ہے۔ جو سابقہ کُتب کے مضامین کا محافظ ہے۔

چونکہ بنی اسرائیل مسیح علیہ السلام کو اللہ کا رسول ماننے کے لیے تیار نہیں تھے بلکہ انہیں دجال تک کہا، لہٰذا آپ نے اپنی پوزیشن کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تورات کا مخالف نہیں بلکہ اس کا مصدق ہوں، لہٰذا تم میری مخالفت بلاوجہ کر رہے ہو۔ اپنے رویے پر نظرثانی کرو اور مجھے تسلیم کر لو۔ بہرحال عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر کر کے امتِ محمدیہ کو یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح تم بھی کہیں اپنے نبی کی مخالفت نہ کر بیٹھنا بلکہ اُن سے اچھا سلوک کرنا۔

آخری نبی کی بشارت

مسیح علیہ السلام نے دوسری بات یہ کی وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ میں خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آنے والا ہے اور جس کا نام احمد ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنی تبلیغ کے دوران یہ دونوں باتیں کرتے تھے۔ اپنی رسالت کا اعلان کرتے اور اپنے بعد آنے والے اللہ کے رسول کی خوشخبری دیتے۔ بخاری شریف اور مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے کہا اِنَّ لِيْ اَسْمَاءً یعنی میرے کئی نام ہیں۔ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا میرے گھر والوں کا تجویز کردہ نام محمد ہے جس کا معنی ہے تعریف کیا ہوا۔ اور میرا نام احمد ہے یعنی خدا تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف کرنے والا۔ پھر فرمایا میرا نام مَاحِيْ بھی ہے۔ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی بعثت کے وقت ہزاروں میں کوئی اکا دکا آدمی ہی ایمان اور توحید پر قائم ہوگا۔ وگرنہ ساری دنیا کفر، شرک اور

معصیت سے بھری ہوئی تھی۔ اللہ نے آپ کے ذریعے اِن قباحتوں کو ختم کیا، اور پھر دنیا نے دیکھا کہ صرف پچاس سال کے عرصہ میں دنیا کا نصف سے زیادہ حصہ اسلام کے زیر تسلط آچکا تھا اور باقی نصف دنیا میں بھی لوگ اسلام سے روشناس ہو چکے تھے۔ غرضیکہ آپ کا نام مَاحِیْ (مٹانے والا) اس لیے ہے کہ اللہ نے آپ کے ذریعے کفر و شرک کا قلع قمع کیا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرا نام حاشر ہے۔ میرے سامنے لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ اللہ نے دنیا میں بھی مختلف اقوام کو آپ کے سامنے جمع کیا، اور قیامت والے دن جب مقامِ محمود پر فائز ہونے کا وقت آئے گا تو ساری کائنات آپ کے سامنے اکٹھی ہو جائیگی۔ فرمایا میں عاقب یعنی سب سے بعد میں آنے والا ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

دعائے خلیل اور نوید مسیحا

مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ کسی شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا، حضور! اپنی نبوت کی ابتدا کے متعلق کچھ فرمائیں، تو آپ نے فرمایا اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ یعنی میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا نتیجہ ہوں آپ نے دُعا کی تھی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (البقرہ۔۱۲۹) پروردگار! اس امت میں ایک عظیم الشان رسول برپا کر۔ یہ اُس وقت کی دعا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہؓ اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو مکے کی بے آب وگیاہ زمین میں آباد کیا تھا آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مَیں اپنی والدہ کے خواب کی تعبیر ہوں۔ میری ولادت سے پہلے میری والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ اُن کے پہلو سے ایک ایسی روشنی نمودار ہوئی ہے۔ جس نے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ خواب بھی پورا ہُوا۔ اور آپ کے ذریعے سے کفر و شرک کے اندھیرے دور ہوئے اور مشرق و مغرب میں ایمان اور توحید کی روشنی پھیلی۔

انگریز کے زمانے میں برصغیر کے مسلمانوں کی حالت بڑی ابتر تھی۔ بر شریعت

آدمی کو ذلیل کیا جاتا تھا۔ سورۃ النمل میں بھی آتا ہے۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً (آیت۔ ۳۴) جب ملوک کسی بستی یا ملک میں داخل ہوتے ہیں تو فتنہ و فساد کا بازار گرم کرتے ہیں، قتل و غارت ہوتا ہے اور وہاں کے شرفاء کو ذلیل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ برصغیر میں بھی ایسا ہی ہوا۔ لوگوں کو سزائے موت دی گئی، بعض کو کالے پانی بھیجا گیا، جیلوں میں ڈال دیا گیا اور جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو کمزور کیا اور ہندوؤں کو آگے لانے کی کوشش کی۔ اس دوران میں پانی پت میں مولانا حالی پیدا ہوئے ۱۸۵۶ء میں دہلی میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ آپ مولانا قاری عبدالرحمان پانی پتی کے شاگرد تھے جو مولانا شاہ اسحاق محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ بعد میں مولانا حالی نے بڑی شہرت پائی۔ انہوں نے مسلمانوں کی زبوں حالی کا ذکر اپنی مشہور زمانہ نظم "مد و جزرِ اسلام" میں کیا۔ یہ نظم مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے اس میں آپ نے حضور علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل و نویدِ مسیحا

انجیل میں تحریفات

اصل انجیل سریانی زبان میں تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ مسیح علیہ السلام نے کہا اے لوگو! میں اپنے پروردگار کے پاس جاؤں گا۔ اور وہاں سے تمہارے پاس فارقلیط آئے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا اور جس کی شریعت دائمی ہو گی۔ فارقلیط احمد کا ہم معنی لفظ ہے یعنی تعریف والا، ستودہ صفات اور خدا تعالیٰ کی بہت تعریف کرنے والا۔ پچھلی صدی تک انجیل میں یہ لفظ موجود تھا۔ مگر آج کل جو عہد نامہ جدید اور عہد نامہ قدیم ہے، اس میں سے یہ لفظ نکال کر اس کی جگہ مددگار یا شفیع کا لفظ لکھ دیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فارقلیط کے لفظ سے دین اسلام کی صداقت ظاہر ہوتی تھی جو عیسائیوں کے لیے قابلِ قبول نہیں لہذا انہوں نے تحریف کر کے یہ لفظ ہی نکال دیا۔ انجیل میں یہ پیشین گوئی بھی موجود تھی کہ فارقلیط

دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ فاران کی چوٹیوں سے آئے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن یہ پیشین گوئی بھی پوری ہو گئی۔ حضور علیہ السلام دس ہزار صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے۔ چونکہ اس سے بھی دینِ اسلام کی صداقت ظاہر ہوتی تھی لہٰذا عیسائیوں نے اس مقام پر بھی دس ہزار کی بجائے موجودہ انجیل میں لاکھوں کا لفظ لکھ دیا ہے۔ خود قرآن نے شہادت دی ہے کہ یہ بڑے غلط کار لوگ ہیں۔ چنانچہ اِن کی کتاب کے ہر ایڈیشن میں کوئی نہ کوئی تحریف کر دی جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عیسائی حضور علیہ السلام کو بھی اس طرح نبی تسلیم نہیں کرتے جس طرح یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور کسی ایک کا انکار بھی کفر کے مترادف ہے۔

تکذیبِ رسل

بہرحال مسیح علیہ السلام کا ایک فریضہ یہ بھی تھا کہ وہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت سناتے تھے۔ مگر ہوا کیا؟ فَلَمَّا جَآءَهُم بِالْبَيِّنَٰتِ جب وہ اللہ کا آخری نبی کھلی نشانیاں لے کر آگیا قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ جآءَ سے مسیح علیہ السلام بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اللہ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ جب مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے اُن کی تکذیب کر دی اور جب حضور خاتم النبیینؐ تشریف لائے تو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ وہ رسُول نہیں ہے جس کی بشارت سابقہ کتب میں دی گئی ہے۔ اسی طرح قریشِ مکہ نے بھی آپ کی رسالت کا انکار کیا بلکہ آپ پر طرح طرح کے الزامات لگائے، کبھی کاہن کہا، کبھی شاعر اور کبھی جھوٹا (العیاذ باللہ) کبھی کہتے کہ یہ شخص کسی عجمی غلام سے سیکھ کر آتا ہے اور ہمارے سامنے قرآن بنا کر پیش کر دیتا ہے جب انہوں نے شق القمر جیسا واضح معجزہ دیکھا تو کہنے لگے سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (القمر - ۲) یہ تو چلتا ہُوا جادو ہے، پہلے بھی چلتا تھا اور آج بھی چل رہا ہے۔

الغرض ! حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر کر کے اہل ایمان کو بات سمجھائی گئی ہے کہ وہ اُن انبیاء کی قوموں کی طرح نہ ہو جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو، کہ تمہارے دل بھی سیاہ ہو جائیں اور ہدایت سے ہی محروم ہو جاؤ۔ اس سلسلے کا ذکر آگے بھی آرہا ہے۔

درس چہارم ۴ آیت ۷ تا ۹

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨

ترجمہ:- اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا، اور اس کو دعوت دی جا رہی ہے اسلام کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا ظالم قوم کو ⑦ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے، اور اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کافر اس کو ناپسند کریں ⑧ وہ وہی اللہ کی ذات ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ تاکہ اس کو غالب کر دے تمام ادیان پر، اگرچہ اس کو ناپسند کرتے ہیں شرک کرنے والے ⑨

ربطِ آیات پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا تاکہ لوگ آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اللہ کے راستے میں آنے والی تکالیف کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت

کریں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قوم سے خطاب اور حضور خاتم النبین علیہ السلام کی بعثت کی بشارت کا ذکر ہوا۔ مگر جب حضور علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے تو لوگوں نے آپ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ یہ بات خود مسیح علیہ السلام پر بھی صادق آتی ہے کہ جب انہوں نے بھی نبوت کا اعلان کیا اور لوگوں کو حق کی طرف دعوت دی تو انہوں نے نہ صرف آپ کی نبوت کا انکار کیا بلکہ آپ کو جھوٹا دجال کہا۔ بہرحال اللہ نے منکرین کی سخت مذمت بیان فرمائی ہے اور اہلِ ایمان کو خبردار کیا ہے کہ وہ دینِ حق پر ثابت قدم رہیں۔ خواہ اس رستے میں کتنے بھی مصائب برداشت کرنا پڑیں۔

نجاشی کا قبولِ اسلام

جب حضور خاتم النبین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی تو مشرکین مکہ نے صاف انکار کر دیا اور آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو طرح طرح کی تکالیف پہنچانا شروع کر دیں حتیٰ کہ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں نجاشی والیٔ حبشہ کی طرف روانہ کیا کیونکہ وہ ایک منصف مزاج آدمی تھا۔ چنانچہ تقریباً اسیؓ مردوں اور کچھ عورتوں کا قافلہ حبشہ کی طرف چلا گیا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضور علیہ السلام کی صاحبزادی رقیہؓ بھی شامل تھیں۔ جب یہ لوگ حبشہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے ان کو وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دو آدمیوں عمرو ابن العاصؓ اور عمار ابن ولید کو حبشہ بھیجا تاکہ وہاں کے بادشاہ کو بہلا پھسلا کر مسلمانوں کے اخراج پر آمادہ کیا جا سکے۔ یہ دونوں اشخاص اُس وقت اسلام اور مسلمانوں کے سخت مخالف تھے تاہم حضرت عمرو ابن العاصؓ بعد میں جاں نثارانِ اسلام میں شامل ہو گئے۔

حبشہ کے بادشاہ کا نام اصحمہ اور نجاشی لقب تھا۔ جب یہ دونوں نجاشی کے دربار میں پہنچے تو اس کو سجدہ کیا اور پھر دائیں بائیں بیٹھ کر کہنے لگے کہ ہمارے

کچھ آدمی آپ کی سرزمین میں بھاگ آئے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمارا پرانا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے، لہٰذا ان کو ہمارے ساتھ واپس کیا جائے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ لوگ کہاں ہیں تو کہنے لگے کہ آپ کے ملک میں فلاں جگہ مقیم ہیں اپنے آدمی بھیج کر بلوا لیں، چنانچہ مسلمانوں کو بلوایا گیا۔ اُن کے نمائندہ کے طور پر حضرت جعفرؓ آگے بڑھے مگر نجاشی کو سجدہ کیے بغیر دربار میں چلے گئے۔ بادشاہ نے پوچھا تم نے یہاں کے قانون کے مطابق مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو حضرت جعفرؓ نے کہا اللہ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا ہے جس نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے لیے سجدہ روا نہیں ہے اللہ کے اُس نبی نے ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اتنے میں مشرکین کے نمائندوں نے کہا کہ بادشاہ! یہ لوگ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق آپ سے مختلف عقیدہ رکھتے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا کہ بتاؤ عیسٰی علیہ السلام کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہم تو جو کچھ کہتے ہیں اللہ کے فرمان کے مطابق ہی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اُس نے مریمؑ کے گریبان میں پھونک کر بغیر باپ کے پیدا کیا۔ گویا وہ خدا تعالٰی کی طرف سے ایک روح ہے جو مریمؑ کے گریبان میں ڈالی گئی جب کہ مریمؑ دوشیزہ تھی۔ نجاشی نے یہ بات سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا کہ حبشہ والو سن لو، اللہ کی قسم ہے جو کچھ انہوں نے عیسٰی علیہ السلام کے متعلق بیان کیا ہے وہ اس سے اس تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہیں۔ پھر نجاشی نے حضرت جعفرؓ کو مرحبا کہا اور اُس ہستی کو بھی جس کی طرف سے وہ آئے تھے۔ کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے جس ہستی کا ذکر کیا ہے وہ واقعی خدا کا رسول ہے اور وہ وہی ہے جس کی بشارت انجیل میں موجود ہے۔ پچھلے درس میں گزر چکا ہے وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (آیت۔ ۶) عیسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہیں اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام نامی احمد ہوگا اور یہ وہی ہیں يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي

التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف - ۱۵۷) جس کا نام اہل کتاب تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ بہرحال ساری بات سُن کر نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور آپ کے ساتھیوں سے کہا کہ تم میرے ملک میں جہاں چاہو رہ سکتے ہو، تم پر کوئی پابندی نہیں۔ اُس نے مشرکین مکہ کے مطالبے کو کچھ وقعت نہ دی اور جو تحائف انہوں نے بھیجے تھے وہ بھی واپس کر دیے۔ اس طرح مشرکین مکہ اپنے مقصد میں ناکام رہے۔

نجاشی معتدل مزاج اور سلیم الفطرت آدمی تھا۔ اُس نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور کہنے لگا کہ اگر یہ بادشاہی کا کاروبار میرے ذمے نہ ہوتا تو اللہ کی قسم میں اُس پیغمبر کے پاس جاتا، اس کے جوتے اٹھاتا، اس کے پاؤں دھوتا اور اس کو وضو کراتا۔ پھر کئی سال بعد جب نجاشی فوت ہوا تو اللہ نے حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی خبر دی کہ نجاشی فوت ہو گیا، اس کا جنازہ پڑھا جائے۔ حضور علیہ السلام لوگوں کو باہر عیدگاہ کے میدان میں لے گئے اور پھر نجاشی کا جنازہ پڑھا گیا۔ یہ نجاشی کی خصوصیت تھی۔ بہرحال منصف مزاج لوگ حق بات کو قبول کر لیتے ہیں مگر ظالم قبول نہیں کرتے۔

منکرین اسلام کے لیے وعید

آج کی آیات بھی گذشتہ آیات کے ساتھ مربوط ہیں۔ پچھلے درس میں تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے لوگوں کو نبی آخر الزمان کے آنے کی خوشخبری سنائی مگر جب وہ اللہ کا آخری نبی آگیا یا خود حضرت عیسٰی علیہ السلام تشریف لائے تو لوگوں نے کھلا جادو کہہ کر انکار کر دیا۔ اب ایسے منکرین کی مذمت بیان ہو رہی ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ حالانکہ اُسے اسلام کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ اُسے یہ حقیقت بتلائی جا رہی ہے کہ یہ سچا دین ہے جو سارے نبیوں کا دین ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دین پر کاربند تھے۔ یہ وہی توحید، عقائد اور ایمانیات ہیں۔ جو شروع سے چلے آ رہے ہیں۔ زمانے کے لحاظ سے بعض انبیاء کے ادوار میں بعض فروعات میں کچھ رد و بدل ہوتا رہا ہے ورنہ اصولِ دین میں تو سارے نبی متفق ہیں۔ اللہ

نے سارے نبیوں سے یہی فرمایا ہے اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (الانبیاء ۹۲)
کہ یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں۔ فرمایا یہ لوگ تو ہٹ دھرمی
ضد اور عناد پر قائم ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ
بے انصاف قوم کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔ جب تک کوئی شخص ظلم اور ناانصافی کو ترک
نہ کرے اُسے راہِ راست نصیب نہیں ہو سکتا۔

فرمایا يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ یہ لوگ اپنے
مونہوں کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دینا چاہتے ہیں۔ اِن کا مقصد یہ ہے کہ
اللہ کا دین چار دانگِ عالم میں روشنی نہ پھیلا سکے بلکہ یہیں ختم ہو جائے۔ اسی لیے
وہ سابقہ کُتب میں آنے والی پیشین گوئیوں کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ
لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ اللہ تعالیٰ
اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ اگرچہ کافر لوگ اس کو
ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ چنانچہ مخالفوں کی تمام سازشیں ناکام ہوئیں اور وعدے کے
مطابق اللہ نے اپنے دین کو مکمل کر دیا۔

غلبۂ دین کی بشارت

اگلی آیت میں غلبہ دین کی بشارت سنائی جا رہی ہے۔ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ
رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے اپنے
رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا۔ یہ آیت سورۃ توبہ اور سورۃ فتح میں
بھی آ چکی ہے جو کہ حضور علیہ السلام اور دینِ اسلام کی صداقت کی دلیل ہے اللہ
نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ تاکہ اسے تمام ادیان کے مقابلے میں غالب کر دے
اگرچہ شرک کرنے والے اسے ناپسند کرتے ہیں۔ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جب
مسلمانوں کی حالت بہت کمزور تھی اور تعداد بھی بالکل کم تھی۔ ایسی حالت میں اسلام
کے غلبے کا دعویٰ کرنا شانِ خداوندی ہی کے لائق ہے۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ میں
اللہ نے دینِ حق کو عروج عطا فرمایا اور اس قدر فتوحات حاصل ہوئیں کہ دنیا

کہ کوئی طاقت مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں کرتی تھی۔ یہ عمومی غلبہ تھا جو حضور علیہ السلام
کی نبوت کے دلائل میں سے ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں یہودیت، نصرانیت
اور مجوسیت دُنیا میں عام تھی۔ کہیں صابیوں کا دین تھا اور کہیں ہندوستان میں بت
پرست بھی تھے۔ جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو باقی تمام ادیان کی روشنیاں ماند
پڑ گئیں اور اس آیت کے مطابق مسلمانوں کو عمومی غلبہ حاصل ہو گیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارکہ میں یہ غلبہ صرف ملکِ عرب تک محدود
رہا، باقی ممالک خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ خلفائے راشدینؓ
نبی علیہ السلام کے اعضاء و جوارح کی مانند تھے جنہوں نے آپ کے مشن کی تکمیل کی۔
خلفائے راشدینؓ کے زمانے کی کامیابیاں بھی حضور علیہ السلام کی طرف ہی منسوب کی
جاتی ہیں کیونکہ یہ ایک عام اصول ہے کہ جب کوئی فوج ملک فتح کرتی ہے تو وہ
فتح بادشاہ یا خلیفہ کی طرف ہی منسوب کی جاتی ہے جس نے مذکورہ فوج کشی کا فیصلہ
کیا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حاصل ہونے والا غلبہ بھی
دراصل حضور علیہ السلام اور دینِ حق کا غلبہ ہی کہا جائے گا۔ غرضیکہ اللہ نے دین کے
عمومی غلبے کا وعدہ پورا فرما دیا۔

عمومی غلبے کیلئے شرائط

عمومی غلبے کے متعلق مفسرین کرام تین باتیں بیان کرتے ہیں۔ پہلی یہ کہ حضور علیہ السلام
کی بعثت سے لے کر واقعہ صفین تک پچاس سال کے عرصہ میں تقریباً نصف
دُنیا پر اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ اسلام کو دوبارہ عمومی غلبہ
اس وقت حاصل ہو گا۔ جب مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں نزول فرمائیں گے۔ آپ
زمین پر حضور علیہ السلام کے ایک نائب اور امتی کی حیثیت سے آئیں گے۔ آپ کے
ذریعے اللہ تعالیٰ تمام باطل ادیان کو ختم کر دیگا اور صرف دینِ اسلام ہی باقی رہ جائے
گا۔ درمیانی عرصہ میں اب اسلام کو سیاسی غلبہ حاصل نہیں ہے اگرچہ دلیل اور
برہان کے لحاظ سے ہمیشہ غالب رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس عرصہ میں مسلمانوں
میں کمزوری آگئی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کا تسلط قائم نہیں رہا۔ اس سلسلے میں

تیسری بات مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ عمومی غلبۂ اسلام کے لیے اللہ نے سورۃ نور میں یہ شرط لگادی ہے۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ وَلَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا (آیت-۵۵) کہ اہل ایمان خالص خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہوں اور اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔ اگر مسلمان یہ شرط پوری کریں گے تو اُن کو تمام اقوام عالم اور ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا۔ چنانچہ جب تک مسلمان اس معیار پر قائم رہے اُن کو دنیا پر سیاسی غلبہ حاصل رہا۔ مگر جب بے عملی کا دَور دورہ شروع ہوگیا۔ تو اللہ نے عمومی غلبہ سے بھی محروم کر دیا مسلمانوں پر زوال آنا شروع ہوگیا حتیٰ کہ انگریزوں کے عروج کے زمانہ میں خلافت کا ڈھانچہ بھی ختم ہوگیا اور دنیا بھر کے مسلمان انتشار کا شکار ہوگئے آج وہ غالب ہونے کی بجائے مغلوب اور مقہور ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں کو ترک کر چکے ہیں۔

مسلمان حکمرانوں کی ذمہ داری

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان قوم اور اُن کے حکمرانوں کا فرض تھا کہ وہ اسلام کے عمومی غلبے کو قائم رکھتے۔ غلبہ چھین جانے کی کوئی توجیہہ خدا کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ اگر ہم دینِ اسلام کے اصولوں پر قائم رہتے اور جب کے نتیجے میں یہ غلبہ چھین چکا ہے تو اس میں قصور ہمارا ہے لہٰذا ہم سب عند اللہ مجرم بن جائیں گے آج نفاذِ اسلام کا دعویٰ تو کیا جارہا ہے کہ اس کو بتدریج نافذ کریں گے مگر عملی طور پر کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی۔ دراصل موجودہ دنیا کے مسلمان حکمران بھی نفاذِ اسلام میں مخلص نہیں ہیں۔ یہ تو منافقت ہے کہ دعویٰ اسلام کا کیا جارہا ہے مگر ہر حکومتی معاملہ میں یہود و نصاریٰ اور دہریے دخیل ہیں۔ اس وقت مسلمانوں اور اُن کے حکمرانوں کا نہ عقیدہ درست ہے نہ ایمان اور نہ اخلاق۔ دراصل انہیں اسلام کی حقانیت پر یقین ہی نہیں ہے اسی لیے تو روس امریکہ، برطانیہ اور جرمنی وغیرہ کے نظام کو پسند کیا جاتا ہے اور ہر معاملے میں اُن سے مشورہ لیا جاتا ہے حالانکہ اسلام کا اپنا نظام حیات ہے جس کو اپنانے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ اس ضمن میں جرأت سے کام لے کر اسلام کو مکمل طور پر نافذ کرنا ہوگا۔ ورنہ درمیانی راستہ کوئی نہیں ہے۔ جس

پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں ۔ رفاہیت بالغہ کے تمام سلسلے بند کرنا ہوں گے اصول کی پابندی ہر چھوٹے بڑے کے لیے یکساں کرنا ہو گی، اسلامی عبادات کا نظام رائج کرنا پڑے گا، اقتصادی طور پر اغیار کی غلامی سے نجات حاصل کرنا ہو گی، تب جا کر نفاذِ اسلام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔ بعض اچھی باتیں تو غیر مذاہب اور لا مذہب لوگوں میں بھی پائی جاتی ہیں، محض ان پہ بھروسہ کر کے اسلام نافذ نہیں کیا جا سکتا تمام مسلمانوں کی عمومی اور حکمرانوں کی خصوصی ذمہ داری ہے کہ وہ غلبۂ اسلام کے لیے عملی کوشش کریں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ نظامِ اسلام مکمل طور پہ نافذ کر دیا جائے ۔

بہرحال اللہ نے ابتدائی دور میں غلبہ اسلام کا وعدہ پورا کر دیا جس کو بعد میں خود مسلمانوں نے ضائع کر دیا۔ احادیث کی کتابوں اور علمائے کرام کی زبانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آخری دور میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول پہ پھر پورا ہو گا۔ جب دنیا میں اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ یُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ وَ اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! کیا میں بتلاؤں تم کو ایسی تجارت جو تم کو بچا لے دردناک عذاب سے ﴿۱۰﴾ ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسُول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ﴿۱۱﴾ وہ بخش دے گا تم کو تمہارے گناہ، اور داخل کرے گا تم کو باغوں میں جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں، اور پاکیزہ گھروں میں رہنے کے باغوں میں۔ یہ ہے کامیابی بڑی ﴿۱۲﴾ اور ایک دوسری چیز بھی تم کو حاصل ہو گی جس کو تم پسند کرتے ہو، مدد اللہ کی طرف سے اور جلد ہی فتح۔ اور

خوشخبری سُنا دو ایمان والوں کو (۱۳)

ربطِ آیات

پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ اللہ نے اپنے برگزیدہ رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر مبعوث فرمایا ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان کے مقابلے میں غالب کر دے خواہ مشرک لوگ اس کو ناپسند ہی کریں۔ اللہ کے نزدیک سچا دین یہی دینِ اسلام ہے لہٰذا منشائے خداوندی یہی ہے کہ یہ دین باقی تمام ادیان پر غالب ہو۔ یہ غلبہ باعتبار دلیل اور برہان تو ہر وقت حاصل رہا ہے، اور موجودہ دور میں بھی یہ غلبہ قائم ہے۔ مگر جس غلبہ کی بات یہاں ہو رہی ہے اس سے ظاہری غلبہ مراد ہے یعنی اسلام کے نظام اور قانون کو بھی تمام ادیانِ عالم اور قوانین کے مقابلے میں غالب قرار دیا جائے۔ ۔ اور اس کو برتری حاصل ہو۔ اب اس مقصد کے حصول کے لیے عملی جدوجہد کرنا اللہ کے نبی اور اس کے پیروکاروں کا کام ہے چنانچہ سورۃ الفتح میں اللہ نے اس برگزیدہ جماعت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جنہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (آیت ۲۸) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ سچے اور آخری رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں یعنی صحابہ کرامؓ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں۔ اولین جماعت صحابہ کرامؓ کی تھی۔ جس نے کفر کا مقابلہ کر کے دینِ اسلام کو ظاہری طور پر بھی غالب بنایا۔ اور پھر اُن کے بعد یہ ذمہ داری جماعت المسلمین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ دینِ حق کو دوسرے ادیان پر غالب رکھیں۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم مقصد کے لیے بڑی جدوجہد اور جانی و مالی قربانی کی ضرورت ہے۔ ابتدائی دور میں اللہ نے دینِ اسلام کو ہر لحاظ سے دوسرے ادیان پر غالب کر دیا مگر جب انحطاط پیدا ہوا تو مسلمانوں میں کمزوری آگئی اور دین کو عمومی غلبہ حاصل نہ رہا۔ چنانچہ انحطاط کا یہ دور آج تک چل رہا ہے۔

اب اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو دو باتوں کی تلقین فرما کر باور کرایا ہے کہ اگر تم یہ دو کام کر لو گے تو تم ہمیشہ کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔ ان دو امور

میں سے ایک ایمان ہے جس سے انسان کی انفرادی زندگی کی اصلاح ہوتی ہے، اور دوسرا جہاد فی سبیل اللہ ہے جس سے اجتماعی اصلاح اور غلبہ دین حاصل ہوتا ہے

اللہ اور رسول پر ایمان

ارشاد ہوتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کیا میں تمھیں ایک ایسی تجارت بتلاؤں جو تمھیں آخرت کے دردناک عذاب سے بچالے؟ یہ ایک ایسی تجارت ہے جس میں کبھی نقصان نہیں ہوگا بلکہ انسان کامیاب و کامران ہو جائے گا۔ اس نفع بخش تجارت کا پہلا اصول یہ ہے تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر پختہ طریقے سے یقین کرو اور قلب کی گہرائیوں سے تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود، خالق، مالک، مدبر، الٰہ اور مستحق عبادت ہے۔ وہ تمام صفات کمال کے ساتھ متصف ہے اور تمام عیوب و نقائص سے مبرا اور منزہ ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ وہ علیم کل، قادر مطلق، نافع و ضار ہے وہ اپنی ساری کائنات کا مالک، مختار اور بلا شرکت غیرے متصرف ہے۔

ایمان کا دوسرا جزو ایمان بالرسول ہے۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور برگزیدہ نبی اور رسول ہیں۔ اللہ نے آپ پر عظیم کتاب قرآن کریم نازل فرمائی ہے۔ آپ پوری کائنات کے سردار اور تمام بنی آدم اور ملائکہ مقربین سے افضل ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حبیب اور صاحب مقام محمود ہیں۔ اسی طرح تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ نے ہر دور میں مخلوق کی ہدایت کے لیے نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ تمام انبیاء اور رسل اللہ کے برگزیدہ بندے اور معصوم ہیں، ہر ایک نے فریضہ رسالت مکمل طور پر ادا کیا اور اس میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کی۔

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے علاوہ ملائکہ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو کائنات کے نظام کو چلانے اور بنی نوع انسان کی

مصلحت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح تقدیر پہ ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہو چکا ہے، ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے، سب اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اور پھر آخر میں قیامت کے برحق ہونے پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ بعث بعد الموت برحق ہے۔ جزا و سزا کی منزل آنے والی ہے جس سے ہر انسان دوچار ہوگا۔

جہاد فی سبیل اللہ

نفع بخش تجارت کا پہلا اصول اللہ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پہ ایمان لاؤ۔ اب دوسرا اصول جس پر غلبہ دین کا دارومدار ہے، وہ یہ ہے وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرو اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ کہ یہ بھی عذاب الیم سے بچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہر سلیم الفطرت انسان کی انتہائی تمنا یہی ہو سکتی ہے کہ وہ دوزخ کے عذاب سے بچ جائے اور اللہ کی رحمت کے مقام جنت میں داخل ہو جائے۔ اللہ نے سورۃ آل عمران میں واضح طور پر فرما دیا ہے فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آیت ۔۱۸۵) جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا۔ اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا۔ بلاشبہ انسان کی حقیقی کامیابی یہی ہے۔ غرضیکہ یہ کامیابی دو چیزوں کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے یعنی ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے ایمان کے ذریعے انسان کو نفسی یا روحانی ترقی نصیب ہوتی ہے۔ جب کہ جہاد کے ذریعے تکمیل غیر یا اصلاح عالم کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ یہ دونوں پروگرام اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم میں واضح کر دیے ہیں۔

دنیاوی اعتبار سے جہاد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی نظام درست نہیں ہو سکتا۔ اس کے بغیر نہ ارتفاقات معاشیہ صحیح ہوں گے اور نہ معاشرہ کی حالت درست ہو سکتی ہے۔ حدود و تعزیرات کا قیام شر و فساد سے بچنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی واسطے اللہ نے جہاد کی غرض و غایت اس طرح بیان فرمائی ہے۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ط

(البقرہ - ۱۹۳) اُن سے اُس وقت تک لڑتے رہو حتیٰ کہ فتنہ وفساد ختم ہو جائے اور ملک میں صرف خدا کا دین قائم ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ فتنہ وفساد فرو ہو کر دین کا قیام عمل میں آنا چاہیئے اور پھر اس دین پر عمل کرنے والوں کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہونی چاہیئے۔ لوگوں کے درمیان ظلم و زیادتی اور جور و عدوان اسی طریقے سے ختم ہو کر عدل و انصاف کی فضا قائم ہو سکتی ہے، اور لوگوں کے پُرامن زندگی گزارنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

جہاد کی دو قسمیں

امام شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ جہاد دو قسم کا ہوتا ہے۔ یعنی دفاعی جہاد (DEFENSIVE WAR) اور اقدامی جہاد (OFFENSIVE WAR) دفاعی جہاد کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے اموال کو لٹنے سے بچایا جائے، اُن کے اہل و عیال کو لونڈی غلام بننے سے بچایا جائے، لوگوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے اور قتل و غارت گری سے اُن کا دفاع کیا جائے اس کی مثال بنی اسرائیل کے حالات میں ملتی ہے۔ اُن کو بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اُن کے اہل و عیال کو بے آبرو کیا گیا، تو انہوں نے اپنے دور کے نبی کی خدمت میں عرض کیا اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (البقرہ - ۲۴۶) کہ ہمارے لیے کوئی کمانڈر مقرر کر دیں۔ جس کی سرکردگی میں ہم دشمن کا مقابلہ اور اپنا دفاع کر سکیں۔ ہم اپنے ظالم دشمنوں سے ٹکرانا چاہتے ہیں تاکہ اپنے دین، مذہب اور عزت و آبرو کو اُن کی دست برد سے بچا سکیں

اقدامی جہاد وہ جہاد ہے جو انسانی سوسائٹی کے گندے عناصر کے قلع قمع کے لیے عمل میں لایا جائے۔ جب درندہ صفت لوگ اپنی درندگی کا اظہار اپنی قبیح حرکات اور شنیع افعال سے کرنے لگیں، اپنی شہوانی خواہشات کو غلط ذریعہ سے پورا کرنے کی کوشش کرنے لگیں تو اُن کی سیرت بگڑ جاتی ہے اور وہ زمین میں فساد پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اصلاح کے لیے اللہ نے کتابیں نازل فرمائیں

اور اپنے انبیاء کے ذریعے انہیں راہِ راست پہ لانے کی کوشش کی۔ پھر اگر ایسے لوگوں کی اصلاح کسی صورت میں بھی ممکن نہ ہو تو انہیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ ایسے لوگوں کی مثال انسانی جسم میں پیدا ہو جانے والے فاسد مادہ از قسم پھوڑا وغیرہ کی ہوتی ہے کہ جسکا کاٹنا ضروری ہو جاتا ہے وگرنہ سارے جسم کے متاثر ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جس طرح باقی جسم کو بچانے کے لیے جسم کے متاثرہ عضو کو کاٹ ڈالنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح معاشرے سے ناپسندیدہ عناصر کا قلع قمع بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ یہ عنصر باقی معاشرے کی خرابی کا باعث نہ بنے۔ یہی اقدامی جہاد ہے جس سے معاشرہ کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم کر دیا ہے کہ ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے ذریعے معاشرے سے نابود کر دیا جاتا ہے تاکہ انسانی سوسائٹی میں مزید بگاڑ پیدا نہ ہو۔ اللہ نے سورۃ الحج میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ (آیت - ۴۰) اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے نہ ہٹاتا رہتا تو عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے معبد اور مسلمانوں کی مسجدیں ظالموں کی دست برد سے محفوظ نہ رہتیں۔ اسی لیے اللہ نے اہلِ ایمان سے فرمایا ہے کہ ایسے شریر لوگوں کا مقابلہ کرتے رہو تاکہ زمین شر و فساد سے پاک رہے اور انسانی سوسائٹی امن کا گہوارہ بن جائے۔ یہ اقدامی جہاد کی برکت ہے کہ مسلمانوں کو غلبہ اور عزت حاصل ہوتی ہے، ورنہ وہ غلام بن کر عذاب الیم کا مزا چکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جب بھی مسلمانوں میں جذبہ جہاد کمزور پڑ جاتا ہے وہ اسی قسم کے حالات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مسلمانوں کی زبوں حالی

انصاف سے دیکھا جائے تو ساتویں صدی ہجری کے بعد تاتاریوں کی یلغار نے لاکھوں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا اور اُن کی تہذیب و تمدن کے بیشتر آثار مٹا دیئے۔ اُس وقت سے لے کر دورِ حاضر تک دنیا کے اکثر خطوں میں مسلمان غلامی کے بدترین ادوار سے گزرتے رہے ہیں۔ تاتاریوں کے بعد یورپ اور مغرب کی عیسائی طاقتوں نے مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ڈھائے ہیں وہ تاریخ کے صفحات پر

محفوظ ہو چکے ہیں۔ آخری دور میں انگریزوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر زوال آیا۔ اور اُن کی کمزور سی رہی سہی خلافت بھی معدوم ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا بھر کے مسلمان پراگندہ اور منتشر ہو کر غلامی کی سخت ترین زنجیروں میں جکڑے گئے۔ جب انگریزوں کو زوال آیا ہے تو اُن کا جانشین امریکہ ٹھہرا۔ بظاہر تو وہ یہودیت اور نصرانیت کا دم بھرتا ہے مگر حقیقت میں وہ تمام سفاکوں سے بڑھ کر سنگدل اور ظالم ہے۔ مسلمانوں کی دنیا میں کم و بیش پچاس ریاستوں کے باوجود یہ لوگ دنیا میں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ اِن کا دینی اور ملّی تشخص ختم ہو چکا ہے اور یہ اغیار کے دستِ نگر بن کر رہ گئے ہیں۔ اب پوری دنیا کے مسلمان سیاسی، معاشرتی اور معاشی لحاظ سے عیسائیوں، یہودیوں یا دہریوں کے غلام بن چکے ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت کی بگڑی ہوئی شکل دہریت اور اشتراکیت ہے جس نے گزشتہ ستر سال سے اللہ کی مخلوق کا بے دریغ خون بہایا ہے اور اس ضمن میں انہوں نے بہیمیت، سفاکی اور درندگی کا پورا پورا مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن بالآخر یہ بھی اپنے انجام کی طرف رواں دواں ہے، اُدھر برطانیہ، فرانس اور امریکہ جیسی سپر طاقتیں اسلام اور اہلِ اسلام کو مٹانے کے لیے داؤ پیچ کھیل رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں قوتِ ایمانی اور جذبہ جہاد پیدا کر دے اور اِن ظالموں اور سفاک طاقتوں کو نیست و نابود کر دے۔ آمین۔

بہرحال فرمایا کہ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے۔ وہ سوداگری یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرو ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یہی چیز تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو

آخرت میں کامیابی

فرمایا اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ گناہ معاف کر دے گا وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وہاں تمہارے لیے رہنے کے باغوں میں پاکیزہ محلات ہوں گے جو ہمیشہ رہیں گے یعنی یہ انعامات ختم نہیں ہو جائیں گے بلکہ دائمی ہوں گے۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے جس خوش بخت کو نصیب ہو جائے۔

فرمایا وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جس کو تم پسند کرتے ہو۔ اور وہ ہے نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور قریب الحصول فتح۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ اگر وہ دنیا میں ایمان اور جہاد کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا لیں گے۔ تو پھر انہیں دنیا میں بھی غلبہ حاصل ہوگا اور آخرت میں تو انعامات کا لامتناہی سلسلہ ہوگا۔ جو ان کو حاصل ہونے والا ہے اور یہ چیز اہل ایمان کے حق میں یقیناً کامیابی و کامرانی ہے۔ فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ آپ اہل ایمان کو اس بات کی خوشخبری سُنا دیں کہ ایمان اور جہاد کے اصول وہ اپنا لیں، تو اُن کی دُنیا اور آخرت کی کامیابی کا ذمہ اللہ تعالیٰ اٹھائے گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار جیسا کہ کہا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کے راستے میں، تو کہا حواریوں نے کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ پس ایمان لایا ایک گروہ بنی اسرائیل میں سے اور کفر کیا ایک گروہ نے۔ پس ہم نے تائید کی اُن لوگوں کی جو ایمان لائے، ان کے دشمنوں کے مقابلے میں پس ہو گئے وہ غالب آنے والے ﴿۱۴﴾

ربطِ آیات

گذشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ نے دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے سلسلے میں فرمایا کہ اس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ غلبہ اُن لوگوں کو حاصل ہو گا جو صرف اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پھر اللہ نے ایک ایسی تجارت کا ذکر کیا جس میں خسارے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ابدی فائدہ ہے۔ فرمایا یہ تجارت اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانا اور اُسکے

راستے میں مال وجان کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ فرمایا اس تجارت کا فائدہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ پر ہوگا۔ آخرت کا فائدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر کے تمہیں بہشتوں میں داخل کرے گا، جہاں پاکیزہ مکانات میں ہر طرح کا آرام و آسائش حاصل ہوگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ پھر اللہ نے دنیاوی فائدے کے متعلق فرمایا کہ اللہ کی مدد تمہارے شامل حال ہوگی اور تمہیں دشمن کے مقابلے میں فتح حاصل ہوگی۔

انصار اللہ کا گروہ

آج کے درس میں اللہ نے ایمان والوں سے خطاب فرمایا ہے کہ اگر تم نفع بخش تجارت کے خواہشمند ہو تو پھر اللہ کے گروہ میں شامل ہو جاؤ۔ ارشاد ہوتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو! کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ ہو جاؤ اللہ کے مددگار۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے دین اور اس کے رسول کے مددگار بن کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرو۔ اور دین کی تائید و تقویت، اس کی نشر و اشاعت اور قیام و بقا کے لیے محنت کرو۔ تو انصار اللہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے دین کی خاطر اس کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے۔

آگے اللہ نے اس گروہ سے متعلق عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی ہے کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے حواریوں سے کہا کہ اللہ کے راستے میں میرا کون مددگار ہے؟ اس کے جواب میں قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اللہ کے دین کے مددگار بن کر عیسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق دین کی تائید اور نشر و اشاعت کرتے تھے تو اللہ نے آخری امت کے ایمان والوں کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ، جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے حواری دین کے مددگار بن گئے تھے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے حواری

حواری حور کے مادہ سے ہے۔ عربی میں حور سفیدی کو کہتے ہیں حور عین کا

تعلق بھی اسی مادے سے ہے۔ حواری اُس مخلص آدمی کو کہتے ہیں جس کے دل میں صفائی ہو اور وہ پاکیزہ محبت رکھتا ہو۔ عیسےٰ علیہ السلام کے حواری مالدار لوگ نہیں تھے بلکہ غریب غربا لوگ تھے، البتہ مخلص ضرور تھے۔ حواری آٹے سے نکالے ہوئے میدے کو بھی کہتے ہیں جو چھلکے وغیرہ سے پاک اور سفید ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا حواری میرا پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوامؓ ہے جو بڑا بہادر آدمی تھا اور جس نے اسلام کے لیے بڑی قربانیاں پیش کیں۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کے کچھ حواری تو مچھلیاں پکڑنے والے تھے۔ جب آپ اُن کے پاس سے گزرے تو فرمایا، تم مچھلیاں کیا پکڑتے ہو آؤ میں تمہیں انسانوں کا پکڑنا سکھا دوں۔ اسی طرح حواریوں میں سے کچھ لوگ دھوبی تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ میں تمہیں انسانوں کے دلوں کی صفائی کرنا سکھا دوں۔ بہرحال عیسےٰ علیہ السلام کے بارہ حواری بہت مشہور ہوئے ہیں۔ یہ بڑے مخلص لوگ تھے، آپ نے انہی کے ذریعہ اپنا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ اِن کو اسرائیلیوں کے پاس بھی بھیجا گیا اور یونانیوں کے پاس بھی۔ کلمہ حق سنانے کی پاداش میں لوگ اُن کو مارتے تھے حتیٰ کہ بعض کو قتل بھی کر دیا گیا۔ بغرضیکہ اِن لوگوں نے بڑی تکالیف اٹھائیں۔ مسیح علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد بھی یہ لوگ تبلیغ کا کام کرتے رہے تاہم بعد میں بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ لکھتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں نے بڑی محنت و کاوش سے دین کی آبیاری کی اور دین کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ حضور علیہ السلام کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی وہی کام کیا جو عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں نے کیا۔ بہرحال سمجھانا یہ مقصود ہے کہ فائدہ مند تجارت کے لیے نبی کے حواری بننا ضروری ہے تاکہ دین کی اشاعت کا کام جاری رہ سکے۔

حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ

حضور علیہ السلام کے ساتھی آپ کے صحابہ کرامؓ کہلائے۔ انہوں نے دین حق کی خاطر وہ قربانی، ایثار اور خلوص پیش کیا جو عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بھی نہ پیش کر سکے، خود عیسائی مؤرخ سر ولیم میور مصنف نے (LIFE OF MUHAMMAD) میں صریح طور پر اعتراف کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کا کوئی تقابل نہیں، کیونکہ صحابہ کرامؓ حواریوں سے ہر کام میں آگے تھے

اسلام کے ابتدائی دور میں حضور علیہ السلام اور دین اسلام کی سخت مخالفت کی گئی۔ آپ تبلیغِ حق کے لیے منیٰ، عکاظ یا ذوالمجاز وغیرہ مقامات پر لگنے والی منڈیوں اور میلوں میں جاتے۔ آپ باہر سے آنے والے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور مکے والوں کی سخت مخالفت کے پیش نظر باہر کے لوگوں کو کہتے کہ کون ہے جو میری حفاظت کرے گا۔ تاکہ میں خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاؤں۔ اس کے جواب میں بعض لوگ آپ کی مدد کے لیے تیار بھی ہوتے مگر قریش مکہ ان کو روک دیتے اور وہ خوفزدہ ہو کر چلے جاتے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے انصارِ مدینہ کو اس کام پر مامور فرمایا۔ وہ حج کے موقع پر مکہ آئے تو انہوں نے کہا کہ وہ آپ کی ہر طریقے سے مدد کریں گے۔ کہنے لگے کہ ہم اسود و احمر کے مقابلہ میں آپ کی تائید کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اہل مدینہ نے آپ کی پوری پوری مدد کی۔ اُدھر مکے کے مہاجر بھی تھے ان سب نے حضورؐ کی تائید کی اور آپ کے حواری بن گئے۔

عیسائی فرقے

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا جب عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا تو دین میں بگاڑ شروع ہو گیا اور آپ کے پیروکار مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقے نے مسیح علیہ السلام کو خدا کہہ دیا، یہ فرقہ یعقوبی کہلایا۔ دوسرے فرقے نے کہا کہ مسیح علیہ السلام خدا نہیں بلکہ خدا کے بیٹے تھے۔ وہ ہمارے درمیان کچھ عرصہ کے لیے آئے اور پھر چلے گئے۔ یہ نسطوری فرقہ تھا۔ تیسرا فرقہ تثلیث کا

قائل تھا اس نے باپ، بیٹا اور روح القدس کا عقیدہ بنالیا۔ البتہ ایک فرقہ ایسا بھی تھا جو کہتا تھا کہ مسیح علیہ السلام نہ تو خدا تھے، نہ اس کے بیٹے بلکہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ جب تک خدا نے چاہا اُن کو زمین پہ رکھا، پھر جب چاہا اٹھالیا یہ فرقہ اہلِ ایمان کا تھا۔

اب یہ فرقے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے اور اہل ایمان کے خلاف بہت زیادہ غلو کرنے لگے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ اہلِ ایمان مغلوب رہے حتیٰ کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اہلِ ایمان نے آپ کو حق پہ پایا اور آپ پر بھی ایمان لے آئے۔ اس طرح اللہ نے اِن کو دلیل و برہان کے اعتبار سے بھی اور اجتماعی اعتبار سے بھی غلبہ عطا فرمایا۔ اسی بات کا ذکر اللہ نے بیان کیا ہے فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ اور ایک گروہ نے کفر کیا۔ جو لوگ حضور خاتم النبیین علیہ السلام پر ایمان نہ لائے بلکہ عقیدہ ابنیت یا الوہیت یا تثلیث پر اڑے رہے انہوں نے گویا کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ اور ایمان لانے والا وہی فرقہ تھا۔ جنہوں نے مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول مانا، اور یہ عقیدہ اختیار کیا تھا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں۔ جنہیں اُس نے فرشتے کے ذریعے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونکا تو حمل قرار پایا۔ اور اللہ نے آپ کو اپنی قدرت کاملہ سے بغیر باپ کے پیدا کردیا۔ یہ کامل درجے کا انسان، صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت نبی تھا۔

اہل ایمان کی تائید

اللہ نے فرمایا فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ پس ہم نے تائید کی اُن لوگوں کی جو ایمان لائے اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں پس ہو گئے وہ غالب آنے والے۔ یعنی بلحاظ دلیل اور بلحاظ اجتماعیت دونوں طریقوں سے اہل ایمان کو ہی غلبہ حاصل رہا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ غلبہ بلحاظ دلیل حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول تک برابر

قائم رہے گا۔ مگر اجتماعی غلبہ اُس وقت حاصل ہو گا جب اہلِ اسلام وہ شرط پوری کریں گے جس کا ذکر اللہ نے سورۃ نور میں کیا ہے کہ وہ خالص میری ہی عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اسلام کے اجتماعی نظام کے لیے صحابہ کرامؓ، خلفائے راشدینؓ، پھر تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین نے بڑی کوشش کی مگر بعد میں اجتماعی نظام میں ملوکیت دخیل ہو گئی۔ جس کی وجہ سے یہ نظام خراب ہو گیا اور آج تک اپنی اصلی حالت پر نہیں آسکا۔

آج دنیا میں مسلمانوں کی پچاس ریاستیں ہیں لیکن اِن میں اسلام برائے نام ہی ہے۔ اسلام کا مکمل نظام کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ تمام ملکوں میں کافروں، دہریوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے نظامِ حکومت چل رہے ہیں۔ موجودہ حکمران اسلام کے نظام کو پسند ہی نہیں کرتے۔ غیر اقوام کی دیکھا دیکھی یہ بھی کہنے لگے کہ اسلام کا نظام فرسودہ ہو چکا ہے اور یہ موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نظام سے بہتر دنیا میں کوئی نظام نہیں مگر یہ لوگ اس کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ دین کو سمجھنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اُس کو دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ غرضیکہ یہ لوگ اغیار کے نظام کو ہی بہتر خیال کرتے ہیں اور اس کو رائج کرتے ہیں۔ اِس دور میں عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں یا حضور علیہ السلام کے صحابہؓ اور سلف صالحین کی بات کہیں پر نہیں ہے۔ اس وقت بالعموم نہ ہمارے امام درست ہیں، نہ علماء، نہ پیر، نہ دولت مند اور نہ صاحب جاہ و اقتدار، سب کے سب بگڑے ہوئے ہیں۔ اللہ کے لشکر میں شامل ہونے اور اللہ کے دین کے مددگار بننے والی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ اغیار کو ہم پر شب خون مارنے کا زیادہ موقع مل رہا ہے۔ انہوں نے نہ صرف ہمیں ظاہری غلبے سے محروم کر دیا ہے بلکہ وہ ہمارے ایمان پر بھی مسلسل حملے کر رہے ہیں۔ کہیں عیسائیت کو ترقی حاصل

ہو رہی ہے۔ اور کہیں اشتراکیت چھا رہی ہے۔ ہر طرف بے دینی اور الحاد کا دور دورہ ہے کیونکہ آگے میدان خالی ہے۔ مسلمان اپنی اپنی اغراض کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، کسی کا مقصد دولت کمانا ہے اور کسی کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ والا تو مقصد ہی فوت ہو چکا ہے۔ اب نہ وہ ایمان باقی رہا ہے اور نہ یقین۔ نہ ہمارا عمل صحیح ہے اور نہ جان و مال کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ان حالات میں نہ کوئی انصار اللہ میں شمولیت کا دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ اُسے تائیدِ خداوندی حاصل ہو سکتی ہے۔

بہرحال اللہ نے ترغیب دی ہے کہ اگر ابدی فلاح حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر اللہ کے گروہ میں شامل ہو کر سر دھڑ کی بازی لگانا ہو گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ نے محنت اور کوشش کی، دین کی خاطر قربانیاں پیش کیں تو دنیا میں اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ جب سے مسلمانوں نے انصار اللہ کی رکنیت ترک کر دی ہے اُن پر اجتماعی زوال طاری ہو گیا۔

سورة

الجمعة

(مكمل)
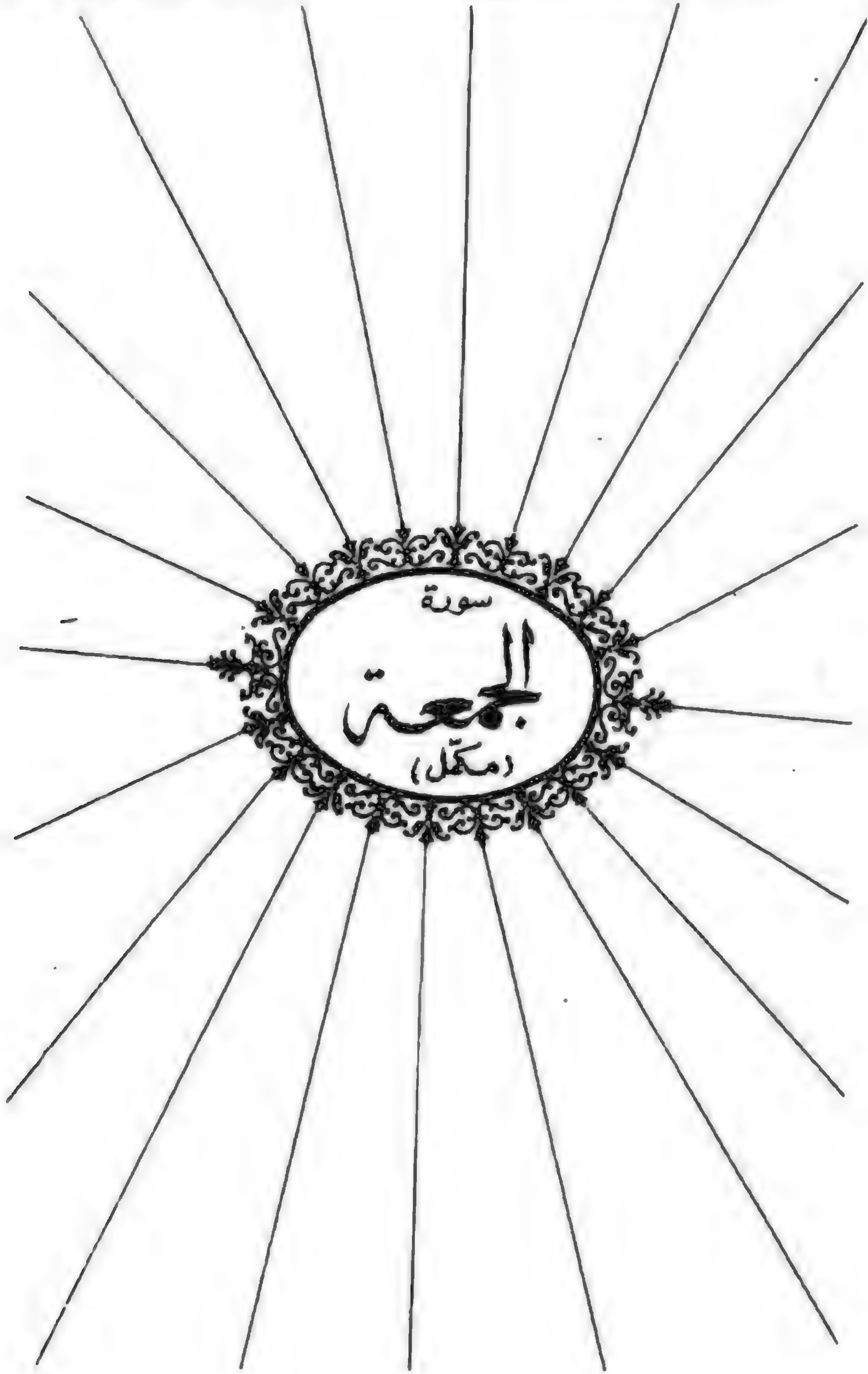
سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الجمعہ مدنی ہے اور یہ گیارہ آیتیں ہیں اور اسمیں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④

ترجمہ :- تسبیح بیان کرتی ہے اللہ کے لیے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں ، جو بادشاہ پاک ، زبردست ، حکمتوں والا ہے ① وہ وہی ہے جس نے

بھیجا اُمیوں میں ایک رسُول انہی میں سے۔ پڑھتا ہے ان پر اُس کی آیتیں، تزکیہ کرتا ہے اُن کا، اور سکھلاتا ہے اُن کو کتاب اور حکمت اور بے شک وہ تھے۔ اس سے پہلے البتہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ② اور (بھیجا ہے اُس نے رسول کو) دوسروں کے لیے جو نہیں ملے اِن سے۔ اور وہ غالب اور حکمتوں والا ہے ③ یہ اللہ کا فضل ہے دیتا ہے وہ جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ④

نام اور کوائف

اِس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الجمعہ ہے۔ کیونکہ اس میں بعض دیگر اہم باتوں کے علاوہ نمازِ جمعہ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی یہ گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۸۰ الفاظ اور ۷۴۸ حروف پر مشتمل ہے

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

پچھلی سورۃ میں اللہ نے یہودیوں کی ایذار رسانی کا ذکر کر کے اہلِ ایمان کو خبردار کیا تھا۔ کہ تم بھی اُن جیسے نہ ہو جانا۔ اور اب اس سورۃ میں یہودیوں کی نافرمانی کی وجوہات یعنی اُن کی بیماری کی نشاندہی کی گئی ہے۔ پچھلی سورۃ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دو فرائض کا ذکر تھا، ایک تو وہ تورات کی تصدیق کرتے تھے اور دوسرا نبی آخر الزمان کی بعثت کی خوشخبری سناتے تھے، اب اس سورۃ مبارکہ میں اللہ نے اُس نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کیا ہے کہ اللہ نے آپ کو اُمیوں میں پیدا فرمایا۔ پچھلی سورۃ میں اللہ نے دینِ حق کو باقی ادیان پر غالب کرنے کا ذکر کیا، اور اس سلسلے میں مال و جان کے ساتھ جہاد کرنے اور اللہ کے دین کے مددگاروں کے گروہ میں شامل ہونے کی تاکید فرمائی، اس سورۃ میں اِن چیزوں کی تائید آرہی ہے اس کے علاوہ اس سورۃ میں اہلِ علم کے فرائض بیان ہوئے ہیں اور علم پر عمل کرنے کا طریقہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

۵

مسئلہ توحید

گذشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی مسئلہ توحید سے ہوتی ہے۔ کیونکہ دین کا اصل الاصول مسئلہ توحید ہی ہے، جب تک کسی شخص کا عقیدہ توحید پر کامل ایمان نہ ہو اس کی کوئی نیکی بھی کارآمد نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے قرآن حکیم میں یہ مسئلہ بالوضاحت سمجھایا گیا ہے۔ سورۃ محمد میں ہے فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (آیت-۱۹) خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ آجکل لوگ بڑے مصروف ہیں دنیا کے کاروبار سے فرصت نہیں ملتی مگر سب سے ضروری بات یہ ہے کہ انسان کا ایمان درست ہو۔ ہر شخص کو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کرنی چاہیئے تاکہ اس کے لیے دائمی کامیابی کی صورت پیدا ہو سکے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر سورۃ کی ابتدا، انتہا، یا درمیان میں توحید کا مسئلہ ضرور سمجھایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ پاکی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جو کچھ بھی ہے آسمان میں اور جو کچھ ہے زمین میں ہے۔ زمینی مخلوق میں شجر و حجر، پہاڑ، دریا، سمندر، نباتات، چرند اور پرند ہیں، یہ اور ان کے علاوہ ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اس بات کا ذکر اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں بھی کیا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (آیت-۴۴) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ غرضیکہ پتہ پتہ، ٹہنی ٹہنی، ستارے اور سیارے سب اللہ کے ثناخواں ہیں۔ لہٰذا انسانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اللہ کی پاکی بیان کریں۔ تسبیح کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کی بیوی ہے نہ بچے، وہ بے نیاز ہے اور اُس کو کسی چیز کی حاجت نہیں جب کہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ لہٰذا انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اور ہر وقت اس کی تسبیح اور تنزیہ بیان کرنی چاہیئے۔

سورۃ الاحزاب میں ارشاد خداوندی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۴۲﴾ اے ایمان والو! اللہ

کا ذکر کثرت سے کیا کرو، اور اُس کی صبح و شام تنزیہہ بیان کرو۔ فرشتے اور کائنات کی ہر چیز تسبیح بیان کرتی ہے۔

بعض صفات خداوندی

اُس اللہ تعالیٰ کی جو اَلْمَلِكِ یعنی بادشاہ ہے پوری کائنات میں بادشاہی اسی کی ہے۔ دُنیا کی بادشاہی عارضی ہے اور یہ اُس رب العزت کی عطا کردہ ہے۔ لوگ اس کو اپنا کمال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے جاہ واقتدار اپنی قابلیت، ہوشیاری، چالاکی اور ڈپلومیسی کی بناء پر حاصل کیا ہے حالانکہ یہ تو خدا تعالےٰ کا انعام ہے اور اُس کی طرف سے ایک امانت ہے۔ حقیقی شہنشاہ وہی ہے۔ اَلْقُدُّوْسِ وہ ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ بیوی بچوں، کھانے پینے، سونے اور جگنے اور ہر احتیاج سے پاک ہے۔ اَلْعَزِیْزِ وہ کمالِ قدرت اور کمال قوت کا مالک ہے۔ اَلْحَکِیْمِ حکمتوں کا مالک ہے یعنی اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ تعریف کے مقام میں ان الفاظ کو اکٹھا بھی بیان کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو اَلْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ بھی کہہ سکتے ہیں۔

بعثت نبی آخر الزمان

فرمایا کہ اس کی مہربانی اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ وہ وہی ذات ہے جس نے مبعوث کیا اُمیوں میں ایک رسول انہی میں سے۔ امیین سے مراد عرب کے لوگ ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور ناخواندہ ہونے کی وجہ سے اُمّی کہلاتے تھے۔ اُن میں دو تین فیصد سے زیادہ پڑھے لکھے لوگ نہیں تھے، اولادِ اسماعیل سینکڑوں ہزاروں شاخوں میں بٹ کر پورے عرب، حتیٰ کہ ایران، خراسان اور دیگر دور دراز علاقوں تک پھیل گئی۔ اللہ کی یہ حکمت تھی کہ اُس نے اپنا آخری نبی انہی میں سے بھیجا حالانکہ اردگرد کے ممالک ایران، روم، شام اور مصر وغیرہ میں پڑھے لکھے لوگ موجود تھے اور اُن کے اپنے دفتری نظام تھے، اُن کے ہاں کتابیں بھی تھیں اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی

جاری تھا۔ اِدھر عربوں میں نہ کوئی سکول نہ کالج نہ مدرسہ۔ کوئی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا ہماری یادداشت زبانی رکھی جاتی تھی۔ تو اللہ نے انہی میں سے نبی بھی امی مبعوث فرمایا اُس نے بھی کسی سے تعلیم حاصل نہ کی تھی مگر یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ بقول شیخ سعدیؒ

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملّت بشست

ایک ایسا یتیم جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا۔ اُس نے دُنیا کی مِلتوں کے سارے کتب خانے دھو ڈالے۔ مطلب یہ کہ علم و حکمت کے وہ موتی بکھیرے کہ تمام قوموں کے کُتب خانے ماند پڑ گئے گویا کہ انہیں پانی سے دھو ڈالا گیا۔ پھر فرماتے ہیں

نگارِ من کہ بمکتب نہ رفت و خط نہ نوشت
بغمزہ مسئلہ آموخت و صد مدرس شد

میرا محبوب عجیب ہے کہ اُس نے پڑھنا لکھنا تو سیکھا نہیں۔ بس وہ اشارے کے ساتھ ہی سیکھ کر ساری کائنات کا صدر مدرس بن گیا، گویا کہ دُنیا میں اُس جیسا معلم کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے بُعِثْتُ مُعَلِّمًا مجھے سب سے بڑا معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ غرضیکہ فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے امیوں میں ایک عظیم الشان رسُول مبعوث فرمایا۔ اور پھر ان امیوں کو وہ علم و حکمت نصیب ہوا۔ جو دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ ہو سکا۔

آگے اللہ نے اُس عظیم الشان رسُول کے فرائض بھی بیان کیے ہیں۔ یَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وہ اپنی امی قوم کو خدا تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سے آگاہ کرتا ہے اور خود اُن کو فرائض و منہیات سے روشناس کراتا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ اُن کو بُرے خصائل سے پاک کر کے اُن کو سنوارتا ہے اور اچھے کاموں کی تربیت دیتا ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وہ انہیں کتاب کا علم سکھاتا ہے۔ تعلیم سے مراد صرف پڑھنا ہی نہیں بلکہ اُس کو سمجھنا، اس کے رموز و نکات سے واقف ہونا اور پھر اس کے احکام پر عمل

کرنا بھی شامل ہے۔ فرمایا وہ نبی اُن کو کتاب سکھاتا ہے وَالْحِکْمَۃَ اور حکمت یعنی دانشمندی کی باتیں بھی۔

حکمت کی تعریف

قرآن اور سنت سارا حکمت پر مبنی ہے۔ قدیم زمانے میں فلسفے کو بھی حکمت میں شمار کرتے تھے۔ یونانیوں کے نزدیک حکمت کا مطلب ہے مَعْرِفَۃُ الْاَشْیَاۤءِ بِقَدَرِ طَاقَۃِ الْبَشَرِیَّۃِ یعنی کسی چیز کی حقیقت کو انسانی طاقت کے مطابق سمجھنا حکمت ہے ــــــــــــــــــــ حکمت کی دو قسمیں ہیں یعنی حکمتِ نظری اور حکمتِ عملی۔ قدیم یونانی تقسیم کے مطابق حکمتِ نظری میں فلکیات (ASTRONOMY) عناصر (ELEMENTS) اور الہٰیات سے متعلق چیزیں آتی ہیں اور حکمتِ عملی سے مراد وہ حکمت ہے جس کا تعلق تدبیرِ منزل یعنی ملکی سیاست اور انسانی اخلاق کی تہذیب سے ہوتا ہے۔ اس میں ریاضی طب، نجوم وغیرہ جیسے علوم شامل ہیں۔ پرانے زمانے کے دانشور بقراط اور جالینوس طب میں مشہور تھے۔ اُن کو دنیا میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ سقراط اور افلاطون ارسطو، ذی مقراطیس، دیوجانس کلبی، فیثاغورث وغیرہ یونانی دور کے حکما ہیں جنکی کتابیں آج بھی پڑھی جاتی ہیں، چنانچہ افلاطون کی کتاب "جمہوریت" آج بھی موجود ہے۔ اس کے ترجمے مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح ارسطو کی سیاست سے متعلق کتاب بھی بعض جگہ کالجوں کے نصاب میں شامل ہے۔ انگریزوں نے انہی پرانے نظریات کو ترقی دے کر اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پھر مسلمانوں نے علوم کے تراجم کر کے اِن کو آگے بڑھایا ہے۔ بہر حال اس قسم کی چیزیں حکمت کہلاتی ہیں۔

البتہ اسلام اور شریعت کی رُو سے حکمت وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ کی پہچان ہو سکے۔ حدیث شریف میں آتا ہے رَاْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ حکمت کی جڑ بنیاد خوفِ خداوندی ہے۔ اور خوف اس شخص کو ہوگا۔ جو اللہ کی پہچان رکھتا ہے۔ اسی طرح انسان کی ابتدا اور انتہا کو جاننا بھی حکمت میں شامل ہے۔

نیز نبوت و رسالت اور احکامِ شرع کا علم حاصل کرنا اور اس کے علوم و معارف کو جاننا، تزکیہ نفس والی چیزوں کو جاننا اور ان قوانین کا علم حاصل کرنا جن سے انسان میں طہارت، عدل، اخبات اور سماحت والے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، یہی حکمت کہلاتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ جہاں سے ملے لے لیتا ہے۔ بہر حال دین، سنت اور احکامِ شریعت کی معرفت، انسان کی تہذیبِ نفس اور مبدء اور معاد کو جاننا حکمت میں داخل ہے۔

قبل از نبوت

فرمایا اللہ کا نبی لوگوں پر آیتیں پڑھتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اور بیشک وہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔ جب پیغمبر آخر الزمان کی بعثت ہوئی تو عرب کے ننانوے فیصد لوگ کفر اور شرک میں ڈوبے ہوئے تھے باقی دنیا پر بھی اندھیرا ہی چھایا ہوا تھا اور پاکیزہ عقیدے والا کوئی اکا دکا آدمی ہی ملتا تھا۔ مشرکینِ عرب کی حالت یہ تھی کہ اصل ملتِ ابراہیمی سے بھٹک چکے تھے، اور فسق و فجور اور کفر و شرک کا نام ملتِ ابراہیمی رکھ لیا تھا۔ اخلاقی طور پر جنگ و جدل اور شراب نوشی اُن میں عام تھی۔ البتہ اُن میں بعض خوبیاں بھی تھیں۔ وہ بڑے جفاکش بہادر، وفادار اور انتہائی ذہین لوگ تھے۔ اللہ نے اپنے آخری نبی کی بعثت کے لیے خطہ بھی وہ منتخب کیا جو لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ نہ وہ مشرقی ہے نہ مغربی بلکہ زمین کا وسطی خطہ ہے۔ پھر اس خطہ سے تہذیب و تمدن کے سمندر بہلائے اور تہذیب کے اصول اٹھائے، اللہ نے اِن امیوں کو علوم و معارف اور حکمت کا رازداں بنایا۔ یہی لوگ دانشور بنے اور اللہ کے آخری نبی کی تربیت حاصل کر کے ساری دنیا کے معلم بن گئے۔

بعد میں آنیوالے

پھر فرمایا وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ اور اللہ کا یہ آخری رسول اُن لوگوں کے لیے بھی مبعوث ہوا ہے جو حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام رض سے

نہیں ملے۔ اس سے مراد عجمی لوگ ہیں۔ جن کی ملاقات عربوں سے نہیں ہوئی۔ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عرب وعجم سب کے لیے اللہ کے رسول ہیں۔ لَمَّا يَلْحَقُوا کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو فضیلت اور عمل کے اعتبار سے حضور علیہ السلام کے اولین مخاطبین سے نہیں ملتے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ غیر عرب اور صحابہ کرامؓ کے بعد میں آنے والے لوگ صحابہؓ کی فضیلت کے برابر نہیں ہوں گے۔ مگر رسول اللہ کی بعثت اُن کی طرف بھی ویسی ہی ہے جیسی عربوں اور بالخصوص صحابہ کرامؓ کی طرف ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ غیر عربوں نے بھی دین کی بہت خدمت کی ہے اور دنیا میں شہرت حاصل کی ہے۔ اسی محنت کی وجہ سے یہ لوگ اللہ کے ہاں بھی سرخرو ہوئے ہیں۔ اسی لیے شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اوّل عربوں کو پیدا کیا۔ جنہوں نے اس دین کو تھام لیا، اور پھر ان کے بعد عجم میں ایسے لوگ اٹھے جنہوں نے دین کی آبیاری کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ صحاح ستہ کے مؤلفین محدثین کرامؒ سب عجمی تھے جنہوں نے حدیث کی کتابیں تدوین کر کے دین کی بہت بڑی خدمت انجام دی اور جن سے قیامت تک کے لوگ مستفید ہونگے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا کہ قیامت کب آئیگی؟ آپ نے اُلٹا سوال کیا کہ تو نے قیامت کے لیے تیاری کیا کی ہے؟ وہ شخص کہنے لگا کہ میں نے کوئی بڑا سامان تو تیار نہیں کیا، البتہ اتنا ضرور ہے اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ تم آخرت میں اسی کے ساتھ ہو گے جس کے ساتھ محبت کرتے ہو۔ یہ سن کر حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا الحمد للہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ محبت ہے اگرچہ میں اُن جیسے کام نہیں کر پایا۔ فرمایا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ وہ اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے جس نے ان اوصاف کے ساتھ اپنے آخری نبی کو عرب وعجم کی طرف مبعوث فرمایا۔

فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمادے۔ ایمان، علم، حکمت، تزکیہ نفس، عقیدے اور فکر کی درستگی اور اچھا اخلاق اللہ کا فضل ہے جسے نصیب ہو جائے۔ پھر اس سے بڑھ کر جسے قرآن جیسی عظیم کتاب اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی اور رسول مل جائے اس جیسا فضل کون سا ہو سکتا ہے؟ فرمایا ایسا کیوں نہ ہو جب کہ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ جب وہ کسی پر مہربانی کرنا چاہتا ہے۔ تو اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آسکتی۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑤

ترجمہ :- مثال اُن لوگوں کی جن پر بوجھ رکھا گیا تھا تورات کا، پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا، گدھے کی مثال ہے جو اٹھاتا ہے کتابوں کا بوجھ۔ بُری ہے مثال اس قوم کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو، اور اللہ تعالیٰ نہیں راہ راست دکھاتا بے انصاف لوگوں کو ⑤

ربط آیات

ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور تنزیہہ بیان ہوئی۔ پھر اللہ کے آخری نبی کی امیوں کی طرف بعثت اور اُن کے فرائض کا ذکر ہوا۔ اللہ نے امیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف بھی اپنے رسول کو مبعوث فرمایا۔ گذشتہ سورۃ میں اللہ نے فرمایا کہ موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں تکلیف پہنچاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ اس میں اہل ایمان کے لیے تنبیہ ہے کہ کہیں وہ بنی اسرائیل کی طرح اپنے نبی کے لیے اذیت کا باعث نہ بنیں۔ اہل کتاب ہونے کے باوجود اُن میں خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے وہ اللہ کے پیغمبروں کو ستاتے تھے، لہٰذا اللہ نے اُن کا شکوہ بیان کیا۔

حاملین تورات کی مثال

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تورات کے ماننے والے یہودیوں کی بری خصلت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ

مثال اُن لوگوں کی جن پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا۔ اس سے مراد یہودی ہیں جو حاملین تورات ہیں۔ یہ کتاب امتِ موسیٰ کی خواہش پر اُن کو دی گئی تھی۔ فرعون کی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے قانون کی کوئی کتاب ہونی چاہیے جس پر ہم عمل کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے کوہِ طور پر چالیس دِن تک اعتکاف کیا تو اللہ نے تورات جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی۔ اور ساتھ حکم دیا خُذُوا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوا مَا فِيْهِ (البقرہ۔ ۶۳) اس کو مضبوطی سے پکڑ لو، گویا تم اس کتاب کے محافظ ہو، اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کو یاد کرو، اور اس کے مطابق عمل کرو۔ ان لوگوں پر تورات کا بوجھ ڈالنے کا یہی مطلب ہے کہ یہودیوں کو اُس کی حفاظت اور اس پر عملدرآمد کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت تھی مگر اہلِ کتاب نے اس کی قدر نہ کی۔

اس لیے فرمایا کہ جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا۔ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا پھر انہوں نے اس بوجھ کو اٹھایا نہیں یعنی اس کی حفاظت اور اس پر عمل درآمد کی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا اُن کی مثال اُس گدھے کی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ جس طرح گدھا کتابیں اٹھانے سے عالم فاضل اور کتابوں کا عامل نہیں بن جاتا۔ اسی طرح وہ انسان بھی گدھے کی مانند ہیں۔ جن کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے۔ مگر وہ اُس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ نہ اُن کی فکر کتاب کے مطابق ہے، نہ اخلاق اور نہ عمل۔ اِن کی حیثیت تو گدھے پر کتابیں لادنے سے زیادہ نہیں ہے۔

گدھے کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ سورۃ النحل میں بھی گدھے کا ذکر آیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً (آیت۔ ۸) اللہ نے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کیے ہیں تاکہ تم ان پر سواری کرو اور یہ تمہارے لیے زینت کا سامان بھی ہیں۔ گھوڑا سب سے زیادہ پاکیزہ، وفادار اور خوبصورت جانور ہے۔ انسانی تاریخ میں اس نے تمام جانوروں سے زیادہ

کام کیا ہے خاص طور پر دورانِ جنگ اس کی خدمات بڑی مفید ثابت ہوئی ہیں، اور یہ زینت میں بھی سب جانوروں سے آگے ہے۔ خچر گھوڑے کی نسبت کم تر خصوصیات کا حامل ہے مگر اس میں بھی زینت کا سامان ہے اور گدھا اس سے بھی کم تر ہے۔ شکل وصورت اور قد کاٹھ کے لحاظ سے اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، لہٰذا اس کی زینت بھی کم ہی ہوتی ہے۔ البتہ بار برداری کے لیے یہ جانور زیادہ کارآمد ہے مگر بیوقوفی میں بھی مشہور ہے۔ بیوقوف آدمی کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اور اس معاملہ میں یہ ضرب المثل بن چکا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب حلال وحرام کی تمیز نہیں تھی تو گدھے کا گوشت اُس دَور میں بھی نہیں کھایا جاتا تھا کہ کہیں اس کو کھانے والا بھی بیوقوف نہ بن جائے۔ بیوقوف ہونے کے علاوہ گدھے کی آواز بھی بڑی بھیانک ہوتی ہے۔ اللہ نے انسانوں کو بھی بھدی آواز نکالنے سے منع فرمایا ہے سورۃ لقمان میں ہے کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ (آیت - ۱۹) اپنی آواز کو پست رکھو، کیونکہ بدترین آواز گدھے کی ہے۔ اللہ نے جہنمی لوگوں کی چیخ و پکار کو زفیر اور شہیق کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ گدھے کی ابتدائی بلند آواز کو زفیر اور آخری دھیمی آواز کو شہیق کہتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ نے بھی کہا ہے :-

> نہ محقق شدی نہ دانشمند
> چار پایہ برو کتابے چند

نہ وہ تحقیق کرنے والے بنے اور نہ اُن میں عقلمندی کی بات آئی۔ بس وہ گدھے کی مانند ہیں جن پر کتابیں لادی ہوئی ہیں۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے۔

> اِنْعَقْ بِمَا شِئْتَ تَجِدْ أَنْصَارًا
> ضُمَّ أَسْفَارًا تَجِدْ حِمَارًا

گدھے کی آواز نکالو، کوئی نہ کوئی مددگار تو مل ہی جائیں گے۔ کتابوں کا دفتر باندھ لو

کیونکہ اٹھانے کے لیے گدھا تو مل ہی جائے گا۔

گدھے کی مثال کے علاوہ سورۃ الاعراف میں اللہ نے کتے کی مثال بھی بیان کی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بلعم بن باعور نامی بڑا عابد زاہد اور مستجاب الدعوات شخص تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر اس شخص کے علاقے میں پہنچے تو وہاں کے بادشاہ کو خطرہ پیدا ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے علاقے پر قبضہ ہی نہ کر لیں۔ اُس نے بلعم بن باعور کو کہا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے حق میں بد دعا کرے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ پہلے تو اُس شخص نے ایسا کرنے سے لیت و لعل کیا۔ پھر بادشاہ نے اُس شخص کو مال و دولت اور عورت کا لالچ دیا تو وہ بد دُعا کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ اگرچہ وہ شخص ایسی بد دُعا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا، تاہم اللہ نے فرمایا فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (الاعراف۔ ۱۷۶) ایسے شخص کی مثال کتے کی ہے جس کو ڈانٹ دو یا چھوڑ دو، وہ ہانپتا ہی رہتا ہے۔ کتے میں بھی یہی دو خصلتیں ہیں، ایک تو وہ لالچی ہوتا ہے اور دوسرا شہوت پرست، تو اللہ نے ایک یہ کتے کی مثال بھی بیان کی ہے۔ اسی طرح اللہ نے کافروں اور مشرکوں کو جانوروں کی طرح بیان کیا ہے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ (الاعراف۔ ۱۷۹) وہ جانوروں کی طرح ہیں۔ جانوروں کا مقصد حیات بھی کھانا پینا اور شہوت رانی ہے اور کفار و مشرکین کی زندگی کا مقصد بھی اس سے زیادہ نہیں، لہٰذا ان کی مثال جانوروں کی ہے۔

بہر حال یہاں پر اللہ نے حاملین تورات کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس نے کتابوں کا بوجھ اٹھا رکھا ہے مگر اُن سے مستفید نہیں ہوتا۔ یہ مثال صرف اسرائیلیوں تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ تمام لوگوں کو بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اگر کوئی شخص علم سیکھنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس کی مثال گدھے کی ہے، جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں اسی لیے حضور علیہ السلام نے دُعا میں سکھایا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو غیر مفید ہو۔

دورانِ خطبہ کلام کی ممانعت

مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ خطبہ جمعہ کے وقت حضور علیہ السلام نے مکمل خاموشی کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ درود شریف پڑھنے کا حکم بھی نہیں ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص امام کے خطبے کے دوران بات چیت کرتا ہے هُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا وہ اس گدھے کی مانند ہے جس پر کتابوں کا دفتر لدا ہوا ہو۔ نیز فرمایا کہ جو شخص کسی بولنے والے شخص کو کہتا ہے کہ خاموش رہو، وہ بھی جمعہ کا مخصوص ثواب حاصل نہیں کر سکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس حکم پر عمل درآمد کے لیے کسی دوسرے شخص کو بول کر تلقین بھی نہیں کی جا سکتی، یہ اتنا نازک مسئلہ ہے۔

مسجدوں میں عام طور پر خاموشی اختیار کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ ہمارے ہاں لوگ چھوٹے بچوں کو مسجد میں لے آتے ہیں جو شور کر کے مسجد کے احترام کو خراب کرتے ہیں ہاں جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اُسے نماز سکھانے کے لیے مسجد میں لانے کی اجازت ہے۔ مسجد کے مذکورہ اندرونی شور کے علاوہ بیرونی شور و شر بھی نماز میں خلل انداز ہوتا ہے ایک مسجد میں نماز ہو رہی ہے تو دوسری مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر درس ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔ مگر بلند آواز سے درس دینے والوں کا مقصد محض یہ ہے کہ اُن کے فرقے کی بات غالب آجائے۔ یہ کوئی نیکی کی بات نہیں ہے بلکہ حدیث کے خلاف عمل ہے ایک دوسرے کے سامنے تو قرآن کی آواز بھی بلند نہیں کرنی چاہیئے۔ "تاکہ دوسروں کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔

مولانا رومیؒ اور علم

مولانا رومیؒ نے اپنی "مثنوی" میں دین کے حقائق طرح طرح کی مثالوں کے ذریعے سمجھائے ہیں۔ اس میں عقیدے، عمل اور اخلاق کی باتیں بھی ہیں۔ آپ نے علم سے متعلق بھی بعض بہت اچھی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً

علم ہائے اہلِ دل حمالِ شاں
علم ہائے اہلِ تن حمالِ شان

ترجمہ:۔ جن کا علم دل پر اثر انداز ہوتا ہے وہ اُس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں مگر جن لوگوں کا علم جسم تک محدود ہوتا ہے، وہ اُن پر بوجھ ہی ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ اہلِ بدعت اور باطل فرقوں والے قرآن تو پڑھیں گے مگر وہ اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا یعنی اُس کا اثر دل پہ نہیں ہو گا۔

؎ علم چوں بر دل زند یارے بود
علم چوں بر تن زند بارے بود

ترجمہ :۔ جس علم کا اثر تمھارے دِل پر ہو گا۔ وہ تمہارا دوست بنے گا۔ اور جس علم کا اثر صرف جسم تک ہو گا۔ وہ تو محض بوجھ ہی ہو گا۔ جس کا فائدہ کچھ نہیں ہو گا۔

؎ چوں بہ دل خوانی زحق گیری سبق
چوں بہ رگل خواہی شماری ورق

ترجمہ :۔ جس چیز کو دِل سے پڑھو گے تو حق کی جانب سے سبق حاصل ہو گا۔ اور اگر گارے یعنی جسم سے ہی پڑھو گے تو محض ورق گردانی ہو گی۔ فائدہ کچھ نہیں ہو گا۔

شیخ سعدیؒ نے بھی علم کی تعریف اس طرح کی ہے۔

؎ سعدی بشوئے دِل لوح از نقشِ غیر دوست
علمے کہ راہ بحق نہ نماید ضلالت است

ترجمہ :۔ اے سعدیؒ دل کی تختی کو اپنے دوست کے نقش کے سوا ہر چیز سے دھو ڈال۔ کیونکہ جو علم حق کی راہ نہیں دکھاتا۔ وہ تو گمراہی ہے۔

ظاہر ہے کہ حقیقی دوست تو اللہ تعالیٰ ہے جیسے اُس کا فرمان ہے۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا دوست ہے، وہی رفیق اور کارساز ہے، وہی الٰہ اور معبود برحق ہے، اُس کے نقش کے سوا دِل کی تختی کو دھو ڈال۔ غرضیکہ اللہ نے یہ مثال کے طور پر فرمایا ہے کہ جن کو حاملین تورات قرار دیا گیا تھا۔ اور انہوں نے اُس کا حق ادا نہیں کیا تو اُن کی مثال گدھے کی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو آج ہم بھی اس مثال پر پورے اُترتے ہیں۔ ہم قرآن کے حاملین ہیں مگر بے عملی کی وجہ سے گدھے ہیں۔ ظاہر ہے کہ گدھا کتابوں سے کیا فائدہ اٹھا سکے گا۔ یہ تو محض بوجھ

اٹھانے والی بات ہے۔

فرمایا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ بُری ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ اگر اسرائیلیوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا تو آج کے مسلمان بھی ان سے کم نہیں۔ یہ بھی اپنے عقیدہ، اخلاق، عمل اور زبان غرضیکہ ہر طریقے سے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو جھٹلاتے ہیں۔ بڑے بڑے دعوے اور پھر ان کی تاویلیں کرتے ہیں اور اس طرح کتاب و سنت کی تکذیب کرتے ہیں۔ فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ البتہ ان چیزوں سے توبہ کر لینے کی صورت میں ہدایت نصیب ہو جاتی ہے بشرطیکہ کوئی شخص ہدایت کا طلبگار ہو، ضد، عناد، ہٹ دھرمی اور بے انصافی پر قائم رہنے سے ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی انسان منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

درس سوم ۳ آیت ٦ تا ۸

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾

ترجمہ: اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے اے وہ لوگو جو یہودی بنے ہو، اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم اللہ کے دوست ہو، دوسرے لوگوں کے سوا، پس تم خواہش کرو موت کی اگر تم سچے ہو ﴿٦﴾ اور نہیں تمنا کریں گے یہ موت کی کبھی بھی اُن کاموں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو ﴿٧﴾ آپ کہہ دیجئے بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو، پس وہ یقیناً تم سے ملنے والی ہے۔ پھر تم لوٹائے جاؤ گے اس پروردگار کی طرف جو چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے پس وہ ظاہر کر دے گا تمہارے سامنے جو کام تم کیا کرتے تھے ﴿٨﴾

ربط آیات

اللہ تعالیٰ کی توحید اور تنزیہہ بیان کرنے کے بعد نبی آخر الزمان

کی بعثت کا ذکر ہوا۔ یہ بعثت عرب کے امیوں کی طرف بالخصوص اور باقی لوگوں کیلئے بالعموم ہے۔ پھر اہل کتاب میں سے یہودیوں کا ذکر ہوا، جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا۔ اللہ نے اُن کی مثال گدھے کے ساتھ دی جس پر کتابوں کا دفتر لدا ہوا ہے مگر وہ اُن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح یہودی بھی اللہ کی کتاب سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور اُس کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے بے انصاف لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوا کرتی۔

موت کی تمنا

اہلِ کتاب کا دعویٰ تھا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (البقرہ۔۱۱۱) یہودی کہتے ہیں کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے۔ اور نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ صرف اور وہی جنت کے مالک ہیں اللہ تعالیٰ نے اس دعوے کی تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اے پیغمبر آپ کہہ دیں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اے وہ لوگو! جو یہودی بنے ہو اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ اگر تم دوسروں کے سوا اللہ کے دوست ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، اور سمجھتے ہو کہ صرف تمہی جنت کے وارث ہو فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تو موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص مرنے کے بعد ہی جنت میں جا سکتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے پیارے ہو تو موت کی تمنا کرو تاکہ تم جلدی جنت میں پہنچ جاؤ۔

اللہ نے ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ یہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں لہٰذا وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا یہ کبھی بھی موت کی خواہش نہیں کریں گے بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ان کاموں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔ ان کی سیاہ کاریاں ان کے سامنے ہیں اور یہ جانتے ہیں مرنے کے بعد انہیں کبھی جنت نصیب نہیں ہوگی بلکہ یہ جہنم کے [illegible] ہوں گے۔ اللہ نے سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے کہ یہ [illegible] سے بھی زیادہ حریص ہیں اور چاہتے ہیں لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ (آیت ۹۶)

کہ انہیں ایک ہزار سال زندگی مِل جائے، بھلا یہ موت کی تمنّا کیسے کر سکتے ہیں؟ حقیقت ہے کہ جو آدمی اپنے دعویٰ میں سچا ہوگا وہ موت سے نہیں ڈرے گا۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَى الْحَبِیْبِ کیونکہ موت تو ایک پل ہے جو دوست کو دوست کے ساتھ ملاتا ہے، مگر یہ لوگ بزدل اور غلط کار ہیں۔ نہ ان میں سچّی محبت ہے اور نہ یہ موت کی تمنّا کریں گے۔

موت سے محبت

حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی موت سے محبت کے متعلق بہت سی باتیں منقول ہیں۔ وہ جہاد میں بجوشی شریک ہوتے اور کہتے غَدًا نَلْقَى الْاَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَّحِزْبَهٗ کل ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے گروہ کے ساتھ جا ملیں گے۔ وہ شہادت میں خوشی محسوس کرتے اور کہتے یَا حَبَّذَا الْجَنَّةُ وَاقْتِرَابُهَا طَیِّبَةٌ وَّمَآءٌ بَارِدٌ شَرَابُهَا کیا ہی اچھی ہے جنت اور اس کا قرب پاکیزہ ہے اور ٹھنڈا پانی اُس کا مشروب ہے، وہ لوگ موت کو قریب آتے ہوئے دیکھ کر کہتے تھے حَبِیْبٌ جَآءَ عَلٰى فَاقَةٍ فاقہ کی حالت میں موت آرہی ہے اور یہ کتنی پیاری چیز ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کا وہ خط تاریخ میں موجود ہے جو انہوں نے اپنے مدِمقابل عراقی طاقت کو لکھا تھا۔ آپ نے اس خط میں تنبیہ کی تھی کہ یاد رکھو! ہمارے نزدیک موت اس قدر محبوب ہے کہ تمہارے نزدیک اتنی محبوب شراب بھی نہیں ہے، ہمیں اپنی جانوں کی ہلاکت کی کوئی فکر نہیں کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید، اور آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے۔ کہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا یَا بُنَیَّ لَا یُبَالِیْ اَبُوْكَ اَنْ سَقَطَ عَلَیْهِ الْمَوْتُ اَوْ سَقَطَ عَلَیْهِ اے بیٹے تیرا باپ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ موت اس پر گر جائے یا وہ موت پر جا گرے۔ یہی بات حضور علیہ السلام کی دعائے مبارکہ میں بھی پائی جاتی ہے لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ میری خواہش ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ

کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔ یہ چیز موت سے محبت کی علامت ہے کیونکہ اس کے بدلے میں جو کچھ آگے ملنے والا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

حضور علیہ السلام نے یہ دعا بھی سکھائی ہے۔ اَللّٰھُمَّ حَبِّبِ الْمَوْتَ اِلٰی مَنْ یَّعْلَمُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُہٗ اے اللہ! موت کو اس شخص کے نزدیک پسندیدہ ٹھہرا دے جس کو یقین ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ موت ایک بھیانک چیز ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کو آخرت میں ملنے والے آرام و راحت کے پیش نظر فرمایا لَا یَذُوْقُوْنَ الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَۃَ الْاُوْلٰی اُن کو پہلی موت کے علاوہ موت کی دوبارہ تلخی نہیں آئے گی۔ نیز فرمایا فَاَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃُ الْمَوْتِ تمہیں موت کی مصیبت یعنی اس کی تلخی پہنچنے والی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں سکھایا اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیَّ سَکَرَاتِ الْمَوْتِ وَعَمَرَاتِ الْمَوْتِ پروردگار! مجھ پر موت کی غشی اور اس کی تلخیاں آسان فرما دے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ (آل عمران - ۱۸۵) کہ ہر جان نے موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے اور اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ البتہ سچا اور ایماندار آدمی دنیا پر حریص نہیں اور نہ وہ موت سے ڈرتا ہے۔

ایک دفعہ ابوجہل نے کہا تھا کہ اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے پایا تو میں اس کی گردن روند ڈالوں گا۔ جب یہ بات حضور علیہ السلام کو معلوم ہوئی تو فرمایا لَوْ فَعَلَ لَاَخَذَتْہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ عِیَانًا، اگر وہ بدبخت ایسا کر گزرتا تو اللہ کے فرشتے اُسے فوراً پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ اسی بات کا اشارہ اللہ نے سورۃ العلق میں فرمایا ہے اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی ⑨ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ⑩ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو ایک بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے؟ حضور علیہ السلام نے ایک روایت میں یہ بھی فرمایا ہے

لَوْ اَنَّ الْيَهُوْدَ تَمَنَّوُا الْمَوْتَ لَمَاتُوْا وَلَرَاَوْا مَقَاعِدَهُمْ مِّنَ النَّارِ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر جاتے اور اپنا ٹھکانا جہنم میں دیکھ لیتے۔
یہ بدبخت حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلا عربوں میں نبوت کہاں سے آگئی، یہ تو ہمیشہ سے ہمارے خاندان کے ساتھ وابستہ ہے۔
اسی طرح داؤد علیہ السلام کی نسل کے لوگ بھی کہتے تھے کہ یہ کہاں کے نبی بن گئے، نبوت تو ہمیشہ کے لیے داؤد علیہ السلام کی نسل میں رہی ہے۔ پھر یہ لوگ اپنے آپ کو جنت کا حقدار ثابت کرتے تھے اور خدا کے محبوب بنتے تھے، بہر حال فرمایا کہ اگر یہودی موت کی خواہش کرتے تو فوراً ہلاک ہو جاتے اور سیدھے دوزخ میں پہنچ جاتے۔
سورۃ آل عمران میں یہ واقعہ موجود ہے کہ نجران کے کچھ عیسائی حضور علیہ السلام سے مناظرہ کرنے کے لیے آئے تھے۔ جب وہ بحث مباحثہ کے ذریعے ماننے پر آمادہ نہ ہوئے تو حضور علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے انہیں مباہلہ کی دعوت دیدی مگر وہ بھاگ گئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر وہ مباہلہ کا چیلنج قبول کر لیتے۔ لَرَجَعُوْا وَلَا يَجِدُوْنَ اَهْلًا وَّلَا مَالًا تو وہ اس حال میں واپس جاتے کہ کہ اُن کے اہل و عیال تباہ ہو جاتے اور اُن کے پاس کچھ باقی نہ رہتا۔ بہر حال فرمایا کہ یہ لوگ موت کی تمنا کبھی نہیں کرینگے، کیونکہ انہیں اپنی کرتوتوں کا علم ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو خوب جانتا ہے، وہ ان سے ذرے ذرے کا حساب لیگا۔

موت سے مفر نہیں

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہدیں اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ بے شک جس موت سے تم بھاگتے ہو فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ وہ یقیناً تم سے ملنے والی ہے تم موت سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ موت کی آمد تمہاری خواہش کے ساتھ مشروط نہیں بلکہ یہ اپنے مقررہ وقت پر ضرور آجائیگی طبرانی شریف میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے کہ موت سے بھاگنے والے شخص کی مثال اس لومڑی کی ہے جس نے زمین کا قرض ادا کرنا تھا۔

جب زمین نے اُس سے قرضہ واپس طلب کیا تو وہ بھاگ کھڑی ہوئی تاکہ کہیں دوسری جگہ چلی جائے جہاں زمین قرضہ طلب نہ کر سکے مگر وہ جہاں بھی جاتی زمین پر ہی ہوتی اور زمین اُس سے قرضہ طلب کرتی۔ لومڑی بھاگتے بھاگتے تھک ہار کر ہلاک ہو گئی۔ مگر زمین سے باہر نہ نکل سکی اور زمین برابر اُس سے قرضہ کی واپسی کا مطالبہ کرتی رہی۔ موت سے بھاگ جانے والے کی مثال بھی ایسی ہے کہ وہ خواہ کہیں بھی چلا جائے موت تو اُسے مِل کر رہے گی اور ضرور واقع ہوگی۔ موت کے اٹل ہونے کے متعلق بعض شعراء نے بھی بات سمجھائی۔

مَنْ هَابَ اَسْبَابَ الْمَنَايَا يَنَلْنَهُ
وَلَوْ رَامَ اَسْبَابَ السَّمَآءِ بِسُلَّمِ

جو شخص موت کے اسباب سے بھاگتا ہے وہ تو اُس کو پکڑ ہی لیتے ہیں اگرچہ وہ سیڑھی لگا کر آسمان پر ہی کیوں نہ چلا جائے۔

لَيْتَ شِعْرِیْ وَهَمُّ الْمَرْءِ يَنْصِبُهٗ
وَلَيْسَ لَهٗ فِی الْعَيْشِ تَحْرِيْزٌ

کاش کہ مجھے علم ہوتا کہ انسان کی فکرمندی اُس کو غم میں مبتلا کرتی ہے، اور انسان کو موت سے بچانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ موت کا کوئی علاج نہیں ہے۔

موت کے لیے دُعا کا مسئلہ

خود موت طلب کرنے کا بھی ایک مسئلہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ موت سے ڈرنا تو نہیں چاہیئے مگر مصیبت سے تنگ آکر موت کے لیے دُعا کرنا بھی درست نہیں۔ آپ نے فرمایا الضُّرّ نَزَلَ بِهٖ خدانخواستہ کوئی تکلیف پہنچ جائے، بیماری لاحق ہو جائے، مال ضائع ہو جائے، اولاد باقی نہ رہے، تو ایسی پریشانی سے تنگ آکر موت نہیں مانگنی چاہیئے۔ ہاں اگر دین کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو تو پھر موت کی تمنّا کی جا سکتی ہے۔ آپ نے یہ دُعا بھی سکھائی ہے اَللّٰهُمَّ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّیْ فَاَحْيِنِیْ پروردگار! جب تک تو جانتا ہے کہ

دنیا کی زندگی میرے لیے بہتر ہے تو مجھے زندہ رکھ، اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو پھر وہ عطا کر دے۔

امام ابوبکر جصاصؒ اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور قرآن کریم کی حقانیت پر دلیل بھی ہے۔ اللہ نے یہاں پر فرمایا ہے کہ اگر یہودی سچے ہیں تو وہ موت کی دعا کریں اور ساتھ پیشین گوئی بھی کر دی کہ وہ ہرگز ایسی دُعا نہیں کریں گے۔ یہ دونوں چیزیں واقع نہیں ہوئیں نہ تو یہودیوں نے موت کی دُعا کی اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو سچا ثابت کیا، لہٰذا وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ثابت ہوئے ہیں۔

مسلمان یہود کے نقش قدم پر

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں جس قدر باطل نظریات اور رسوم کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ ساری قباحتیں آج مُسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہودیوں نے جھوٹے عقیدے بنا رکھے ہیں، باطل رسوم نکالی ہوئی ہیں، ایمان سے خالی ہیں، اِن میں مشرکوں سے بڑھ کر عناد پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ ہدایت کو قبول کرتے ہیں۔ وگرنہ اکثریت اس سے محروم ہی رہتی ہے۔ یہی چیزیں مسلمانوں میں بھی موجود ہیں، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ تم بھی یہود کے نقش قدم پر چلو گے، جو بزدلی، خیانت اور باطل رسوم اِس وقت یہودیوں میں پائی جاتی ہیں وہی تمہارے اندر بھی آجائیں گی۔ یہودیوں کی طرح تم بھی اللہ کی کتاب اور دین کو پس پشت ڈال دو گے، جس طرح اُن کی مثال اللہ نے گدھے کے ساتھ دی ہے تمہارا حشر بھی وہی ہو گا۔ چنانچہ انصاف کی بات یہ ہے کہ یہود و مشرکین میں پائی جانے والی تمام فاسد رسوم آج مسلمانوں میں بھی موجود ہیں۔ یہ اِن کے مزاجوں میں راسخ ہو چکا ہے اور یہ انہیں کسی قیمت پر بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ اِن کا خصوصی مظاہرہ خوشی اور غمی کے مواقع پر ہوتا ہے جب اسلامی طریقے کے برخلاف لوگ غیر اسلامی قبیح رسوم میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر ان پر اصرار کرتے ہیں۔

ہندوانہ رسوم مسلمانوں میں

مفسر حقانیؒ لکھتے ہیں کہ مولانا عبید اللہؒ آف پائل آج سے تقریباً ڈیڑھ

سو سال پہلے مسلمان ہوئے۔ آپ برہمن تھے۔ پھر دین کی تعلیم حاصل کی اور مشرقی پنجاب میں سینکڑوں ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ انہوں نے "تحفۃ الہند" نامی کتاب لکھی ہے جس میں اُن لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جو آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔

اس کتاب میں انہوں نے اُن تمام رسومات باطلہ کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں نے ہندوؤں سے اخذ کی ہیں۔ برہمنوں نے اپنے لالچ کی خاطر ہندوؤں میں بہت سی رسوم جاری کر دیں۔ وہ مرنے والے کے وارثوں سے کہتے کہ تمہارا مردہ نرک (دوزخ) میں پڑا ہوا ہے۔ اگر اُسے وہاں سے رہائی دلانی ہے تو ایک گائے دان (صدقہ) کر دو تاکہ مرنے والا اُس کی دم پکڑ کر دوزخ سے باہر نکل سکے اور جنت میں داخل ہو جائے۔ ہمارے ہاں بھی قُل، تیجا، دسواں، ساتواں، چالیسواں وغیرہ جیسی باطل رسم نکل آئی ہے جن پر پھل اور کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے، کپڑے، لوٹا، مصلے، برتن، اناج وغیرہ دیا جاتا ہے تاکہ مولوی کا پیٹ بھرے اور مردے کے لیے ختم پڑھ کر دعا کرے تو اُس کی جان چھوٹے۔ یہ سب برہمنوں کی جاری کردہ رسوم ہیں جو مسلمانوں نے اپنالی ہیں۔ اس کے برخلاف ملت ابراہیمیہ کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ مرنے والے ایماندار آدمی کو صدقہ خیرات، دُعا، استغفار وغیرہ فائدہ دیتا ہے۔ اگر قرآن کریم پڑھ کر بخشا جائے تو اس کا بھی فائدہ ہوگا۔ تاہم اگر معاوضہ دے کر پڑھایا تو وہ رسم ہوگئی اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور خرچ کردہ مال باطل رسم میں ضائع ہوگیا۔

اسی طرح ہندوؤں نے دسہرے کے تہوار پر ہنومان کی شبیہ بنائی تو مسلمانوں نے محرم کے موقع پر اُن کی نقالی کر لی، ہندوؤں نے دیوالی پر چراغاں کیا تو مسلمانوں نے شب برات اور معراج کے موقع پر لائٹیں لگائیں، آتشبازی کی اور جھنڈیاں وغیرہ لگا کر اُن کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ بعض جگہوں پر مرنے والے کی میت پر سرخ دوپٹہ ڈالا جاتا ہے جو کہ ہندوانہ رسم ہے، خاص طور پر میت پر قرآن پاک کی آیات سے مزین چادر ڈالنا تو قرآن کی توہین کے مترادف ہے جس سے قرآن کا تقدس

مجروح ہوتا ہے۔ یہ بھی یہودیوں کا سکھایا ہوا سبق ہے۔ قرآن کا حق تو یہ ہے کہ خود پڑھ کر مردے کو ثواب پہنچائے یا قرآن خرید کر کسی محتاج کو دے دے کہ وہ پڑھے اور مرنے والے کو اس کا فائدہ پہنچے۔

مسلمانوں کا بوہرا فرقہ کراچی، بمبئی، کاٹھیاوار اور مدراس وغیرہ میں رہتے ہیں اُن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے مولوی سے چھٹی لکھوا کر مردے کے کفن میں رکھ دیتے ہیں یہ چھٹی بھائی جبرائیل (علیہ السلام) کے نام ہوتی ہے کہ یہ مرنے والا ہمارا آدمی ہے اس کو اناج، کھجور، پھل وغیرہ دینا تاکہ یہ کسی چیز سے محروم نہ رہے۔ غرضیکہ اس قسم کی رسومات یہودی اور ہندو ادا کرتے ہیں تو اُن کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی شروع کر دی ہیں۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ یہودی تو زندگی پر پرلے درجے کے حریص ہیں۔ یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے، مگر جس موت سے یہ بھاگتے ہیں وہ آکر رہے گی۔ فرمایا ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ پھر تم ظاہر و باطن کو جاننے والے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے، مطلب یہ ہے کہ اس زندگی میں انجام دیے گئے اعمال کی جزا کے لیے ہر ایک کو موت کی گھاٹی پر لازمی چڑھنا ہے۔ اور اس سے کسی طور پر بھی راہ فرار اختیار نہیں کی جا سکتی۔ سورۃ الٓمٓ السجدۃ میں بھی اللہ کا فرمان ہے۔ قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ (آیت ۔ ۱۱) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اللہ کا مقرر کردہ موت کا فرشتہ تمھیں وفات دیگا۔ اور پھر تمھیں اپنے پروردگار کی طرف جزائے عمل کے لیے جانا ہوگا۔ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر وہ تمھیں بتلا دے گا جو کچھ تم کام کیا کرتے تھے۔ تمھارے سارے اعمال اُس کے ہاں محفوظ ہیں جن کو نکال کر وہ تمھارے سامنے رکھ دے گا اور پھر تمھیں اُن کی جوابدہی کرنا ہوگی۔

درس چہارم ۴ آیت ۹ تا ۱۰

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جس وقت اذان پکاری جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن، پس کوشش کرو اللہ کے ذکر کی طرف، اور چھوڑ دو خرید و فروخت۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو (۹) پس جب پوری کر لی جائے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے، اور یاد کرو اللہ کو کثرت سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ (۱۰)۔

جمعہ کی فضیلت

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الجمعہ اسی لیے ہے کہ اس کے دوسرے رکوع میں جمعہ کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ جمعہ کے دن اور اس کی نماز کو دین میں خصوصیت حاصل ہے۔ نماز جمعہ نماز ظہر کے قائمقام پڑھی جاتی ہے۔ تاہم یہ ظہر سے زیادہ مؤکد ہے۔ جمعہ کے دن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سید الایام فرمایا ہے اور قیامت والے دن یہ بڑی نمایاں حیثیت میں ظاہر ہوگا۔ یوم الجمعہ کے فضائل کے ضمن میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا، اسی دن آپ کو جنت میں داخل کیا اور اسی دن وہاں سے نکالا

قیامت بھی بروزِ جمعہ ہی برپا ہوگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک آئینہ دکھایا گیا جس کے درمیان میں ایک نقطہ تھا۔ آپ کو بتلایا گیا کہ یہ جمعہ ہے۔ جمعہ کی رات اور جمعہ کا دن دونوں بابرکت ہیں۔ لَیْلَۃٌ مُّبَارَکَۃٌ وَّیَوْمٌ اَظْھَرُ اس کی رات بابرکت اور دن بڑا نمایاں ہے۔

جمعہ کے دن ایک ایسی مبارک گھڑی آتی ہے کہ اس دوران ایماندار آدمی جو مناجات کرتا ہے یا دُعا کرتا ہے۔ وہ قبول ہوتی ہے۔ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز کے اختتام تک کے وقفہ میں ہوتی ہے۔ جو شخص جمعہ کے دن سُورۃ کہف کی تلاوت کرتا ہے اس کے لیے خدا تعالیٰ دس دن تک روشنی پیدا کر دیتا ہے۔ بعض دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ زمین سے آسمان تک روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں فتنۂ دجال سے حفاظت کا سامان پیدا کرے گا۔ اگر ساری سورۃ کی تلاوت نہ کر سکے تو اس کی پہلی اور آخری دس دس آیتیں ہی پڑھ لے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پہلی دس آیتیں یا کم از کم تین آیات ہی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ پھر بھی مختلف درجات عطا فرمائے گا۔ بہرحال اس تلاوت کی فضیلت کا تعلق جمعہ کے دن سے ہے۔

جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے اور حضور علیہ السلام نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ درود تو ہر دن اور ہر وقت باعثِ فضل و رحمت ہے لیکن جمعہ کے دن اس کی خاص فضیلت ہے۔ نمازِ جمعہ کے لیے جلدی آنے کی بھی حضور علیہ السلام نے بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ جو شخص جمعہ کی نماز کے لیے سب سے پہلے مسجد میں آتا ہے تو فرشتے اس کے لیے اُونٹ صدقہ کرنے کے برابر ثواب لکھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر آنے والے کے لیے گائے صدقہ کرنے کا ثواب، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ مرغی اور انڈے تک کی فضیلت رہ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ جب امام خطبہ شروع کر دیتا ہے تو فرشتے نام لکھنا بند کر دیتے ہیں اور خطبہ سُننے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

جمعہ کی اذان

ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اے ایمان والو! اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ جس وقت اذان پکاری جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن عام نمازوں کے لیے ایک ہی اذان ہوتی ہے مگر نماز جمعہ کے لیے دو اذانیں کہی جاتی ہیں۔ پہلی اذان امام کے خطبہ دینے سے کافی پہلے دی جاتی ہے جب کہ دوسری اذان اس وقت ہوتی ہے جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے۔ ابتدا میں یہ دوسری اذان ہی دی جاتی تھی، تاہم حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب آبادی بڑھ گئی تو مدینے کے مقام زوراء پر پہلی اذان دینے کا حکم ہوا، اور دوسری اذان وہی قائم رہی جو امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے ساتھ ہی کہی جاتی ہے۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ راشد تھے۔ اور انہوں نے ہی دوسری اذان کا طریقہ جاری کیا مگر کسی صحابیؓ نے اعتراض نہیں کیا کہ یہ نیا کام شروع ہو گیا ہے، لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اذان تمام صحابہؓ کے اتفاق سے شروع ہوئی۔ ویسے بھی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ میری اور خلفائے راشدینؓ کی سنت کو لازم پکڑو کیونکہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ تو اس لحاظ سے بھی خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کی جاری کردہ اذان درست ہے شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں۔

جمعہ کے بعض مسائل

نماز جمعہ تمام مسلمان مردوں پر فرض ہے، البتہ عورتیں، مسافر، بیمار یا معذور آدمی سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اندھے کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر اُس کو پکڑ کر مسجد میں لانے والا آدمی موجود ہے تو نماز جمعہ اس پر بھی فرض ہو گی، جو لوگ جمعہ کی نماز ادا کر لیں گے اُن کے لیے ظہر کی نماز باقی نہیں رہے گی۔

جمعہ کی نماز کے لیے خطبہ شرط ہے، اگر خطبہ نہیں ہوا تو نماز جمعہ نہیں بلکہ ظہر کی نماز ادا کی جائیگی، خطبہ میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کی جاتی ہے، قرآن کی کوئی آیت تلاوت کی جاتی ہے، مسلمانوں کو کوئی وصیت کی بات کی جاتی ہے اور آخر میں دعا کی جاتی ہے۔ یہ خطبے کے اجزاء ہیں۔ اگر نماز جمعہ کے لیے جانے میں دقت پیش آجائے مثلاً سخت بارش ہو رہی ہے، تیز آندھی یا طوفان اٹھ رہا ہو تو پھر جمعہ کے

لیے حاضر ہونا ضروری نہیں رہتا بلکہ اپنے ٹھکانے پر نماز ادا کی جائے گی۔
حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جمعہ کا خطبہ مکمل خاموشی کے ساتھ سننا چاہیئے جو شخص خطبہ کے دوران کلام کرتا ہے اُس کی مثال گدھے کی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لادا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کلام کرنے والے شخص کو بول کر کہتا ہے کہ خاموش رہو تو اس کا جمعہ بھی باطل ہو جاتا ہے (یعنی جمعہ کی نماز کا مخصوص اجر و ثواب اس کو حاصل نہیں ہو گا) لہٰذا خطبہ کے دوران مکمل خاموشی لازمی ہے اگر کوئی شخص دورانِ خطبہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ دو رکعت ہلکی نماز پڑھ لے، تاہم امام ابُو حنیفہ رح کہتے ہیں کہ اُس وقت کوئی نماز نہ پڑھے بلکہ بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ خطبہ سُنے۔

نمازِ جمعہ کسی شہر یا اُس کے شاملات، کسی بڑی بستی یا قصبہ میں درست ہے البتہ کسی بادیہ، گھاٹ، کنوئیں، جنگل یا صحرا میں جمعہ کی نماز ادا کرنا درست نہیں شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں کہ امت نے یہ بات معنوی طور پر سمجھ لی ہے کہ جمعہ کیلئے کسی نہ کسی درجے میں تمدن کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ امام شافعی رح اور امام مالک رح فرماتے ہیں کہ جہاں چالیس آدمی اکٹھے ہو جائیں وہاں جمعہ درست ہے البتہ امام ابُو حنیفہ رح کا مسلک یہ ہے کہ شہر، قصبہ، بڑی بستی، بازار یا منڈی ہونی چاہیئے۔ خواہ آبادی کم ہی کیوں نہ ہو۔

جمعہ ظہر کے وقت میں ہی ہو سکتا ہے۔ اگر ظہر کا وقت نکل گیا تو پھر جمعہ نہیں ہو گا۔ شہر کے متعدد مقامات پر بھی جمعہ پڑھنا روا ہے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو۔ تاہم ہر مسجد میں بلا ضرورت جمعہ کرانا درست نہیں کیونکہ یہ اسلام کی اجتماعیت کے خلاف ہے۔ اسلام نے تو اجتماعیت کا درس دیا ہے۔ مگر آج حالت یہ ہے کہ دھڑا بندی کی وجہ سے ہر چھوٹی بڑی مسجد میں جمعہ ادا کیا جاتا ہے۔ جمعہ کے دن غسل کرنا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، حجامت بنوانا، ناخن ترشوانا مسنونہ اعمال ہیں جن کی تاکید آئی ہے۔

فرض نمازِ جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت ظہر ہی کی طرح مؤکدہ ہیں، البتہ فرائض کے بعد والی سنن میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے مطابق فرائض کے بعد چھ رکعت سنت ہیں، بعض چار پڑھتے ہیں اور امام احمدؒ دو پر اکتفا کرتے ہیں تاہم صحیح بات یہ ہے کہ چھ رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

نمازِ جمعہ کے لیے اہتمام

فرمایا جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان کہی جائے فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ امام ابوبکر جصاصؒ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر دوڑنے سے مراد بھاگ کر جانا نہیں بلکہ اللہ کے ذکر کے لیے کوشش کرنا مراد ہے۔ نماز کے لیے دوڑ کر جانا تو ویسے ہی مکروہ ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب نماز کے لیے جاؤ تو نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ چل کر جاؤ۔ اسی طرح نماز کا جتنا حصہ جماعت کے ساتھ مل جائے ادا کرو اور جو رہ جائے اُسے بعد میں پڑھ لو۔ فَاسْعَوْا سے مراد خواہش کرنا، کوشش کرنا، وضو کرنا، کپڑے بدلنا، سواری کا انتظام کرنا۔ یا نماز سے متعلقہ دیگر امور انجام دینا بھی ہے۔ اس کے علاوہ باقی ہر کام کو ترک کر دو۔

امام غزالیؒ پانچویں صدی میں ہوئے ہیں۔ اُن کے زمانے میں نماز جمعہ کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا حتیٰ کہ لوگ دس بجے ہی گھروں سے نکل کھڑے ہوتے تھے اور گلیاں لوگوں سے پُر ہو جاتی تھیں۔ مگر آجکل حالت یہ ہے کہ لوگ گھروں میں بیٹھے گپیں مارتے رہتے ہیں، میچ دیکھتے رہتے ہیں، ریڈیو یا ٹیلیویژن پر گانے سنتے رہتے ہیں۔ پھر جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو دوڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی نماز میں کیا برکت آئے گی اور اللہ کی کیا خوشنودی حاصل ہوگی! فَاسْعَوْا کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔ بہرحال یہاں پر ذکر سے مراد خطبہ اور نماز جمعہ ہے۔

فرمایا اذان ہونے پر نماز جمعہ کا اہتمام کرو وَذَرُوا الْبَيْعَ اور خرید فروخت کو چھوڑ دو۔ مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس سے صرف خرید و فروخت کا ترک کر دینا مقصود نہیں بلکہ نماز کی تیاری کے علاوہ تمام کاموں کو چھوڑ دینا مطلوب ہے۔

کوئی شخص کھیتی باڑی کرتا ہے، صنعت و حرفت کا کام کر رہا ہے، لازم ہے
غرضیکہ ہر کام کو چھوڑ کر مسجد میں آجاؤ اور خطبہ سنو اور پھر نماز ادا کرو۔ اس وقت
میں خرید و فروخت حرام ہو جاتی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام کے منبر پر بیٹھنے اور اذان ہونے کے بعد اگر کوئی شخص
خرید و فروخت کرے گا تو وہ بالکل ہی ناجائز ہوگی۔ اس وقت میں نکاح پڑھنا بھی درست
نہیں بلکہ بعض ائمہ تو اسے حرام قرار دیتے ہیں اور تجدید نکاح کا حکم دیتے ہیں۔ اس لیے
مناسب یہی ہے کہ نکاح جمعہ کے وقت نہ رکھا جائے۔ ہمارے ہاں بھی عجیب حال ہے
اُدھر اذان ہو رہی ہوتی ہے تو اِدھر نکاح پڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ مناسب نہیں ہے۔
جیسا کہ پہلے عرض کیا جمعہ کی اذان سے لے کر اختتام نماز تک نماز کے اہتمام
کے علاوہ باقی تمام کاموں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس
اذان سے پہلی اذان مراد ہے یا دوسری جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جاتا ہے
اس سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ اس اذان سے
دوسری اذان مراد ہے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ پہلی اذان تو حضرت عثمانؓ کے دور
سے شروع ہوئی۔ جب کہ مذکورہ حکم نزولِ قرآن کے زمانہ کا ہے۔ تاہم دیگر امور کے
علاوہ خرید و فروخت کی ممانعت پہلی اذان سے لاگو ہو جاتی ہے کیونکہ دونوں اذانوں
کی علت ایک ہی ہے۔ البتہ دوسری اذان (خطبے والی) کا حکم قطعی ہے جب کہ
پہلی اذان کا حکم ظنی ہے۔

فرمایا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ یہ تمہارے لیے
بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ اس بہتری سے مراد آخرت کی بہتری ہے۔ ظاہر ہے
کہ جب کوئی شخص دنیا کا نفع بخش کاروبار چھوڑ کر اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے
آجائے گا۔ نماز پڑھے گا، وعظ و نصیحت سنے گا، مسلمانوں کے خیر و شر میں شریک
ہوگا تو یہ چیزیں دنیا کے فوائد سے بلند تر ہوں گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر تم میں شعور
کا مادہ ہے تو نماز کی دعوت پر لبیک کہنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

نمازِ جمعہ کے بعد

ارشاد ہوتا ہے فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ اور جب نماز پوری کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ زمین میں پھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ بازار میں جا کر کام کاج کرو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص بازار میں جا کر یہ کلمات پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو ایک لاکھ نیکی عطا فرمائے گا، ایک لاکھ چھوٹی موٹی غلطیاں معاف فرمائے گا۔ اور ایک لاکھ درجات بلند کرے گا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ بہرحال فرمایا نماز ختم کرنے کے بعد اپنی اپنی ڈیوٹی پر چلے جاؤ۔ کوئی شخص جو بھی کام کرتا ہے اُسے اجازت ہے کہ اب وہ کام شروع کر سکتا ہے۔ یہودیوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ ہفتے والے دن وہ سوائے عبادت کے اور کوئی کام نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ اُن کے چولھے بھی ٹھنڈے پڑے رہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے یہ آسانی پیدا فرما دی ہے کہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر وہ اپنے کام پر جا سکتے ہیں۔ البتہ جمعہ کی اذان سے لے کر نماز ختم ہونے تک کاروبار بند رکھنے کا حکم ہے۔

فرمایا زمین میں پھیل جاؤ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ فضل سے مراد اسبابِ معیشت ہے۔ چنانچہ طلبِ رزقِ حلال اللہ کے فضل میں داخل ہے۔ علماء کی مجلس میں جا کر علمی استفادہ حاصل کرنا، کسی کی بیمار پرسی کرنا، جنازہ پڑھنا، مومنوں سے ملاقات کرنا، حصولِ علم وغیرہ سب چیزیں فضل میں داخل ہیں۔ جملہ اجتماعی اصولوں میں سے ایک اہم اصول یہ ہے۔ جب لوگوں کا اجتماع ہو تو پھر مسلمانوں کے عام مفاد یعنی تبلیغ، تنظیم اور جہاد کی بات چیت ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ جماعت پر اللہ کا دستِ شفقت ہوتا ہے یعنی باہمی مشورہ سے کام کرنے میں بڑی برکت ہوتی ہے اور یہ موقع جمعہ کا اجتماع بخوبی مہیا کرتا ہے لہٰذا سارے کام کاج چھوڑ کر اس اجتماع میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عراک ابن مالکؓ نماز پڑھ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور پھر یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَجَبْتُ دَعْوَتَکَ وَصَلَّیْتُ فَرِیْضَتَکَ وَانْتَشَرْتُ کَمَا اَمَرْتَنِیْ وَارْزُقْنِیْ مِنْ فَضْلِکَ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ اے اللہ میں نے تیری دعوت کو قبول کیا، تیری فرض نماز ادا کی، اور اب میں تیرے حکم کے مطابق منتشر ہوتا ہوں، پس مجھے اپنے فضل سے روزی عطا فرما کہ تو بہتر روزی عطا کرنے والا ہے۔

ذکرِ الٰہی

فرمایا نماز کے بعد رزقِ حلال کی تلاش میں نکل جاؤ۔ اور ساتھ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو۔ ذکر کی کوئی حد نہیں۔ جتنا چاہیں اور جس وقت چاہیں اللہ کا ذکر کریں۔ ذکر کی آسان ترین صورت ذکرِ لسانی ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت، درود شریف، استغفار اور اللہ کی تسبیح و تنزیہہ کرنا شامل ہے امام جزریؒ فرماتے ہیں کُلُّ مُطِیْعٍ لِلّٰہِ ذَاکِرٌ نیکی اور اطاعت کا کام کرنے والا ہر آدمی ذاکر ہے۔ تاہم زبانی ذکر کے یہ چار کلمات بہت پسندیدہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ لسانی ذکر کے علاوہ ذکر قلبی اور روحی بھی ہوتا ہے جو بزرگانِ دین سکھلاتے ہیں۔ الغرض! فرمایا کہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرو لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عذاب سے بچانے والی چیزوں میں ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے ذکر کرنے سے اللہ راضی ہو کر عذاب سے بری کر دیتا ہے۔

درسِ پنجم ۵ — آیت ۱۱

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ⑪

ع ۲ ‏۱۲

ترجمہ :- اور جب دیکھتے ہیں یہ لوگ تجارت یا کھیل تماشے کو تو منتشر ہو جاتے ہیں اس کی طرف اور چھوڑ دیتے ہیں آپ کو کھڑا ہوا ۔ آپ کہہ دیجئے جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے کھیل تماشے اور تجارت سے ۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ⑪

ربطِ آیات

گذشتہ دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے احکام بیان فرمائے ۔ جن میں جمعہ کی فرضیت ، اذان کا مسئلہ ، اجتماع المسلمین ، خطبہ سننا ، نماز ادا کرنا اور نماز سے متعلقہ امور کے علاوہ تمام کاموں کو ترک کر دینا وغیرہ شامل ہیں ۔ نماز کے اختتام پر اللہ نے اجازت دے دی کہ زمین میں پھیل جاؤ یعنی اپنے کاروبار یا محنت مزدوری پر چلے جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزقِ حلال تلاش کرو ۔ فرمایا جمعہ کے اجتماع میں شرکت کرنا ، اس کے فیوض و برکات سے مستفید ہونا اور ممکن حد تک اللہ کا ذکر کرنا باعثِ نجات ہے ۔

شانِ نزول

سورۃ کی اس آخری آیت میں اللہ نے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور یہی اس آیت کا شانِ نزول ہے ، مدنی زندگی کا ابتدائی دور تھا جب کہ نمازِ جمعہ فرض ہو چکی تھی ، حضور علیہ السلام جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ۔ یہاں پر قدرے اختلاف ہے کہ نماز جمعہ ادا ہو چکی تھی یا ابھی ہونے والی تھی ۔ بعض فرماتے ہیں کہ ابتداء میں جمعہ کا خطبہ عیدین کے خطبے کی طرح نماز کے بعد ہوتا تھا اور اس طریقے

کے مطابق نماز ادا ہونے کے بعد خطبہ ہو رہا تھا۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ ہمیشہ نماز سے پہلے ہی رہا ہے اور اس موقع پہ بھی خطبہ ہو رہا تھا اور نماز ابھی ادا ہونی تھی۔ اس دوران میں ایک تجارتی قافلہ آگیا۔ بعض روایات کے مطابق یہ قافلہ حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبیؓ کا تھا جو شام سے اناج لے کر آیا تھا۔ اس زمانے میں مدینہ میں اناج کی قلت تھی اور مطلوبہ مال کا آجانا لوگوں کے لیے غیر معمولی کشش کا باعث بن گیا۔ رواج کے مطابق اس قسم کے قافلوں کی آمد یا روانگی کے وقت ڈھول وغیرہ پیٹے جاتے تھے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے اور وہ اپنی اشیائے ضرورت کی خرید و فروخت کر سکیں۔ اس موقع پر بھی جونہی قافلے کی آمد کا نقارہ بجا تو خطبہ سننے والے لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور قافلے کی طرف چلے گئے جو مسجد کے قریب ہی اترا تھا۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ تمام لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے حتیٰ حضور علیہ السلام کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے جن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت جابرؓ بھی شامل تھے۔ جانے والوں کو خطبہ جمعہ کی اہمیت کا علم نہیں تھا یا انہوں نے اس کو عید کے خطبے کے حکم پر محمول کیا اور اس کی فرضیت کو نہ جانا حالانکہ خطبہ جمعہ کا سننا واجب ہے۔ اس آیت کے ذریعے اللہ نے صحابہؓ کی اس لغزش پر تنبیہ فرمائی ہے۔

بعض روایات میں حضور علیہ السلام سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر سارے لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے جاتے تو سب پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہو جاتا، اور ایسی آگ بھڑک اٹھتی جس میں سب جل کر راکھ ہو جاتے۔ بہرحال اس تنبیہ کے بعد صحابہؓ نے ایسی غلطی پھر کبھی نہیں کی۔

خطبہ جمعہ اور تجارت

ارشاد ہوتا ہے وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا اور جب یہ کوئی تجارت یا کھیل تماشہ دیکھتے ہیں تو اس کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا کہ یہ تجارت کی بات ہی تو تھی کیونکہ تجارتی قافلہ غلہ لے کر

آیا تھا اور کھیل تماشا اسلیئے کہ وہاں ڈھول پیٹا جا رہا تھا یا کوئی نقارہ بج رہا تھا جو کہ لہو ولعب میں شمار ہوتا ہے۔ تو فرمایا لوگ اُدھر چلے جاتے ہیں وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا اور آپ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ جاتے ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس حصہ آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ خطبہ جمعہ سُننا ضروری ہے اور دوسری یہ کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیئے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ بنی مروان کا ایک گورنر بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا کہ حضرت کعب ابن عجرہ نے اس کا سخت نوٹس لیا اور فرمایا، اس خبیث کی طرف دیکھو جو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے۔ حالانکہ یہ خلاف سنت ہے اور یہ معذور بھی نہیں ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے متعلق اللہ کا فرمان ہے وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا یہ لوگ آپ کو کھڑے ہوئے چھوڑ جاتے ہیں، گویا خطبہ کھڑے ہو کر دینا ہی سنت ہے۔ جب نبی علیہ السلام خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو آپ پر اس قدر جوش طاری ہو جاتا تھا گویا کہ آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں

روزی مقرر ہے

فرمایا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اے پیغمبر! آپ ان خطبہ چھوڑ کر چلے جانے والوں سے کہہ دیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تجارت اور کھیل کود سے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ ظاہر ہے۔ وعظ و نصیحت سننے، ذکر و اذکار کرنے اور نماز جمعہ ادا کرنے سے اللہ کے ہاں جو اجر ملنے والا ہے۔ اس کے سامنے اس دنیا کی تجارت یا لہو ولعب کی کوئی حیثیت نہیں۔ لوگ اناج لینے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے تھے حالانکہ رزق تو ہر ایک نفس کے لیے اللہ نے خود مقرر کر رکھا ہے جو اُسے مِل کر رہے گا۔ اس کے لیے نماز کو ترک کر دینا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ دنیا کو اچھے طریقے سے طلب کرو کیونکہ ہر ایک کو اتنا حصہ ہی ملے گا جتنا اللہ کے علم میں اُس کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

امام سرخسیؒ نے "المبسوط" میں روایت بیان کی ہے کہ طلب تو ضروری ہے لیکن ایسے موقع پہ نہیں کہ آدمی خطبہ اور نماز چھوڑ کر روزی کے پیچھے بھاگ جائے۔

حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے اُطْلُبُوا الرِّزْقَ فِی خَبَایَا الْاَرْضِ زمین کے کونے کونے سے روزی تلاش کرو۔ اللہ نے رزق کے بہت سے اسباب پیدا کر رکھے ہیں لہٰذا اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ روزی اچھے طریقے سے تلاش کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْمَالِ وَلٰکِنْ غِنَی النَّفْسِ مال کی کثرت سے تونگری نہیں آتی بلکہ اصل غنا نفس کا ہے جسے حاصل ہو جائے۔ اگر انسان کا نفس ہی بھوکا ہے، تو وہ شخص غنی نہیں ہو گا۔ نیز فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُعْطِی عَبْدَہٗ مَا کُتِبَ لَہٗ اللہ تعالیٰ بندے کو وہی کچھ دیتا ہے جو اُس نے اُس کے لیے لکھ دیا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا۔ خُذُوْا مَا حَلَّ وَدَعُوْا مَا حَرَّمَ حلال چیز کو لے لو اور حرام چیز کو چھوڑ دو فرمایا اِنَّ الرِّزْقَ لَیَطْلُبُ الْعَبْدَ کَمَا یَطْلُبُہُ الْاَجَلُ بے شک روزی بندے کو اسی طرح تلاش کرتی ہے۔ جس طرح موت اُس کو تلاش کرتی ہے جو دانہ کسی کی قسمت میں لکھا ہے وہ اُسے مل کر رہے گا۔ اسی طرح جتنے بھی حیلے کر و، کہیں بھاگ جاؤ، موت ضرور آپکڑے گی۔ آسودہ حال لوگ لندن، امریکہ اور پتہ نہیں علاج کے لیے کہاں کہاں جاتے ہیں مگر انسان جہاں بھی ہو موت اس کو تلاش کر لیتی ہے اور اسی طرح روزی بھی انسان کو پہنچ جاتی ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ وَخَیْرُ الرِّزْقِ مَا یَکْفِی بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ آواز سے ہو اور بہتر روزی وہ ہے جو کفایت کر جائے۔ لوگ ذکر بالجہر بھی کرتے ہیں، مگر یہ افضل نہیں کیونکہ اس میں ریا کا شائبہ پایا جاتا ہے اور دوسروں کو تکلیف بھی ہوتی ہے۔ اب لاؤڈ سپیکر پر درود شریف پڑھنے کا عام رواج ہو گیا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو تکلیف ہو گی تو درود شریف مقبول ہو گا ورنہ نہیں۔ رزق بھی وہی بہتر ہے جس سے لازمی ضروریات پوری ہو سکیں۔ لبا اوقات زیادہ مال و دولت غلط راستے پر ڈالنے کا باعث بنتا ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا مَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی

جو تھوڑا ہو اور کفایت کر جائے وہی بہتر ہے اُس سے جو زیادہ ہو اور انسان کو غفلت میں ڈال دے۔ ایسے زیادہ رزق کا کیا فائدہ ہے جو ذکرِ الٰہی میں رکاوٹ بن جائے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اپنی ذات اور اپنے خاندان کے لیے یہ دُعا کی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا اے اللہ! خاندانِ محمد کو وہ روزی عطا فرما جس سے وقت بسر ہو جائے۔ آپ نے رزق کی کشادگی کی دُعا نہیں کی بلکہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ پروردگار! مجھے اس قدر عطا فرما کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور دوسرے دن فاقہ کروں۔ پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ تو تیرا شکر کروں گا اور بھوکا رہوں گا تو صبر کروں گا۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کو اللہ نے اختیار دیا تھا۔ کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے بطحا کے پہاڑ سونے کے بنا دیے جائیں مگر آپ نے یہی عرض کیا تھا۔ اَشْبَعُ یَوْمًا وَّاَجُوْعُ یَوْمًا یعنی ایک دن پیٹ بھر کر لے اور ایک دن بھوکا رہوں۔

روزی اور موت

روزی اور موت ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے بس میں بالکل نہیں ہیں، شاعر لوگ کہتے ہیں۔

؎ دو چیز آدمی را کشد زور زور
یکے آب و دانہ دگر خاکِ گور

دو چیزیں آدمی کو زبردستی کھینچ کر لے جاتی ہیں، ایک رزق اور دوسری قبر کی مٹی حدیث میں آتا ہے کہ جہاں انسان کی موت مقدر ہوتی ہے۔ اللہ کسی نہ کسی بہانے سے اُسے وہاں لے جاتا ہے اور وہیں اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے، حضرت عاصم ابن ابی النجود محدث کا قول ہے۔

لَا بُدَّ لِلْمُؤْمِنِ ھَمَّانِ ھَمُّ الْمَعَاشِ وَھَمُّ الْمَعَادِ

مومن کے لیے دو فکر بہت ضروری ہیں، ایک معیشت کی فکر یعنی روزی کمانے کا مسئلہ اور دوسری قیامت کی فکر۔ اسی لیے ایک روایت میں آتا ہے طَلَبُ الرِّزْقِ فَرِیْضَۃٌ مِّنْۢ بَعْدِ الْفَرَآئِضِ اللہ کے مقرر کردہ فرائض کے بعد رزق حلال

کی تلاش بھی ایک فرض ہے۔ تمام اسباب رزق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، وہ کسی نہ کسی ذریعے سے انسان کو روزی پہنچا دیتا ہے۔ جو لوگ ناجائز ذرائع سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اپنے مقدر رزق سے زیادہ حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ ناجائز ذریعہ اختیار کر کے خدا تعالیٰ کی ناراضگی ضرور مول لے لیتے ہیں۔

توکل علی اللہ

ملا معین الدینؒ صاحب تفسیر حسینی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں ایک مجذوب بزرگ حضرت بہلولؒ تھے گویا "دیوانہ بکار خود ہوشیار"، نیکی میں بہت کامیاب مگر لوگوں کی نظر میں مجذوب ہے کیونکہ اُن کی حرکتیں ہی ایسی تھیں۔ انہوں نے راستہ چلتے روٹی کھانا شروع کر دی۔ قریب سے امام ابو حنیفہؒ کا گزر ہوا تو فرمایا، بھائی کھڑے کھڑے کیوں کھا رہے ہو، کہیں بیٹھ جاتے تو اچھا تھا۔ حضرت بہلولؒ نے فوراً پوری سند کے ساتھ حدیث پڑھی اور کہا حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ مَطَلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ یعنی غنی آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اگر کسی کا حق دینا ہے تو فوراً دے دینا چاہیئے۔ چنانچہ جس وقت مجھے کھانا ملا میں نے اس کا حق ادا کرنا شروع کر دیا۔ امام صاحبؒ مسکرائے کہ اس کی نظر بہت وسیع ہے۔

ایک دفعہ حضرت بہلولؒ غسل خانے میں نہا رہے تھے کہ کسی نے پگڑی یا رومال اٹھا لیا۔ باہر نکلے تو کپڑا موجود نہیں تھا۔ وہاں سے دوڑے اور سیدھے قبرستان میں جا بیٹھے، کسی نے پوچھا، کیا بات ہے؟ کہنے لگے میرا کپڑا کوئی شخص چوری کر کے لے گیا ہے، اس کی تلاش میں ہوں۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اپنے چور کو کہیں گلی محلے میں تلاش کرتے، یہاں قبرستان میں کہاں ملے گا۔ کہنے لگے کہ میں اس لیے یہاں اس کے انتظار میں بیٹھا ہوں کہ بالآخر اُسے یہیں آنا ہے۔

ایک دفعہ خلیفہ وقت نے حضرت بہلولؒ سے کہا کہ اگر چاہو تو میں تمہارا کچھ وظیفہ مقرر کر دوں تاکہ آپ معاش کے معاملہ میں بے فکر ہو جائیں۔ آپ نے کہا کہ اس معاملہ میں تم نے تین غلطیاں کی ہیں، اگر یہ نہ ہوتیں تو میں تمہاری پیش کش قبول کر لیتا پہلی غلطی یہ ہے کہ تم نہیں جانتے کہ مجھے کس چیز کی ضرورت

ہے مگر پیش کش کر دی ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ تمھیں یہ بھی علم نہیں کہ مجھے کیسا چاہیئے اور تیسری یہ کہ مجھے کتنا چاہیئے۔ اس کو تو اللہ ہی جانتا ہے اور وہی عطا بھی کرے گا۔ نیز اس میں یہ خدشہ بھی ہے کہ اگر تم کسی وقت مجھ سے ناراض ہو گئے، تو وظیفہ بند کر دو گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو کبھی کسی کی روزی بند نہیں کرتا۔ مشرک، کافر، دہریے، آتش پرست سب اس کے وظیفہ خوار ہیں۔

کسب رزق کے افضل پیشے

طبرانی شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ مبارک ہے کہ بہترین پیشہ جہاد فی سبیل اللہ ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے میری روزی نیزے کے نیچے رکھی ہے۔ اسی لیے مالِ غنیمت، اطیب الاموال یعنی سب سے پاکیزہ مال ہے۔ فرمایا دوسرے نمبر پر افضل پیشہ تجارت کا ہے، ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قیامت کے دن سچا اور امانتدار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کی قطار میں کھڑا ہو گا۔ فرمایا تیسرے نمبر پر بہتر پیشہ زراعت ہے کیونکہ اس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے صدقہ کیے بغیر صدقے کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمان آدمی کوئی درخت یا پودا لگاتا ہے یا کوئی فصل بوتا ہے اور پھر اس میں سے جانور، پرندے، کیڑے مکوڑے وغیرہ کھاتے رہتے ہیں اور مالک اگرچہ ان کو روکتا ہے، اڑاتا ہے مگر پھر بھی وہ جس قدر کھا جاتے ہیں، اس کے بدلے میں اسے صدقے کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

گانے بجانے کی حرمت

اللہ نے تجارت اور لہو و لعب کی بات کی ہے کہ اللہ کے ہاں ملنے والا اجر ان سے کہیں بہتر ہے۔ تجارت اور پھر روزی سے متعلق بعض باتیں میں نے عرض کر دیں۔ باقی رہی دوسری چیز تو قرآن پاک کے مطابق گانا بجانا اور تمام آلات موسیقی لہو میں داخل ہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ (لقمان - ۶) اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کھیل کی باتیں خریدتے ہیں کہ ان کے ذریعے

لوگوں کو گمراہ کر سکیں۔ یہ ڈرامے، رقص و سرود کی محفلیں آلات موسیقی تھی کہ ان آلات کے ساتھ گانا بھی حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں لہو الحدیث میں شامل ہیں۔ اللہ نے نوحہ کرنے والی اور گانے والی آواز کو شیطانی آواز قرار دیا ہے۔ بخاری شریف کی صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آخری دور میں ایسے لوگ ہوں گے يُحِلُّوْنَ الْخَمْرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْمَعَازِفَ جو شراب ریشم اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے، کہیں گے کہ یہ تو روح کی غذا ہے، مولوی بھی اُن کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں بیان کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شراب ایک قطعی حرام چیز ہے، جس کا بنانا، خریدنا اور فروخت کرنا بھی حرام ہے۔ اور ریشم مردوں کے لیے حرام ہے۔ اور آلات موسیقی کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مجھے اِن کو مٹانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہ سب شیطانی کاروبار ہیں۔ سب سے پہلے رقص کرنے والا شیطان ہے۔ پھر سامری کے ساتھیوں نے بچھڑا بنا کر اُس کی پوجا کی اور اُس کے گرد رقص کیا۔ سب سے پہلے گانے والا بھی شیطان ہے۔ خواجہ علی ہجویریؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ رقص کا جواز نہ شریعت میں ہے اور نہ عقل میں غرضیکہ گانا بجانا اور رقص و سرود سب حرام ہیں۔ البتہ گانا اگر اچھا ہو تو بغیر موسیقی کے گانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر عورتیں گائیں اور مرد سنیں تو یہ تو سخت بے حیائی کی بات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اب پوری دُنیا اس قباحت میں مبتلا ہو چکی ہے اور ریڈیو اور ٹیلیویژن نے گھر گھر میں رقص و سرود کے اڈے کھول دیے ہیں۔

بہرحال ڈھول کی آواز کو اللہ نے لہو سے تعبیر کیا اور فرمایا کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔ خطبہ سنو، نماز پڑھو، ذکر کرو، رزقِ حلال تلاش کرو کیونکہ اللہ بہتر روزی رساں ہے۔ وہ تمھیں تمھاری مقدر روزی ضرور عطا کرے گا اور اگر اُس نے کسی چیز سے محروم رکھنا ہے۔ تو ساری دنیا مل کر بھی ایک دانہ تک تمھیں نہیں دے سکتی۔ حضور علیہ السلام نے

دُعا میں بھی سکھایا ہے اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ اے اللہ! جو چیز تو دینا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دینا چاہے اُسے کوئی دے نہیں سکتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقین حضور علیہ السلام جمعہ کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ کا ذکر بھی آتا ہے کہ آپ اکثر جمعہ کی نماز میں پڑھتے تھے۔ حضور علیہ السلام کے پڑوس میں ڈیڑھ سال تک اقامت پذیر ہونے والی ایک صحابیہؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تھے تو سورۃ قٓ بکثرت تلاوت فرماتے تھے۔ کہتی ہیں کہ یہ سورۃ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سُن کر یاد کر لی تھی اگرچہ نماز میں کوئی بھی سورۃ پڑھی جا سکتی ہے، تاہم بعض سورتوں کو حضور علیہ السلام کی اتباع میں پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

سورة

المنفقون

(مکمل)
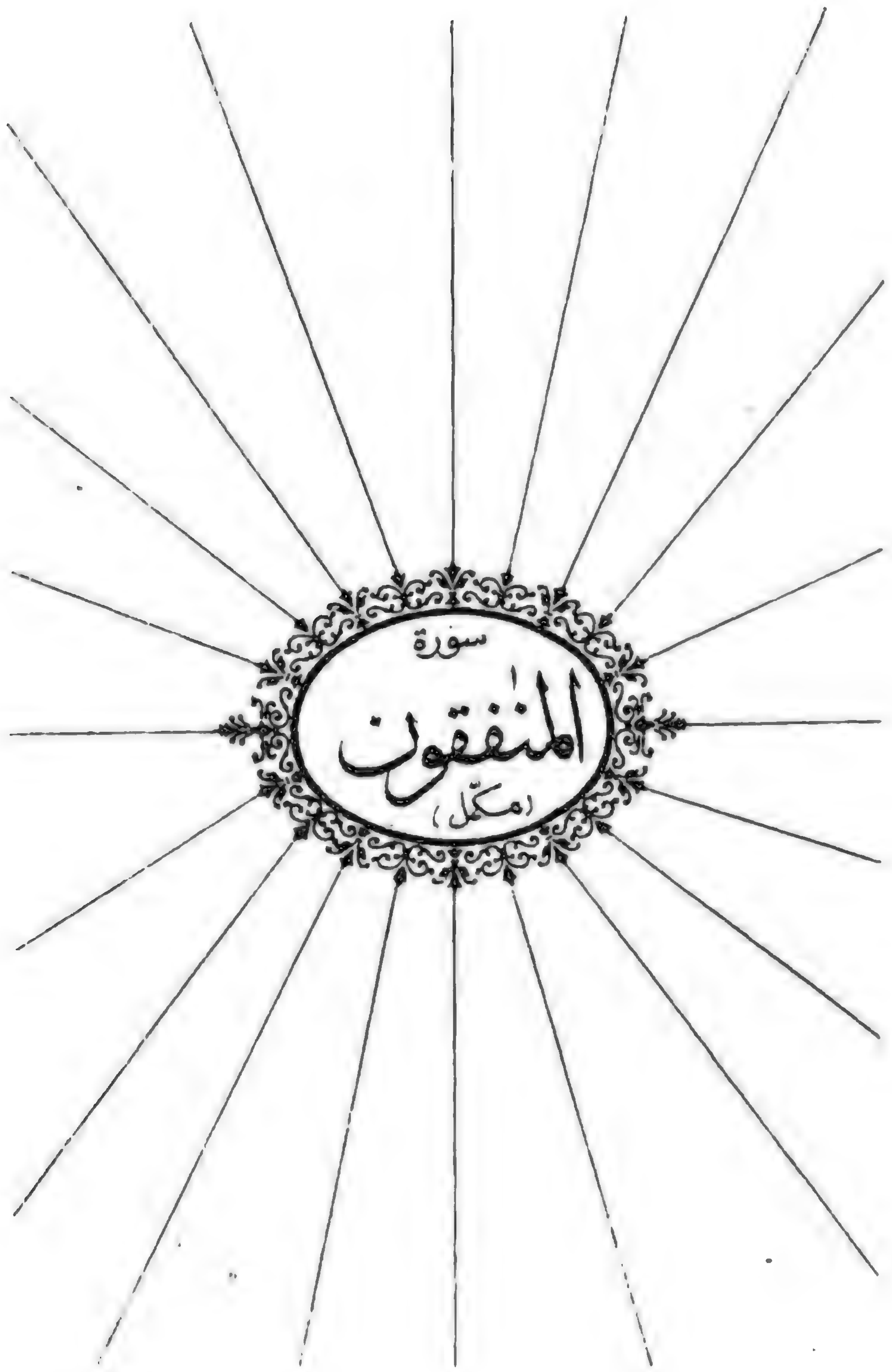
سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المنافقون مدنی ہے اور یہ گیارہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ① اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④

ترجمہ :- جب آتے ہیں آپ کے پاس منافق تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ البتہ اللہ کے رسول ہیں

اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق البتہ جھوٹے ہیں ① بنا لیا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال، پس روکا ہے انہوں نے اللہ کے راستے سے۔ پس بے شک یہ لوگ، بُرا ہے وہ کام جو کرتے ہیں ② یہ اس وجہ سے کہ وہ ایمان لائے، پھر کفر کیا انہوں نے، پس مہر کر دی گئی اُن کے دلوں پر، پس وہ نہیں سمجھتے ③ اور جب آپ دیکھیں گے ان کو تو تعجب میں ڈالیں گے آپ کو اُن کے جسم۔ اور اگر وہ بات کریں گے تو آپ اُن کی بات کو سنیں گے، گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں ٹیک لگائی ہوئیں۔ گمان کرتے ہیں وہ ہر چیخ کو اپنے برخلاف۔ یہی ہیں دشمن۔ پس ان سے بچتے رہیں۔ اللہ ان کو تباہ کرے، یہ کدھر پھیرے جا رہے ہیں ④

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ المنافقون ہے جو کہ اس کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ اس سورۃ میں اللہ نے منافقوں کی مذمت بیان کی ہے لہذا یہ سورۃ انہیں کے نام پر موسوم ہے۔ پچھلی سورۃ کی طرح یہ بھی چھوٹی سورۃ ہے، جس کی گیارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۸۰ الفاظ اور ۷۶۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس میں منافقوں کی قباحت، ان کی سازش اور بزدلی کا بیان ہے۔ اللہ نے ان منافقوں کی بداعمالیوں کی قلعی اس سورۃ میں کھولی ہے اور حضور علیہ السلام کو ان کی سازشوں سے آگاہ کیا ہے۔ اس سورۃ کے علاوہ سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ مائدہ، سورۃ توبہ، سورۃ احزاب اور بعض دیگر سورتوں میں بھی منافقوں کا حال بیان ہوا ہے۔ ان منافقوں سے مراد بالعموم اعتقادی منافق ہیں۔ کافروں میں سے ایک قسم اعتقادی منافقوں کی ہے بلکہ یہ کافروں سے بھی زیادہ خطرناک لوگ ہوتے ہیں۔ جزائے عمل کے متعلق اللہ کا فرمان ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ

الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النسآء - ۱۴۵) منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے اور خطرناک ترین گڑھے میں ہوں گے۔

بعض اصطلاحات

شریعت میں بعض اصطلاحات ہیں جو کسی شخص کے عقیدے پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً کفر کا معنیٰ انکار کرنا ہے اور کافر وہ شخص کہلاتا ہے جو خدا تعالیٰ کی توحید، رسالت، کُتب سماویہ، ملائکہ مقربین اور بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے۔ اور جو شخص مذکورہ چیزوں کا اقرار کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی ذات یا اُس کی صفات میں شریک ٹھہراتا ہے۔ وہ مشرک کہلاتا ہے۔ پھر جو اللہ کا کلام پڑھ کر اُس کا غلط مطلب اخذ کرتا ہے جیسا موجودہ زمانے کا پرویز، تو ایسا شخص ملحد کہلاتا ہے اور الحاد کفر کی بدترین قسم ہے۔ جو شخص دینِ اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کرے یا دہریہ بن جائے، اُسے مرتد کہیں گے۔ فاسق کا اطلاق دو قسم کے آدمیوں پر ہوتا ہے، جو کفر میں حد سے بڑھ جائے یا جو دل سے مانتے ہوئے اُس پر عمل نہ کرے۔

اعتقادی منافق

اسی طرح منافق بھی ایک اصطلاح ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں یعنی اعتقادی منافق اور عملی منافق۔ جن منافقین کا ذکر اِس سورۃ میں آرہا ہے یا دیگر سورتوں میں ہوا ہے وہ منافقوں کی اعتقادی قسم ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں زیادہ تر اعتقادی منافق تھے جنہوں نے دل سے تو اسلام کو قبول نہ کیا مگر اپنی اغراض اور مسلمانوں کی طرف سے کسی ممکنہ نقصان سے بچنے کے لیے ایسے لوگ زبان سے کلمہ پڑھ لیتے تھے۔ بظاہر نمازیں بھی پڑھتے تھے۔ اور بادلِ نخواستہ جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے مگر ایمان اُن کے دلوں میں نہیں اُترا تھا۔ لہٰذا وہ منافق کہلاتے تھے۔

سورۃ البقرہ کی ابتدا میں اس قسم کے منافقوں کا تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ ..... آیت - ۸ تا آیت ۲۰ کُل تیرہ آیتوں میں منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم مومن ہیں مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ مومن نہیں بلکہ دھوکے باز ہیں اور ابدی جہنمی ہیں۔

عملی منافق

یہ تو اعتقادی منافق تھے ..... دوسری قسم عملی منافقوں کی ہے۔ یہ ایمان تو رکھتے

ہیں۔ دل سے توحید، رسالت اور قیامت کی تصدیق بھی کرتے ہیں مگر عمل اس کے خلاف ہے۔ یہ قول اور فعل کا تضاد ہے۔ حدیث میں ایسے عملی منافقوں کی بعض نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً ایسا منافق جھگڑا کرے گا تو گالی گلوچ پر اُتر آئے گا۔ اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے گا، جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، وعدہ کرے گا تو خلاف کرے گا۔ اب اعتقادی منافقوں کا تو پتہ نہیں چل سکتا کیونکہ غیب کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کسی کے دل میں کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کو ایسے منافقوں کی اطلاع بذریعہ وحی کر دی جاتی تھی۔ تاہم آج عملی منافقوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔ ان کو اخلاقی منافق بھی کہا جاتا ہے۔

شانِ نزول

بخاری شریف، ترمذی شریف اور بعض دوسری کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی مصطلق کے خلاف جہاد کے سلسلے میں مدینے سے باہر سفر پر تھے۔ راستے میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی کے معاملہ میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا جس کے نتیجے میں مہاجر نے انصاری بھائی کو زخمی کر دیا۔ چنانچہ انصاری نے مدد کے لیے انصار کو پکارا تو مہاجر نے مہاجرین کو بلا لیا۔ زخمی انصاری رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے خاندان کا آدمی تھا۔ اُس نے اس واقعہ کو خوب اچھالا اور مہاجرین کے متعلق کہا کہ ہم واپس مدینہ پہنچ کر ان ذلیل لوگوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ یہ باتیں ایک کم سن صحابی زید بن ارقمؓ نے سن لیں اور اپنے چچا کے سامنے بیان کر دیں۔ چچا نے یہ باتیں حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیں۔ آپ نے عبداللہ بن ابی کو طلب کر کے اس واقعہ کی تصدیق چاہی مگر وہ صاف مکر گیا کہ میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔ حضور علیہ السلام نے اُس کی قسموں پر اعتبار کرتے ہوئے حضرت زید بن ارقمؓ کو سخت سُست کہا کیونکہ وہ اپنی بات ثابت نہیں کر سکے تھے۔ اُن کے چچا نے بھی ملامت کی کہ تم نے ایسی بات کر کے ہمیں شرمسار کیا ہے۔

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے مذکورہ باتیں اپنے کانوں سے سُنی تھیں مگر ثابت نہ کر سکنے پر سخت پریشان ہوا۔ بیان کرتے ہیں کہ دورانِ سفر رات کے وقت

حضور علیہ السلام میرے پاس سے گزرے تو میرا کان مروڑا اور مسکرائے، اور پھر آگے چل دیے۔ پیچھے سے حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام نے تجھ سے کیا بات کی ہے۔ میں نے کہا بات تو کچھ نہیں ہوئی۔ البتہ میرا کان مروڑا ہے اور مسکرا کر آگے نکل گئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ زیدؓ! تمہیں خوشخبری ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمرؓ کا بھی گزر ہوا تو انہوں نے بھی مجھ سے وہی سوال کیا جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا تھا اور میں نے اُن کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ کو دیا تھا۔ پھر انہوں نے بھی مجھے بشارت دی اس کے بعد صبح کے وقت حضور علیہ السلام نے اپنے پاس بلا کر فرمایا، زیدؓ! اللہ نے تمہاری تصدیق کے لیے قرآن میں سورۃ نازل فرمائی ہے پھر آپ نے یہ سورۃ مجھے پڑھ کر سنائی۔

حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ جس وقت حضور علیہ السلام نے میرے کان کو ہاتھ لگایا تھا اور مسکرائے تھے تو اس وقت مجھے اس قدر راحت حاصل ہوئی کہ اُس کے مقابلے میں ساری دُنیا بھی ہیچ ہے۔ بہرحال اللہ نے اس سورۃ کے ذریعے منافقوں کی برائیوں کو ظاہر کر دیا تاکہ سچے مسلمان اِن سے بچ سکیں۔

منافقوں کی کذب بیانی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ اے پیغمبر! جب یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک البتہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ نے فرمایا، یہ جملہ معترضہ ہے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ اور اللہ جانتا ہے کہ بیشک آپ البتہ اللہ کے رسول ہیں۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین البتہ جھوٹے ہیں۔ وہ نہ تو اللہ کی وحدانیت کو مانتے ہیں اور نہ آپ کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، صرف زبان سے کہہ رہے ہیں، اُن کے دلوں میں تو کفر ہی بھرا ہوا ہے۔ یہ اعتقادی منافق ہیں۔ جن کے نفاق کی اللہ تعالیٰ شہادت دے رہا ہے۔ اِن کے دل اور زبانیں متضاد ہیں۔ انہیں محض مالِ غنیمت یا دیگر مفادات سے غرض ہے، اس لیے یہ ظاہر

ہیں کلمہ پڑھتے ، مگر نہ دل سے کافر ہی ہیں۔

منافقوں کی اسلام دشمنی

ارشادِ خداوندی ہے اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّةً اِن لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ قسمیں اٹھا کر اہلِ ایمان کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم پکے سچے مسلمان ہیں۔ گویا اِن قسموں سے وہ مسلمانوں کی طرف سے کسی ممکنہ کارروائی کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور عام طور پر اہلِ ایمان مان لیتے ہیں کہ یہ واقعی سچے مومن ہیں۔ ایک تو اُن کے دِلوں میں ایمان نہیں ہے اور دوسری بات یہ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کے راستے کی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اسلام کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈا کر کے نئے مسلمان ہونے والوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سورۃ توبہ کے آٹھویں رکوع میں اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ منافق ایسی سورۃ کے نزول سے خوف کھاتے ہیں جو انکے ڈھول کے پول کھول دے۔ اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ اِن سے کہہ دیں کہ اب تو ٹھٹھا کر لو، مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو ظاہر کرنے والا ہے۔ فرمایا جب اِن سے پوچھا جائے کہ تم ایسی قبیح حرکات کیوں کرتے ہو تو کہتے ہیں اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ (التوبۃ: ۶۵) کہ ہم تو بات چیت اور دل لگی کرتے ہیں۔ فرمایا اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ بہت ہی بُرا کام ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا اُن کی یہ کارگزاری اس وجہ سے ہے کہ پہلے انہوں نے ایمان کا اظہار کیا، اور پھر کفر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِھِمْ کہ اللہ نے اُن کے دلوں پر مہریں لگا دیں۔ لہٰذا اب اِن کے دلوں میں ایمان، نیکی اور حق سرایت نہیں کر سکتا۔ اُن کے دِل ہر اچھے عقیدہ اور اچھے عمل سے بند ہو چکے ہیں۔ اِن میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی۔ فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ پس یہ سمجھتے ہی نہیں۔

فرمایا وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُھُمْ جب آپ ان کی طرف دیکھیں گے تو اِن کے جسم آپ کو بڑے بھلے معلوم ہوں گے۔ ان کی ظاہری ڈیل ڈول

اور وضع قطع بالکل ٹھیک ٹھاک اور متاثر کن ہے۔ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ
اور ان کی بات چیت بھی ایسی ہے کہ آپ کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ اور
آپ ان کی بات سنتے ہیں، مگر حقیقت میں یہ لوگ وہ کچھ نہیں جو ظاہر میں نظر آتے
ہیں۔ فرمایا ان کی مثال ایسی ہے۔ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ گویا وہ ایک
لکڑی ہیں جسے دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا گیا ہو، وہ لوگ عقیدے اور ایمان کے
لحاظ سے باطن سے اس قدر کھوکھلے ہیں کہ بغیر سہارے کے کھڑا بھی نہیں ہو سکتے،
حالانکہ یہ اوپر سے بالکل ٹھیک ٹھاک معلوم ہوتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے لکھا ہے كَانُوْا رِجَالًا اَجْمَلَ شَيْءٍ یہ لوگ شکل وصورت
کے لحاظ سے خوبصورت تھے، مگر اندر سے بالکل فراڈیے۔ اس قسم کے لوگ آج
بھی دنیا میں باآسانی مل جاتے ہیں، جو خوش وضع، خوش لباس اور خوش گفتار ہوں گے
مگر اندر سے نرے دھوکہ باز جو لوگوں کو اپنی بارعب شخصیت سے مرعوب کر لیتے
ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ منافقوں کا بھی یہی حال ہے کہ ان کے ظاہر اور باطن میں کوئی
مطابقت نہیں پائی جاتی۔

فرمایا منافق لوگ اندر سے کھوکھلے ہیں اور اس قدر بزدل ہیں کہ يَحْسَبُوْنَ
كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ وہ ہر چیز کو اپنے خلاف ہی گمان کرتے ہیں۔ پہلے
بیان کیا جا چکا ہے کہ منافقوں کو ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کوئی سورۃ
نازل کر کے ان کا کچا چٹھا نہ کھول دے۔ مسلمانوں کو تو وہ بظاہر دھوکہ دیتے
رہتے تھے مگر جب ان کی ریشہ دوانیاں بڑھ جاتیں تو اللہ تعالیٰ قرآن میں آیات نازل
فرما کر ان کی سازشوں سے آگاہ کر دیتا۔ اور اس طرح ان کی سکیم ناکام ہو جاتی۔ شاعر لوگ
بھی تلقین کرتے ہیں کہ ظاہری شکل وصورت دیکھ کر دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔

لَا يَخْدَعَنْكَ اللُّحٰى وَلَا الصُّوَرُ
تِسْعَةُ اَعْشَارِ مَنْ تَرٰى بَقَرٌ

یہ داڑھیاں اور ظاہری شکل وصورتیں تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دیں کیونکہ انسان کے

ہر وقت کھٹکا

دس میں سے نو حصے گائے بیل کی طرح ہیں یعنی وہ انسانیت سے عاری ہیں۔
اور منافقوں کی بزدلی کا حال یہ ہے۔

مَازِلْتَ تَحْسَبُ كُلَّ شَيْءٍ بَعْدَهُمْ
خَيْلًا تَكُرُّ عَلَيْهِمْ وَرِجَالًا

جب شکست بدحالی اور زوال آجائے، تو پھر آدمی ہر چیز کو یہی خیال کرتا ہے کہ میرے خلاف گھوڑوں اور آدمیوں کا لشکر آرہا ہے۔ مطلب یہ کہ ذرہ سی آہٹ پائی تو سمجھے کہ اب ہماری تباہی و بربادی آئی۔ متنبی شاعر نے بھی ایسے لوگوں کی بزدلی کے متعلق کہا ہے

ضَاقَتِ الْأَرْضُ حَتّٰى صَارَ هَارِبُهُمْ
إِذَا رَأَىٰ غَيْرَ شَيْءٍ ظَنَّهُ رَجُلًا

ایسے لوگوں پہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ اگر خیالی صورت بھی ذہن میں آجائے تو بھاگنے والا یہی خیال کرتا ہے کہ اس کے پیچھے آدمی لگے ہوئے ہیں۔

منافقوں سے بچنے کی ضرورت

فرمایا اِن منافقوں کا بھی یہی حال ہے۔ هُمُ الْعَدُوُّ یہ مسلمانوں کے پکے دشمن ہیں فَاحْذَرْهُمْ لہٰذا اِن سے بچتے رہو۔ مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کی کچھ علامات بیان کی ہیں، جن کے ذریعے ان کو پہچانا جا سکتا ہے۔ فرمایا ملاقات کے وقت اُن کی زبان پر برائی ہی ہوتی ہے، اُن کا کھانا لوٹ مار کا ہوتا ہے یعنی حلال نہیں ہوتا۔ وہ غنیمت کے مال میں خیانت کرتے ہیں، نماز کے لیے مساجد کی طرف نہیں آتے بلکہ نماز ہو چکنے کے بعد محض نمازیوں میں نام لکھوانے کے لیے آتے ہیں۔ جماعت کا خیال نہیں کرتے، نماز کی فکر نہیں ہوتی، مغرور ہوتے ہیں۔ بھائی بندوں سے الفت نہیں ہوتی۔ رات کو خشک لکڑی کی طرح سوئے رہتے ہیں اور دن کے وقت شور و شر کرتے ہیں۔

فرمایا منافق اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اللہ ان کو غارت کرے أَنّٰى يُؤْفَكُونَ یہ کدھر پھیرے جا رہے ہیں، نہ سوچتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں اور نہ ان کی کوئی بات ٹھیک ہوتی ہے۔ ہر وقت دھوکہ فریب، خود غرضی اور جھوٹی قسمیں ان کا معمول ہے

اِن میں حق کو سمجھنے کی ذرا بھی تمیز نہیں۔ انہیں سابقہ اعمال سے توبہ کر کے حق کو قبول کر لینا چاہیئے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝٥ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ۝٦ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ۝٧ يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝٨

ع ۸ ۱۴

ترجمہ:- اور جب، کہا جاتا ان (منافقین) کے لیے کہ آؤ بخشش طلب کریں تمہارے لیے اللہ کے رسول تو وہ موڑتے ہیں اپنے سروں کو، اور آپ دیکھیں گے ان کو کہ وہ رکتے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں ⑤ برابر ہے اُن کے لیے اُن پر کہ آپ اُن کے لیے بخشش طلب کریں یا نہ طلب کریں، اللہ تعالیٰ اُن کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا نافرمان لوگوں کو ⑥

یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ مت خرچ کرو اُن پہ جو اللہ کے رسول کے پاس ہیں یہاں تک کہ وہ وہاں سے متفرق ہو جائیں اور اللہ ہی کے لیے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے، لیکن منافق لوگ سمجھ نہیں رکھتے ⑦ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹیں گے مدینے کی طرف تو ضرور نکالے گا عزت والا اُس میں سے ذلّت والوں کو، حالانکہ اللہ کے لیے عزت ہے اور اس کے رسول کے لیے، اور مومنوں کے لیے، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے ⑧

ربط آیات

اللہ نے منافقین کے فریب اور جھوٹ کی قلعی کھولی ہے اور ان کی بزدلی کا حال ذکر کیا ہے اور یہ کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھا کر بات کرتے ہیں اور پھر جھوٹی قسم اٹھا کر انکار کر دیتے ہیں۔ بظاہر کہتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں اور اللہ کے رسول کو رسول جانتے ہیں، مگر یہ بات اُن کے دل میں نہیں ہوتی۔ اظہار ایمان کے بعد دل میں کفر کرنے کی وجہ سے اللہ نے اُن کے دلوں پر ٹھپے لگا دیے ہیں۔ انہیں سمجھ ہی نہیں ہے۔ یہ لوگ ظاہری ڈیل ڈول اور شکل وصورت کے اعتبار سے بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن اندر سے اس طرح کھوکھلے ہیں جیسے کسی دیمک خوردہ لکڑی کو دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہو۔ یہ لوگ پرلے درجے کے بزدل بھی ہیں۔ جونہی کوئی چیخ آتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ وہ اس سے تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے منافقوں سے بچنے کی تعلیم دی ہے

معافی کی درخواست سے اعراض

آج کے درس میں اللہ نے منافقوں کی بعض دوسری برائیوں کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کا رسول تمہارے لیے اللہ سے بخشش طلب کرے لَوَّوْا رُءُوْسَھُمْ یہ لوگ اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں۔ وَرَاَیْتَھُمْ یَصُدُّوْنَ اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ رُکتے ہیں وَھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ اور وہ غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ منافقین کے فائدے کی بات کی جاتی ہے کہ تمہاری شرارتیں، کذب بیانی،

خیانت وغیرہ کا پردہ فاش ہو چکا ہے۔ اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے دُعا کراؤ کہ اللہ تعالیٰ تمھاری اِن غلطیوں کو معاف کرے تو وہ اکڑ دکھاتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے پاس حاضر نہیں ہوتے اور بعض بدبخت تو صاف طور پر کہہ دیتے ہیں، کہ ہمیں دعا کرانے اور خدا تعالیٰ سے معافی طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

سورۃ نساءؔ میں اس بات کو اللہ نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے، پھر اگر تمھارے پاس آجاتے اور خدا تعالیٰ سے بخشش مانگتے اور اللہ کا رسول بھی اُن کے لیے بخشش طلب کرتا لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (آیت۔ ۶۴) تو وہ خدا تعالیٰ کو معاف کرنے والا اور مہربان پاتے۔ مگر یہ لوگ اس قدر مغرور تھے کہ کہنے کے باوجود نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے معافی طلب کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔

نبی کی دُعا

حقیقت یہ ہے کہ نبی کی دُعا بہت بڑی چیز ہے۔ آپ کے صحابہؓ بڑے خوش قسمت لوگ تھے جن کے لیے اللہ کے نبی نے بخشش کی دُعائیں کیں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک رات میں اُن کیلئے پچیس مرتبہ دُعا مانگی۔ اسی طرح باقی صحابہؓ بھی حضور علیہ السلام کی دُعا کو اپنے لیے کامیابی کا زینہ سمجھتے تھے۔ اللہ نے سورۃ نور میں فرمایا۔ لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (آیت۔ ۶۳) لوگو! نبی کی دعا کو اپنی دُعاؤں کی طرح نہ سمجھو۔ نبی کی دُعا اللہ کے ہاں زیادہ مقبول ہے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ منافقوں کی ایک قبیح حرکت یہ بھی ہے کہ جب انہیں اللہ کے نبی کے پاس مغفرت کی دُعا کے لیے بلایا جاتا ہے، تو وہ اعراض کرتے ہیں۔

منافقین کے لیے عدم معافی کا اعلان

پھر اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اُن کے لیے برابر ہے، آپ اُن کے لیے بخشش کی دُعا کریں یا نہ کریں لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اللہ نے اپنے نبی پر بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ ایسے بدبخت لوگ ہیں کہ اگر وہ لوگ آپ

کے پاس آ بھی جائیں اور آپ اُن کے لیے دُعا بھی کریں، مگر اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کریگا کیونکہ اس کا قانون یہ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ بیشک اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھاتا۔ یہ لوگ ضدی، عنادی اور دل کے کھوٹے ہیں، وہ اس حالت سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہتے، اس واسطے اُن کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔

خرچ کرنے سے اعراض

حضور علیہ السلام اکثر نادار مہاجرین کی مالی اعانت کی تلقین فرمایا کرتے تھے ایک سفر کے دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ منافقین نے آپس میں مشورہ کیا ہم خواہمخواہ مہاجرین کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں، ذرا ان سے ہاتھ روک کر رکھو، یہ ہمارے گلے پڑ گئے ہیں۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ھُمُ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنۡفَضُّوۡا یہ وہی منافق ہیں جو کہتے ہیں کہ مت خرچ کرو ان لوگوں پر جو اللہ کے رسول کے پاس بیٹھے ہیں حتّٰی کہ یہ متفرق ہو جائیں یعنی اِدھر اُدھر چلے جائیں۔ اللہ نے اُن کی اس بات پر بھی مذمت فرمائی اور انہیں باور کرایا کہ جو مال تمہارے پاس ہے اور جس کو تم خرچ کرنے سے اعراض کرتے ہو، یہ تمہارا نہیں بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ وہ جس کو چاہے عطا کر دے اور جس سے چاہے چھین لے، اس کی حکمت میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ فرمایا حقیقت یہ ہے وَلِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے تو اللہ کے پاس ہیں۔ اگر تم مستحقین پر خرچ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ کسی اور کو دے دیگا جو اس کے حکم کے مطابق خرچ بھی کریں گے۔ فرمایا وَلٰکِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَفۡقَھُوۡنَ مگر منافق اس حقیقت کو نہیں سمجھتے ورنہ وہ خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لیتے۔ اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کے لیے وافر روزی کا بندوبست کر دے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اہل ایمان کو بڑی تکالیف آئیں۔ انہوں نے اغیار کے طعنے سنے، جسمانی تکالیف برداشت کیں، فاقے کاٹے مگر پھر وہ وقت بھی آیا کہ بیشمار مال و دولت، حکومت اور اقتدار اللہ نے دیا حتّٰی کہ ایک وقت ایسا

بھی آیا جب زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ تو فرمایا، کیا منافقوں کو پتہ نہیں کہ خزانوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ کیسی ناسمجھی کی بات کر رہے ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ نے منافقوں کے غرور و تکبر کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ جب ہم مدینے کی طرف واپس لوٹیں گے لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ تو ہم میں سے عزت والے ان ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔ منافق مدینے کے پرانے باشندے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو باعزت قرار دیا اور مہاجرین کے لیے ذلیل کا لفظ استعمال کیا۔ کہنے لگے انہوں نے ہماری معیشت بھی خراب کر دی ہے، ہم اِن کو مدینے میں نہیں رہنے دیں گے۔

منافقین کا غرور

یہ واقعہ ۵ھ کے قریب پیش آیا۔ حضور علیہ السلام غزوہ بنی مصطلق سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں ایک مہاجر اور ایک انصاری میں جھگڑا ہو گیا۔ مہاجر نے انصاری کے سر پر کوئی چیز دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ انصاری نے زور سے نعرہ بلند کیا یَا لَلْأَنْصَارُ اے انصاری لوگو! میری مدد کو پہنچو، اس مہاجر نے مجھے زخمی کر دیا ہے ادھر مہاجر نے بھی یَا لَلْمُهَاجِرِينَ کا نعرہ لگا دیا کہ میری مدد کرو اور مجھے انصاروں سے بچاؤ۔ جب حضور علیہ السلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو فرمایا مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جاہلیت کے نعرے بلند کر رہے ہیں۔ ایسا تو جاہلیت کے زمانے میں مشرک لوگ کیا کرتے تھے، جب وہ اپنے قبیلے یا برادری کو مدد کے لیے پکارتے تھے تو آنے والے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ کیا معاملہ ہوا ہے، بس وہ اپنے حمایتی کی مدد کے لیے میدان میں کود جاتے تھے۔ یہی جاہلانہ تعصب تھا کہ بلاتحقیق کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف فیصلہ کر لیا جاتا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا ان کو ترک کر دو اِنَّهَا مُنْتِنَةٌ یہ تو بدبودار نعرے ہیں اسی سفر میں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بھی شریک تھا۔ جب اس کو پتہ چلا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو زخمی کر دیا ہے تو وہ بولا کہ مدینہ پہنچ کر ہم باعزت لوگ اِن ذلیل

مہاجروں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ یہ بات کسی صحابیؓ نے سن لی اور اس کا ذکر حضور علیہ السلام کے سامنے ہوا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا، حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن اُتار دوں۔ آپ نے فرمایا دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهٗ اس کو چھوڑ دو، لوگ پراپیگنڈا کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو ہی قتل کر رہے ہیں اور یہی چیز اسلام کے راستے میں رکاوٹ کا سبب بن سکتی ہے۔

حضرت عبداللہؓ کی حق پرستی

حضرت عبداللہؓ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا بیٹا اور مخلص مسلمان تھا۔ اس کا اصلی نام حباب تھا جس کا معنی شیطان ہوتا ہے۔ تاہم جب وہ اسلام میں داخل ہوا، تو حضور علیہ السلام نے اُس کا نام عبداللہؓ رکھ دیا۔ اُس نے عرض کیا، حضور! اگر آپ اجازت دیں تو میں خود اپنے باپ کا سر اُتار کر پیش کر دوں جس نے ایسے غلط کلمات کہے ہیں۔ آپ نے اُس کو بھی منع کر دیا کہ ایسا نہ کرنا، جب تک یہ بدبخت ہمارے ساتھ رہے ہم اس سے اچھا سلوک ہی کریں گے، پھر جب یہ سب لوگ واپسی پر مدینہ شہر کے قریب پہنچے تو بیٹا تلوار سونت کر باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ وَاللّٰهِ لَا تَنْقَلِبُ حَتّٰى تُقِرَّ اِنَّكَ ذَلِيْلٌ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ عَزِيْزٌ اللہ کی قسم میں تجھے اُس وقت تک شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ جب تک تو اقرار نہ کرے کہ تو ذلیل ہے اور اللہ کے رسول باعزت ہیں۔ جب باپ نے دیکھا کہ بیٹا اس معاملہ میں سنجیدہ ہے تو اُسے یہ اقرار کر کے جان چھڑانا پڑی۔

عصبیت کے نعرے

عصبیت کے جو نعرے اس واقعہ میں بلند ہوئے اور جو اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بکثرت بلند ہوتے تھے، وہ کسی نہ کسی شکل میں آج بھی دنیا میں بلند ہو رہے ہیں۔ اس زمانے میں بھی وطن، زبان، قومیت، رنگ اور نسل کے نعرے لگائے جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر برتری جتائی جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ سب گندے اور بدبودار نعرے ہیں۔ اگر خود مسلمان جو ایک خدا ایک رسول، ایک قرآن اور ایک کلمہ کو پڑھنے والے ہیں، ایسے نعرے لگانا شروع

کر دیں تو اس کا نتیجہ تباہی کے سوا کیا نکل سکتا ہے۔ دیکھ لیں بنگالی اور غیر بنگالی کے نعرے نے کیا گل کھلائے، آدھا ملک ہی جدا ہو گیا۔ اب باقی ماندہ ملک پاکستان میں بھی بلوچی، سندھی، پشتون اور پنجابی کے نعرے لگنے لگے تو اس ملک کا کیا بنے گا۔ مصر، شام اور یمن میں مختلف قومیتوں کے نعرے بلند ہوئے، نتیجہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح صوبائیت کے نعرے بھی تباہ کن ہو سکتے ہیں، اہلِ پاکستان کو فرقہ واریت سے بچنا ہو گا۔ ورنہ ہر صورت میں نقصان ملتِ اسلامیہ ہی کا ہو گا۔ عصبیت کے یہ نعرے نفاق کی علامت ہیں اور بھائی کو بھائی سے جدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس وقت دنیا میں کالے اور گورے کی تفریق پائی جاتی ہے۔ امریکہ اور جنوبی افریقہ میں گوروں اور کالوں کے ہوٹل، سکول اور ہسپتال الگ الگ ہیں۔ کسی گورے کے ہوٹل میں کوئی کالی نسل کا آدمی داخل نہیں ہو سکتا۔ اسمبلی میں گورے اور کالے یکجا نہیں بیٹھ سکتے۔ حتیٰ کہ گوروں کے سکولوں اور کالجوں میں کسی کالے کو داخلہ نہیں مل سکتا۔ یہ سب جاہلانہ عصبیت ہے جو آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی موجود ہے۔

برصغیر میں ہندو کی ذہنیت بھی ایسی ہی ہے۔ وہاں بھی ذات پات کی تفریق موجود ہے۔ کوئی ادنیٰ ذات کا ہندو اعلیٰ ذات کے ہندو کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا۔ انہیں شودر یعنی حقیر اور ذلیل کا نام دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی چھوٹی ذاتوں کے ہوٹل، بڑی ذات والوں سے الگ ہیں، بلکہ اُن کے برتن بھی الگ الگ ہیں۔ غیر اقوام مسلمانوں کو بھی اسی رنگ میں رنگنا چاہتی ہیں اور ان میں بھی باہمی تفرقہ پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ جس کی اللہ کے نبی نے سخت مذمت بیان کی ہے اور اسے جاہلیت کی عصبیت قرار دیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات۔ ۱۰) مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں مگر آج بھائی کو بھائی سے لڑایا جا رہا ہے اور اس طرح مسلمانوں کو اجتماعی لحاظ سے کمزور کیا جا رہا ہے۔

عزت کا معیار

باقی رہا عزت کا حقیقی معیار، تو اللہ نے بیان فرمایا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ اصل میں عزت تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور عام

مومنوں کے لیے ہے۔ اصل عزت تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جو کمالِ قدرت اور کمالِ قوت کا مالک ہے، اور پھر اس کے رسول کی جو اس کا نائب ہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو نافذ کرنے والا ہے۔ اُس کے بعد ایمانداروں کا نمبر ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے نبی کی نبوت پہ ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کے پروگرام کو دل وجان سے آگے بڑھاتے ہیں۔ مال و دولت عزت کا معیار نہیں ہے کیونکہ یہ تو مومن اور کافر سب کے پاس ہو سکتی ہے۔ عزت کا معیار تو دین، ایمان، اخلاق اور کردار ہے۔ جس میں یہ چیزیں پائی جائیں وہی عزت کا مالک ہے۔ اور جو شخص برے اخلاق، بُرے اعمال انجام دیتا ہے اور بُرا عقیدہ رکھتا ہے، وہ کبھی باعزت نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ذلیل ہی ہوگا اگرچہ سونے میں کھیلتا ہو۔ بزرگانِ دین کا مقولہ بھی ہے۔ مَنْ یَعْصِ اللّٰہَ فَھُوَ السِّفْلَۃُ جو شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ وہ ذلیل اور کمینہ ہے۔ اس کے برخلاف اگر معمولی خاندان کا نادار آدمی بھی ایمان والا ہے تو وہ عزت کا مالک ہے کیونکہ عزت تو خدا، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔

امام زمخشریؒ نے اپنی تفسیر میں ایک نیک عورت کا واقعہ بیان کیا ہے، جس کی ظاہری حالت بالکل معمولی تھی۔ کسی نے اُس کو طعنہ دیا کہ تم حقیر ہو، تو اس نے جواب میں کہا اَلَسْتُ عَلَی الْاِسْلَامِ کیا میں اسلام پر نہیں ہوں؟ اور اگر میں مسلمان ہوں تو پھر سُن لو ھُوَ الْعِزَّۃُ الَّذِیْ لَا ذُلَّ مَعَہٗ کہ اسلام سے وابستگی وہ عزت ہے جس کے ساتھ کبھی ذلّت نہیں ہوگی۔ یہ وہ غنا ہے جس کے ساتھ فقر نہیں۔ کہنے لگی عزت مال و دولت اور اچھے لباس اور اچھی سواری سے نہیں بلکہ اسلام سے ہے۔

کسی شخص نے حضرت حسنؓ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ میں کچھ اکڑ پائی جاتی ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ اکڑ نہیں بلکہ عزت ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت کی وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا ہم غرور و تکبر نہیں کرتے بلکہ عزتِ نفس کو برقرار رکھتے ہیں۔

فرمایا یاد رکھو! عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔
وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر منافق اس بات کی سمجھ ہی نہیں رکھتے۔
وہ تو مال و زر کو عزت کا باعث سمجھتے ہیں، قومیت، وطن اور جتھے پر نازاں ہیں
حالانکہ عزت اِن چیزوں سے نہیں ہے۔ کسی دولت مند یا صاحب اقتدار کی عزت
کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ یہ چیزیں تو آنی جانی ہیں، لہذا عزت کا معیار نہیں بن سکتیں۔
عزت کا معیار وہی ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ ۹ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ ۱۰ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ ۱۱

ع ۲ / ۱۴

ترجمہ :- اے ایمان والو ! نہ غفلت میں ڈالیں تم کو تمہارے مال اور نہ تمہاری اولادیں اللہ کی یاد سے ۔ اور جو شخص ایسا کریگا ، پس یہی ہیں نقصان اٹھانے والے ۹ اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں روزی دی ہے اس سے پہلے کہ آئے تم میں کسی کے پاس موت ، پس کہے گا وہ کہ اے میرے پروردگار ! کیوں نہیں تو نے مجھے مہلت دی تھوڑی سی مدت تک تاکہ میں صدقہ کرتا اور ہو جاتا میں نیکوں میں سے ۱۰ اور اللہ تعالیٰ ہرگز مؤخر نہیں کرے گا کسی جان سے اس کی موت جب کہ اس کا وعدہ آگیا ۔ اور اللہ تعالیٰ خبر رکھتا ہے اُن کاموں کی جو کچھ تم کرتے ہو ۱۱

ربط آیات

پہلے رکوع میں اللہ نے منافقین کی مذمت بیان فرمائی اور اب

ایمان والوں کو غفلت سے بچنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ پہلے منافقوں کی سازشں، ریشہ دوانی، بخل اور برائی اور بداخلاقی کے دیگر امور کا ذکر ہوا۔ اللہ نے اُن کے فاسد خیالات اور اعتقادات کی نفی فرمائی۔ اہلِ ایمان کو خبردار کیا کہ وہ منافقوں کی باتوں میں نہ آئیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مکی زندگی میں تو نفاق پیدا نہیں ہوا، وہاں تو مومن تھے یا کافر، البتہ مدنی دور میں آکر اعتقادی منافق پیدا ہو گئے جو زبان سے تو کلمۂ توحید پڑھتے تھے اور بعض دیگر نیکی کے کام بھی کرتے تھے مگر اُن کے دلوں میں کفر ہی بھرا ہوا تھا۔ منافقوں کی یہ قسم کافروں کی بدترین قسم ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

منافقین کی بعض دیگر اقسام

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اعتقادی اور عملی منافقوں کے علاوہ ان کی بعض دیگر اقسام کا ذکر بھی کیا ہے، مثلاً منافقوں کی ایک قسم ان لوگوں کی ہے، جو اسلام میں داخل ہوتے وقت کمزوری دکھاتے ہیں اور پوری دلجمعی کے ساتھ اسلام قبول نہیں کرتے۔ یہ لوگ اپنے قومی اور خاندانی طور طریقے کو ہی جاری رکھتے ہیں، اور بظاہر اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ منافقوں کی ایک قسم وہ ہے جن کے دلوں میں دنیاوی لذات کا غلبہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے محروم ہوتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ منافقوں کی ایک قسم وہ ہے جو مال کی حرص، حسد اور کینہ وغیرہ جیسی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں جن کی موجودگی میں وہ خدا تعالیٰ کے سامنے مناجات کرنے میں لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔

کچھ لوگ امورِ معاش میں اس قدر انہماک رکھتے ہیں کہ امورِ معاد کی فکر ہی نہیں ہوتی یہ بھی نفاق ہی کی ایک قسم ہے۔ بعض لوگوں کے دلوں میں اللہ کے نبی کی نبوت و رسالت کے متعلق شکوک و شبہات ہوتے ہیں کیونکہ وہ درحقیقت نبی پر نازل ہونے والے شرعی احکام کے ساتھ موافقت پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ بھی منافقوں ہی کی ایک قسم ہے۔ منافقوں کی ایک قسم اُن لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے، جو اپنی قوم قبیلے اور خاندان کی مدد کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ مدد اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے لوگ

اسلام کے معاملے میں سستی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ ہر زمانے میں ہوتے رہے ہیں اور آج بھی دُنیا ایسے منافقوں سے پُر ہے۔ اِن سب اقسام کے منافقوں کی نشانہی حدیث میں کر دی گئی ہے۔

مال و اولاد ذریعہ غفلت

گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ منافق نادار مہاجرین پر خرچ کرنے سے اعراض کرتے تھے کیونکہ وہ مال کی محبت میں مبتلا تھے۔ اللہ نے آج کی آیات میں ایسے منافقوں کی مذمت بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو! لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں تمہیں اللہ کے ذکر سے غفلت میں نہ ڈال دیں۔ جب لوگ اِن دو چیزوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر اِن میں زیادہ منہمک ہو جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی یاد میں تمام فرائض اور واجبات آتے ہیں۔ جن کی ادائیگی ہر اہلِ ایمان پر لازمی ہے۔ مگر لوگ مال و اولاد کی خاطر اِن کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ فرمایا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ اور جو کوئی ایسا کرے گا یعنی فرائض و واجبات کو ترک کرے گا۔ فرمایا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ پس یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ دُنیا کے تمام لوازمات فانی ہیں جب کہ اللہ کی یاد اور اس کی عبادت کا نتیجہ دائمی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص دائمی چیز کو چھوڑ کر فانی چیز کے پیچھے لگے گا، وہ نقصان ہی اٹھائے گا۔ سورۃ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص میری یاد سے غفلت اختیار کرے گا ہم اس کی معیشت کو تنگ کر دیں گے۔ یعنی مال و دولت کی فراوانی کے باوجود اُس کو اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب سکون ہی حاصل نہ ہو تو زندگی کا گذران تنگ ہو جاتا ہے فرمایا ایسے شخص کو قیامت والے دن ہم اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ عرض کرے گا، پروردگار! مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا گیا ہے، حالانکہ دنیا میں تو میں بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ایسا ہی ہے أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ (طٰہٰ - ۱۲۶) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں مگر تو نے اُن کو بھلا دیا یعنی

آیا کہ بیشمار مال و دولت، حکومت اور اقتدار اللہ نے دیا تھی کہ ایک وقت ایسا

کی طرف دیکھا بھی نہیں، لہٰذا آج تیرے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوگا، تم بھلا دیئے جاؤ گے اور تمھاری کوئی فریاد رسی نہیں ہوگی۔ اس طرح گویا دنیا کے کاروبار میں منہمک ہو کر یاد الٰہی کو فراموش کر دینے والے دائمی خسارے میں رہیں گے۔

مال اور اولاد فتنہ ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ انسان کا مال اور اولاد اس کے لیے فتنے کا باعث ہے۔ اولاد انسان کو بخل پر آمادہ کرتی ہے اور وہ اولاد کی خاطر جمع کرنے میں لگا رہتا ہے اور فرائض و واجبات میں بھی خرچ نہیں کرتا۔ اولاد بے شک خدا کی نعمت ہے مگر یہ فتنے کا باعث بھی ہے۔ اس کی وجہ سے انسان حلال و حرام کا امتیاز کھو بیٹھتا ہے اور خدا کی یاد سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ ہر امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا فتنہ مال ہے، اکثر لوگ مال و دولت کی طلب میں ہی سرگرداں رہتے ہیں اور حدود شرع کو فراموش کر دیتے ہیں۔ پھر ان میں حلال حرام، جائز ناجائز کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ اسی لیے فرمایا کہ مال اور اولاد انسان کے لیے فتنہ کا باعث ہیں۔ اس مقام پر بھی اس بات کا ذکر ہو رہا ہے کہ جو شخص خدا کی یاد، اس کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو کر مال و دولت کے پیچھے ہی دوڑتا رہے گا۔ اور اولاد کی جائز ناجائز خواہشات کی تکمیل میں لگا رہے گا۔ وہ ہمیشہ کا نقصان اٹھانے والا ہوگا۔

بروقت انفاق

منافق لوگ تو محتاجوں پر خرچ کرنے سے منع کرتے تھے مگر اللہ نے فرمایا وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرو۔ حقیقت میں دینے والی ذات تو خدا تعالیٰ کی ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (سورۃ البقرہ - ۲۸۴) آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر یہ کس قدر بدقسمتی کی بات ہے کہ اس کے عطا کردہ مال میں سے اُس کے حکم کے مطابق خرچ نہ کیا جائے، جو لوگ انفاق فی سبیل اللہ سے اعراض کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے مال کو اپنی ذاتی کمائی خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہ دولت اپنے علم اور ہنر کے ذریعے کمائی ہے۔ اسی چیز کی اللہ نے یہاں نفی کی ہے اور فرمایا

کہ اُس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمھیں دیا ہے۔ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ پیشتر اس کے کہ تم میں سے کسی پر موت وارد ہو جائے فَیَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ پھر وہ یوں کہے کہ پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مزید مدت کے لیے مہلت کیوں نہیں دی فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ تاکہ میں صدقہ خیرات اور ذکر و عبادت کر کے تیرے نیک بندوں میں شامل ہو جاتا مگر اس وقت مہلت نہیں ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ (اعراف۔ ۳۴) جب کسی کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو پھر گھڑی بھر بھی وہ وقت آگے پیچھے نہیں ہوتا اور انسان کو اس جہان سے جانا ہی پڑتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ وہ وقت آنے سے پہلے پہلے خرچ کر لو تاکہ تمھارے لیے وہ ذخیرہ آخرت بن جائے اور بعد میں حسرت نہ اٹھانی پڑے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہے مگر اس نے حج نہیں کیا، زکوٰۃ واجب تھی وہ ادا نہیں کی، وہ شخص مرتے وقت دنیا میں واپس لوٹنے کی تمنا کرے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ بات تو کافروں کے حق میں معلوم ہوتی ہے تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا۔ الآیۃ یہ اہلِ ایمان ہی سے خطاب ہے کہ دنیا میں دوبارہ جانے کی تمنا کریں گے تاکہ واپس جا کر نیکی کے کام کر سکیں، ہرگز مہلت نہیں ملے گی۔ کسی نے کہا ہے۔

اجل لگائے گھات ہر کسی پہ ہے
بہ ہوش باش کہ عالم رواروی میں ہے

غالب نے بھی کہا ہے۔

عالم رواروی میں ہے
ہر چند کہیں ہے، نہیں ہے

مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کی قدر نہیں کرتا۔ سعدی صاحب فرماتے ہیں۔

خوش است عمر دریغا کہ جاودانی نیست ‏ ‏ بس اعتماد بریں پنج روز فانی نیست

یہ عمر تو بڑی اچھی ہے مگر افسوس کہ یہ دائمی نہیں ہے، لہٰذا اس پانچ روزہ زندگی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے، نامعلوم یہ کس وقت ختم ہو جائے۔

جہاں بر آب نہادست و زندگی برباد
غلامِ ہمتِ آنم کہ دل برو نہ نہاد

اس جہان کو خدا تعالیٰ نے پانی پر رکھا ہے۔ جب کہ زندگی کا دارومدار ہوا پر ہے۔ میں اس کا غلام ہوں جس نے اس زندگی میں دل نہ لگایا کیونکہ یہ فانی چیز ہے۔

بسے بدیدۂ حسرت ز پس نگاہ کند
کسے کہ برگِ قیامت از پیش نہ فرستاد

وہ آدمی کئی دفعہ حسرت سے نگاہ اٹھائے گا جس نے قیامت کا سامان پہلے نہیں بھیجا۔

خرچ کی مدات

فرمایا خرچ کرو اس روزی میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہے۔ خرچ کا اولین محل زکوٰۃ ہے جو سال بھر میں ایک دفعہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جب مال نصاب کو پہنچ جائے خواہ وہ مال تجارت ہو، زیور ہو یا نقدی ہو اس پر زکوٰۃ لازمی ہے۔ یہ فرض بھی ہے اور عبادت بھی اس کے بعد پھر عید الفطر کے موقع پر صدقہ فطر ضروری ہے اور جب حج کا موسم آئے تو جانور کی قربانی بھی لازمی ہے بشرطیکہ مال موجود ہو محتاجوں کے لیے صدقہ خیرات کی مد بھی ہے۔ اگر کوئی بیمار ہے تو اس کا علاج کرایا جائے، یتیم، مسکین، مقروض اور معذور ہے تو اس کی مالی اعانت کی جائے۔ اگر کسی مسافر کے پاس زادِ راہ ختم ہو چکا ہے تو اس کی مدد کی جائے۔ یہ ساری خرچ کی مدات ہیں جن میں حسبِ توفیق حصہ لینا چاہیئے۔ اگر اللہ نے وافر مال دیا ہے تو وہ اداروں یا رفاہِ عامہ کے لیے وقف بھی کر سکتا ہے۔ اور اپنے مال کے ایک تہائی کے برابر بھلے کام کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں کو ان چیزوں کا خیال نہیں آتا، انہیں تو سینما گھر بنانے اور آڈیو، ویڈیو کیسٹیں تیار کرنے سے غرض ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ بے حیائی کی طرف مائل ہوں۔ بعض لوگ عیاشی کے لیے کلب بنا لیتے ہیں کھیلوں کے لیے حکومتی سطح پر بڑے بڑے سٹیڈیم بنائے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ابن حزم

نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ سنکیانگ سے لے کر مکہ مکرمہ تک جگہ جگہ مسافر خانے بنے ہوئے تھے، جہاں مسافروں کو فری رہائش میسر تھی۔ اس کے ساتھ مفت کھانا اور ساتھ جانور ہے تو اس کا چارہ بھی فری ہوتا تھا، یہ اُس وقت کے مسلمانوں کا کارِ خیر تھا۔ حج پر جانے والے قافلوں کو تمام ضروریات بلاقیمت مہیا کی جاتی تھیں۔ آج نام نہاد ترقی یافتہ ممالک نے ہوٹلوں کا شیطانی نظام قائم کر دیا۔ جہاں ایک عام آدمی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ غرضیکہ آج کے زمانے میں انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ ہی ختم کر دیا گیا ہے اور ہر کوئی ہوسِ زر میں مبتلا نظر آتا ہے۔

حج کا خرچہ بذاتِ خود ایک معقول خرچہ ہے جس کے ساتھ جسمانی مشقت اور وقت کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ انفاق کے لیے جہاد کی کئی قسمیں ہیں، جو جہاد دشمن کے مقابلہ میں کیا جاتا ہے۔ اس میں ذاتی محنت کے علاوہ خرچے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تبلیغ بھی جہاد ہی کی ایک قسم ہے، اور تعلیم و تصنیف بھی اسی مد میں آتے ہیں۔ عام انفاق فی سبیل اللہ کا بدلہ تو اللہ کے ہاں دس گنا ملتا ہے۔ تاہم حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں اجر سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

اپنی بیوی اور چھوٹی اولاد کا خرچہ بھی صاحب خانہ پر ضروری ہے۔ اس کے علاوہ قریبی اعزہ جو محتاج ہوں، اُن کا خرچہ بھی صاحب حیثیت آدمی پر لازم آتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جس مالدار آدمی کے اقرباء غریب ہوں۔ اس پر اُن غرباء کا خرچہ بھی واجب ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (آیت ۔ ۲۶) اقرباء، یتیم اور مسافر کو اُس کا حق ادا کرو۔ غرضیکہ انفاق میں فرائض سے لے کر مستحبات تک تمام امور شامل ہیں اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

صحیحین کی روایت میں آتا ہے، کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ اجر کے لحاظ سے کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں کیا جانے والا

صدقہ بہترین ہے جب کہ تم تندرست بھی ہو، فقر کا ڈر بھی ہو اور مالدار بننے کی خواہش دل و دماغ کے کسی کونے میں موجود ہو، فرمایا اُس کو مؤخر نہ کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ جب جان گلے میں آ کر اٹک جائے تو پھر خرچ کرنا شروع کر دو۔ ایسے وقت کا خرچ کیا ہوا کیا مفید ہو گا۔ جب کہ زندگی بھر تو اس طرف دھیان ہی نہیں آیا۔ فرمایا اگر تندرستی کی حالت میں دیتا تو اچھا تھا۔ اب جو بچ گیا۔ وہ تو وارثوں کا مال ہے۔ اب اس کے خرچ کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا انسان خواہش کرے گا کہ اُسے تھوڑی سی مہلت مل جائے تو وہ صدقہ خیرات کر کے نیکوکاروں میں شامل ہو جائے گا۔ مگر اللہ نے فرمایا وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا اللہ ہرگز نہیں مہلت دیگا کسی جان کو جب کہ اس کے وعدے کا وقت آن پہنچا۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے۔ جو تم انجام دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اندرونی استعداد سے لے کر بیرونی اعمال تک ہر چیز سے واقف ہے اور اسی کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ فرمائے گا۔

سورۃ

التغابن

(مکیّۃ)

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ
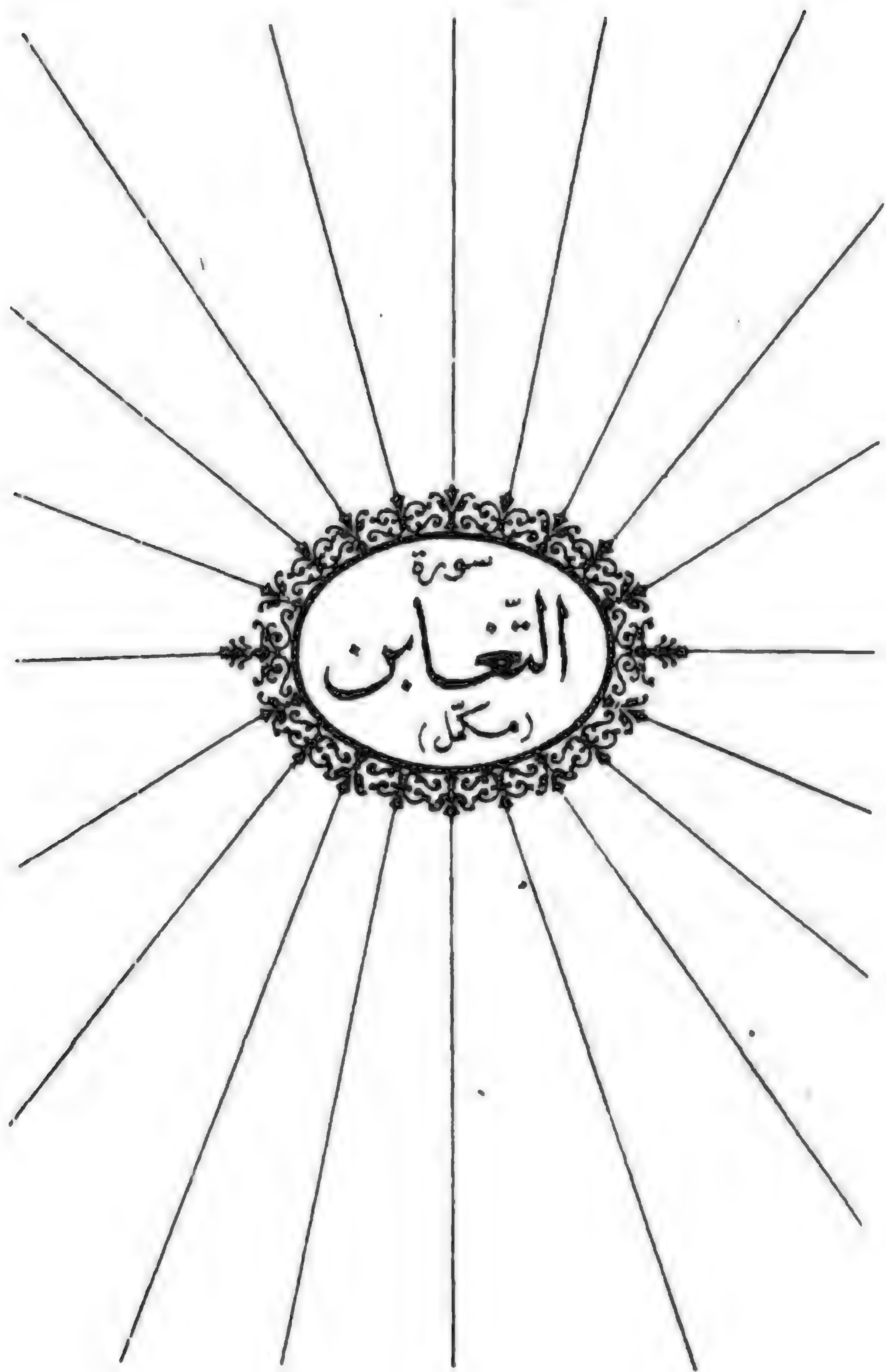
سورۃ التغابن مدنی ہے۔ یہ اٹھارہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بےحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

ترجمہ:- تسبیح بیان کرتی ہے جو چیز بھی ہے آسمانوں میں اور جو بھی ہے زمین میں۔ اسی کے لیے بادشاہی اور اسی کے لیے ہے تعریف، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ① وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن، اور جو کچھ تم کام کرتے ہو اللہ تعالیٰ

اُس کو دیکھنے والا ہے ۲ پیدا کیا ہے اُس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ ۔ اور تمھیں صورت بخشی ، پس بہت اچھی صورت عطا کی تم کو ، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۳ جانتا ہے وہ جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں ۔ اور جانتا ہے اُن باتوں کو جن کو تم چھپاتے ہو اور جن کو تم ظاہر کرتے ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں کو بھی جاننے والا ہے ۴

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ التغابن ہے جو کہ اس کی آیت ۔۹ میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے ۔ تغابن غبن کے مادہ سے ہے ۔ جس میں نقصان کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور یوم التغابن قیامت کے دن کو کہا گیا ہے جس کا ذکر اس سورۃ میں آرہا ہے زیادہ تر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں سورۃ تحریم کے بعد نازل ہوئی ، تاہم بعض فرماتے ہیں کہ اس کی کچھ آیات مکی ہیں اور کچھ مدنی ہیں ۔

اس سورۃ مبارکہ کی اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں ۔ اور یہ سورۃ ۲۴۱ الفاظ اور ۱۰۷۰ حروف پر مشتمل ہے ۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

پچھلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اعتقادی منافقوں کی مذمت بیان فرمائی ، جو حضور علیہ السلام کے زمانے میں پائے جاتے تھے ۔ اعتقادی منافق تو کافروں کی ہی ایک بدترین قسم ہے ۔ تاہم عملی منافق کے قول اور عمل میں تضاد پایا جاتا ہے ۔ یہ لوگ بھی انسانی سوسائٹی میں نقصان کا باعث ہوتے ہیں ۔ نفاق ہر حالت میں بُری خصلت ہے ۔ خواہ وہ اعتقادی ہو یا عملی ۔ بہرحال اللہ نے منافقوں کی سازشوں اور اُن کی غلط کاروائیوں کا ذکر پچھلی سورۃ میں کیا ۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ دنیاوی زندگی میں منہمک ہو کر ذکر و عبادت سے غافل ہو جاتے ہیں وہ بھی ایک قسم کے نفاق ہی کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ ایک سچے مومن میں بری خصلت نہیں پائی جاتی ۔

پھر اسبابِ غفلت کے طور پہ اللہ نے مال اور اولاد کا ذکر فرمایا کہ اکثر لوگ انہی

دو چیزوں کی محبت میں مبتلا ہو کر آخرت کی فکر سے غافل ہو جاتے ہیں، اللہ نے اس سلسلے میں تنبیہ فرمائی کہ اگر ایسا کرو گے تو ہمیشہ کے نقصان میں پڑ جاؤ گے، منافقوں کی ایک یہ صفت بھی اللہ نے بیان فرمائی کہ وہ نادار مہاجرین کی مالی اعانت سے منع کرتے تھے، تاکہ ان کی جماعت کو تقویت حاصل نہ ہو، وہ اپنے آپ کو باعزت اور مہاجرین کو ذلیل کہتے تھے، اللہ نے اس کی بھی مذمت بیان فرمائی۔

سورہ کے آخر میں اللہ نے اہلِ ایمان سے انفاق فی سبیل اللہ سے تعلق خاص طور پر خطاب فرمایا اور تنبیہ کی کہ مال و اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے ہاتھ نہ روک لینا۔ یہ ہمارا دیا ہوا مال ہے جس میں خرچ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ کوئی تمھاری ذاتی ملکیت نہیں۔ ہر چیز کا مالک اللہ ہے، اس نے تمھیں مجازی طور پر بعض چیزوں کا محدود عرصہ کے لیے مالک بنایا ہے تو تم اس کے حقیقی مالک نہ بن جانا۔ قرآن پاک کی اکثر سورتوں میں انفاق کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ نور میں فرمایا۔ وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ (آیت۔۳۳) اس مال میں سے مستحقین کو دو جو اللہ نے تمھیں عطا کیا ہے۔ پچھلی سورۃ المنافقون میں بھی گزر چکا ہے وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ (آیت۔ ۱۰) ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرو۔ ورنہ جب موت کا وقت آ جائے گا تو انسان اس وقت تمنا کرے گا کہ اسے کچھ مہلت مل جائے تو صدقہ خیرات کر کے نیکو کاروں میں شامل ہو جائے مگر اسے وقت مہلت نہیں ملے گی۔

مضامین سورۃ

گذشتہ سورۃ میں بیان کی گئی بہت سی باتیں اس سورۃ میں بھی اللہ نے بیان فرما دی ہیں۔ اس سورۃ میں قیامت کو یوم التغابن کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ شاہ عبد القادرؒ ہار جیت کا دن کرتے ہیں۔ جن کے پاس نیکی نہیں ہو گی وہ اس دن ہار جائیں گے اور جن کے پاس ایمان اور نیکی ہو گی وہ جیت جائیں گے اس سورۃ میں مال و اولاد کے فتنے کا ذکر بھی ہے۔ یہاں پر نیکی کے بلند ترین اصول بیان کیے گئے ہیں اور کفر کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ رسالت کے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام

کی بشریت کا ذکر ہے اور مشرکین کی جہالت اور بیوقوفی کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ الغرض! اس سورۃ مبارکہ میں اللہ نے سب سے پہلے دین کا اصل الاصول اور بنیادی مسئلہ مسئلہ توحید بیان فرمایا ہے اور پھر رسالت کا بیان ہے۔ اس میں مشرکین اور نبوت و رسالت میں شکوک و شبہات کا اظہار کرنے والوں کا رد ہے۔ انسان کے مال اور اولاد کو اس کے حق میں فتنہ قرار دیا گیا ہے اور تاکید کی ہے کہ حسبِ استطاعت دین کا کام زیادہ سے زیادہ انجام دیا جائے۔

توحید باری تعالیٰ

دین میں سب سے پہلے انسان کی فکر کا پاک ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کسی شخص کو کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ مسئلہ توحید پر اسی لیے زور دیا جاتا ہے تاکہ انسان کی فکر پاک ہو اور اس کے دل و دماغ اور روح میں نورِ ایمان راسخ ہو جائے، اور اس کو ظاہر و باطن کی طہارت حاصل ہو جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص جب تک اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی صفات پر مکمل یقین نہ رکھتا ہو، اُس کو کمال مطلوب کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ توحید کی وجہ سے انسان کی فکر پاک ہوتی ہے، ورنہ انسان نجاست میں ہی مبتلا رہتا ہے اسی لیے تو مشرکین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ - ۲۸) بیشک مشرک لوگ ناپاک ہیں۔ جب تک انسان کا اندر پاک نہ ہو، اس کا دل و دماغ اور روح پاک نہ ہو ظاہری طہارت کا کچھ فائدہ نہیں۔ اللہ نے منافقوں کے متعلق بھی فرمایا ہے۔ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وہ پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللہ نے اسی روحانی نجاست کے متعلق فرمایا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج - ۳۰) بت پرستی کی نجاست سے بچو۔ سورۃ المدثر میں اللہ کا فرمان ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (آیت - ۵) نجاست کو ترک کر دو۔ اس سے ہر قسم کی گندگی مراد ہے۔

سب سے پہلی نجاست اعتقاد کی ہوتی ہے، مشرک بظاہر تو بالکل صاف ستھرا معلوم ہوتا ہے، جو غسل کرتا ہے، خوشبو لگاتا ہے اور اچھے کپڑے پہنتا ہے

مگر اُس کی روحانی نجاست کی بناء پر اللہ نے اس کو نجس کہا ہے۔ روحانی نجاست انسان کے باطن کو تاریک کر دیتی ہے۔ اس کی موجودگی میں انسان کے دل میں بصیرت پیدا نہیں ہو سکتی۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اعتقاد کی طہارت کے بغیر انسان کا قدم حظیرۃ القدس کی طرف نہیں اٹھ سکتا، بلکہ وہ بھٹکتا ہی رہتا ہے۔ قرآن میں اشارتاً موجود ہے کہ ایسا شخص نیچے گڑھے میں ہی گرے گا۔ مرنے کے بعد بدعقیدہ آدمی کی روح اُوپر کی طرف کشش کریگی۔ جب کہ اُس کا فاسد عقیدہ اور بُرے اعمال نیچے کو کھینچیں گے اور اس کشمکش میں اُسے تکلیف پہنچے گی۔

غرضیکہ سب سے پہلے اللہ نے ایمان اور توحید کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ تاکہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو جائے اور وہ ترقی کی منازل طے کر سکے۔ اس طرح وہ اپنے لیے خدا کی طرف سے لکھا ہوا کمال حاصل کر سکے گا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات کو صحیح طریقے پر نہیں مانتا وہ ملحد ہے۔ جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی تقدیر پر یقین کر لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک دروازہ وا ہو جاتا ہے اور بندے کو ترقی نصیب ہو جاتی ہے۔

طبرانی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اس سورۃ کی ابتدائی پانچ آیتیں ہر شخص کی پیشانی پر لکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابتدا میں بچہ فطرتِ سلیمہ پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ بچہ خواہ کسی یہودی، نصرانی، ہندو، سکھ، بدھ یا دہریہ کے گھر پیدا ہو، اس کی فطرت بالکل صحیح ہوتی ہے۔ پھر بعد میں اُس کے والدین اور اُس کا ماحول اُسے یہودی، عیسائی یا ہندو وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ پانچ آیتوں کا ذکر کر کے حضور علیہ السلام نے کتنی بات سمجھائی ہے کہ نومولود ہمیشہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس پر ماحول کا اثر نہ ہو تو وہ اِن پانچ آیات میں بیان کردہ اللہ کی وحدانیت اور اُس کی مذکورہ صفات پر مکمل یقین رکھنے والا ہو۔

خدا تعالیٰ
تسبیح

ارشاد ہوتا ہے يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ پاکی بیان کرتی ہے

اللہ تعالیٰ کی جو چیز بھی ہے آسمانوں میں اور جو زمین میں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح و تنزیہہ بیان کرتا ہے۔ تنزیہہ کا معنیٰ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص، کمزوری اور ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ اللہ نے سورۃ نحل میں فرمایا ہے کہ ہر چیز اپنی فطرت کے مطابق خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے، البتہ انسانوں میں آکر دو گروہ بن جاتے ہیں۔ بعض اللہ تعالیٰ کی توحید پر مستقیم رہتے ہیں اور بعض شرک کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان کے سائے بھی خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ یہ صرف انسان ہی ناشکر گزار ہے جو اپنے خالق اور مالک کا حق نہیں پہچانتا اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتا ہے حالانکہ اللہ کا واضح فرمان ہے فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الاعراف - ۱۹۰) اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے بلند و برتر ہے جس کو لوگ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ خدا کی ذات ازلی ابدی اور عیب اور نقص سے پاک ہے۔ آسمان کے سیارے اور ستارے فرشتے اور ساری مخلوق حتیٰ کہ پتا پتا ٹہنی ٹہنی شجر و حجر اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی بادشاہی

فرمایا لَهُ الْمُلْكُ بادشاہی بھی اسی کی ہے جو معبودِ برحق ہے اور جس کی سبھی تنزیہہ بیان کرتے ہیں۔ سورۃ الملک کے آغاز میں فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ (آیت - ۱) بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں حقیقی بادشاہی ہے، دنیا کی بادشاہی اور اقتدار تو عارضی ہے اور ختم ہو جانے والا ہے، لوگ خواہ مخواہ اس پر مغرور ہو جاتے ہیں۔ حقیقی بادشاہ وہی ہے جس کی بادشاہی کو کبھی زوال نہیں ہے۔ یہ بادشاہی صرف زمین پر انسانوں کی حد تک محدود نہیں بلکہ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الزمر - ۴۴) آسمانوں اور زمین کی ساری سلطنت اسی کی ہے، بادشاہی اسی کی ہے وَلَهُ الْحَمْدُ اور تعریف بھی اسی کی ہے، صفاتِ کمال کا مالک وہی ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اللہ کی ذات فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (البروج - ۱۶) جو چاہے کرے اس کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی، اس کی صفت یہ ہے کہ وہ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (آل عمران - ۲۶)

بادشاہوں کا بادشاہ ہے، جس کو چاہے اقتدار عطا کرے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے۔ ہر چیز پر قدرت اسی کو حاصل ہے، دنیا میں کتنی بھی بڑی سلطنت کا مالک ہو، مگر وہ ہر کام نہیں کر سکتا۔ یہ صرف خدا کی ذات ہے جو ہر شے پر قادر ہے اصلی اور حقیقی بادشاہی اُسی کی ہے، لہٰذا انسانوں کا فرض ہے کہ اُس کو احکم الحاکمین تصور کریں، اُس کی توحید کو تسلیم کریں اور اس کے ساتھ شرک نہ کریں۔

خدا تعالیٰ کی صفتِ خلق

فرمایا، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وہی ذات ہے جس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔ وہ خود ازلی ابدی ہے اور باقی سب مخلوق ہے۔ سورۃ الزمر میں ہے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ (آیت۔۶۲) جو ہر چیز کا خالق ہے، رب بھی وہی ہے اور معبود بھی وہی ہے، پھر دوسروں کی عبادت کیوں کی جائے؟ اُن کے سامنے انتہائی درجے کی تعظیم کیوں بجالائی جائے؟ اللہ کے علاوہ ہر جاندار اور بے جان چیز مخلوق ہے۔ اور مخلوق عاجز اور سوالی ہے۔ ہر جن وانس، ملائکہ، کیڑے مکوڑے، چرند پرند، آبی مخلوق سب اللہ کے سوالی ہیں۔ دینے والا صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی دو صفات کو تو سبھی مانتے ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی خود بخود ہے۔ اُس کے علاوہ کسی چیز کا وجود ذاتی نہیں بلکہ خدا کا عطا کردہ ہے۔ اللہ کی دوسری صفت خلق ہے۔ جس پر تمام مذاہب والے متفق ہیں کہ پیدا کرنیوالا بھی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ البتہ تیسری صفت میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مدبر بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہر چیز کی وہی تدبیر کرتا ہے مگر مشرک لوگ دوسروں کو بھی مدبر مانتے ہیں۔ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو مدبر تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ نجومی ستاروں میں کرشمہ مانتے ہیں۔ قبر پرست، قبر والوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدۃ۔ ۵) آسمان کی بلندیوں سے لیکر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر وہی کرتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ چوتھی صفت تدلی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلی کا عکس ہر انسان کی روح میں پڑتا ہے۔ آج انسان پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس عکس کو محسوس نہیں کرتا۔ جب انسان پر موت واقع ہو کر اس کا مادی خول اتر جاتا ہے اور اصل انسان ظاہر ہو جاتا ہے تو اُس وقت اسکو اللہ کی تجلی کا اثر محسوس ہوتا ہے جو اُس کو اُوپر عالمِ بالا کی طرف کھینچتی ہے۔ اگر وہ شخص صاحب ایمان ہے تو اُسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اور اگر وہ توحید پر قائم نہ رہا تو تدلی کی کشش تو اُوپر کی طرف ہوگی جب کہ انسان اپنے فاسد عقیدے کی وجہ سے نیچے کی طرف جائے گا، لہٰذا اس کشمکش میں اُسے تکلیف ہوگی۔

مومن اور کافر

فرمایا وہی ذات ہے جس نے تمھیں پیدا کیا فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ پھر تم میں سے کوئی کافر بن جاتا ہے اور کوئی مومن بن جاتا ہے۔ کافر کا معنیٰ انکار کرنے والا یعنی جس شخص نے اللہ کی توحید، رسالت، کتب سماویہ، ملائکہ مقربین، اور قیامت کا انکار کیا وہ کافر شمار ہوگا۔ کافر کا دوسرا معنیٰ ناشکر گزار بھی ہے اور یہاں دونوں معنیٰ صادق آتے ہیں۔ یعنی تم میں سے بعض ناشکر گزار اور بعض شکر گزار ہوتے ہیں۔ اللہ نے ناشکر گزاروں یا کافروں کا ذکر پہلے فرمایا ہے۔ کیونکہ دُنیا میں اکثریت انہی کی ہوتی ہے۔ سُورۃ سبا میں بھی اللہ کا ارشاد ہے وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (آیت ۱۳) میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہی ہیں۔ چنانچہ ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ دُنیا کی پانچ ارب آبادی میں سے مسلمان صرف ایک ارب کے قریب ہیں۔ باقی چار ارب کی آبادی کافر ہے۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اور اللہ تعالیٰ تمھارے انجام دیے جانے والے تمام امور کو دیکھنے والا ہے۔ تمھارا چھوٹے سے چھوٹا عمل حتیٰ کہ نیت اور ارادہ بھی اللہ کی نگاہ میں ہے۔ جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے جس میں ہر شخص کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی فیصلہ ہوگا۔

تخلیقِ کائنات

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اُس کی کوئی تخلیق

بے سود نہیں ہے بلکہ اُس نے ہر چیز کو اپنی خاص مصلحت اور حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے
فرمایا کافروں کا یہ خیال باطل ہے کہ اللہ نے ارض و سما کو فضول پیدا کیا ہے، نہیں بلکہ
ان کا کوئی مقصد ہے، اور اِس کا نتیجہ نکلنے والا ہے، پھر فرمایا ارض و سماء کی تخلیق
کے علاوہ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ اے انسانو! تمہیں صورت بخشی اور
بہت اچھی شکل و صورت عطا فرمائی، اللہ کا ارشاد ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ
فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین۔۴) ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ اللہ
نے انسان جیسی خوبصورت شکل کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں کی۔ ذرا غور کریں کہ انسان
کا چہرہ صرف چھ سات انچ مربع جگہ میں ہے مگر اربوں چہروں میں ہر چہرہ مختلف ہے۔
جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی پہچان ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صناعی کا بہت بڑا شاہکار
ہے۔ انسان کے پیچیدہ اعضاء کو کمال قدرت کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر فٹ کیا ہے
کہ وہ ساٹھ، ستر، سو سو سال تک کام کرتے رہتے ہیں، یہ خدا کی قدرت کا اعجاز
ہے۔ کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ دماغ جیسی پیچیدہ چیز اور حواس ظاہرہ و
باطنہ کو پیدا کر سکے، فرمایا یہ بہترین شکل و صورت انسان کو عطا کی ہے۔ وَإِلَيْهِ
الْمَصِيرُ اور بالآخر اُسے خدا تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ اُسے بارگاہِ ربّ العزت
میں پیش ہو کر اپنی کارکردگی کا حساب دینا ہے۔

خدا تعالیٰ علیم کل ہے

آگے اللہ تعالیٰ کی صفت علیم کل کا ذکر ہے۔ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ وہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں ہے۔ ارض و سما
کی کوئی چیز اُس سے مخفی نہیں ہے، وہ علم محیط کا مالک ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ
وَمَا تُعْلِنُونَ اور وہ اُن چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو اور اُن کو بھی
جن کو تم ظاہر کرتے ہو۔ وہ تمہارے تمام ظاہر و باطن سے واقف ہے حتیٰ کہ وَاللّٰهُ
عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ وہ تمہارے سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے انسان
مخلوق سے تو کئی چیزیں مخفی رکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وہ چیزیں عمر بھر راز
ہی رہتی ہیں مگر اللہ کی ذات وہ ہے کہ جس سے کوئی راز بھی نہیں چھپایا جا سکتا۔ وہ

انسان کی نیت اور ارادے تک کو جانتا ہے۔ اللہ نے سورۃ الملک میں واضح کیا ہے
اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ کیا وہی تمہارے حالات کو نہیں
جانے گا، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے؟ یقیناً وہ کائنات کے ذرے ذرے سے واقف
ہے اور انسان کے رگ و ریشے کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ یہی بات ہے جو انسان
کو غلط کارروائی سے روکتی ہے۔ جو مالک الملک ہر چیز کو جانتا ہے، حساب کتاب
کے وقت اُس سے کون سی چیز چھپائی جا سکے گی۔؟

درس دوم ۲ — آیت ۵ تا ۱۰

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ
أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۵ ذٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ
تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا ز
فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۶ زَعَمَ
الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا ۚ قُلْ بَلٰى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ
ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ۷
فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا ۚ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۸ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ
ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۹
وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ
خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۱۰ ع

ترجمہ:- کیا نہیں آئی تمہارے پاس خبر اُن لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے۔ پھر چکھا انہوں نے وبال اپنے معاملے کا۔ اور اُن کے لیے عذاب ہے دردناک ۵ یہ اس وجہ

سے کہ اُن کے پاس آئے تھے اُن کے رسول کھلی نشانیاں لے کر، پس وہ کہتے تھے کہ کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے ؟ پس کفر کیا انہوں نے اور منہ موڑ لیا۔ اور اللہ نے بھی بے پرواہی اختیار کی۔ اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور تعریفوں والا ہے ⑥ کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ ہرگز نہیں وہ اٹھائے جائیں گے۔ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں ؟ اور میرے رب کی قسم تم البتہ ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر تم کو بتلا دیا جائے گا جو کچھ تم عمل کرتے تھے۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے ⑦ پس (اے لوگو!) ایمان لاؤ اللہ پر، اور اُس کے رسول پر، اور اُس نور پر جس کو ہم نے اتارا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اُن کی خبر رکھنے والا ہے ⑧ جس دن کہ جمع کرے گا تم کو ایک جمع ہونے کے دن۔ یہ دن ہار جیت کا دن ہے۔ اور جو شخص ایمان لایا اللہ پر اور نیک عمل کیا، اللہ معاف کر دے گا اُس کو اُس کی کوتاہیاں، اور داخل کرے گا اُس کو بہشتوں میں کہ بہتی ہیں اُن کے سامنے نہریں، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُن میں، یہ ہے کامیابی بڑی ⑨ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو، یہی لوگ ہیں دوزخ والے، ہمیشہ رہیں گے اُس میں ؛ اور بہت بُری ہے جگہ لوٹ کر جانے کی۔ ⑩

ربطِ آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ بیان فرمایا جو دین کی اصل اور بنیاد ہے۔ پھر اللہ کی صفتِ بادشاہی، صفتِ خلق اور صفتِ علم کا ذکر کیا۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے دو بنیادی باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلے رسالت کا ذکر ہے

اور پھر قیامت کا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح تمام انبیا کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور پھر سب سے آخر میں حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ نبوت اور قیامت کے بارے میں کافر اور مشرک شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے۔ جن کا اللہ نے رد فرمایا ہے۔ اور اس انکار پر سخت سرزنش کی ہے۔

انکارِ رسالت پر سزا

پہلے رسالت کے بارے میں فرمایا اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ کیا تمہارے پاس اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے۔ یہ نزول قرآن کے زمانے کے کافروں اور مشرکوں کو بات سمجھائی جا رہی ہے کہ کیا تمہیں سابقہ کافروں کی خبر نہیں پہنچی؟ جس طرح آج تم رسالت کا انکار کرتے ہو اسی طرح پہلے لوگوں نے بھی اپنے نبیوں کا انکار کیا۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِھِمْ کہ انہوں نے اپنے کام کی سزا کا مزہ چکھ لیا۔ اس قسم کی سزا کا ذکر اللہ نے قرآن کی مختلف سورتوں میں کیا ہے۔ قوم عاد، ثمود، قومِ ابراہیم، قوم لوط، اور قومِ صالح اور قوم فرعون نے توحید و رسالت کا انکار کیا تو ان کا کیا حشر ہوا؟ اللہ نے انہیں صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اللہ نے ان نافرمان قوموں کو دردناک عذاب میں مبتلا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر سابقہ اقوام انکار کی وجہ سے ہلاک ہو سکتی ہیں تو تم اس جرم کی سزا سے کیسے بچ سکتے ہو؟

بشریت رسل پر اعتراض

فرمایا ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتْ تَّاْتِیْھِمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ۔ یہ سزا اُن کو اس وجہ سے ملی کہ ان کے رسول اُن کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے۔ بینات میں نشانیاں، معجزات، دلائل اور احکام بھی چیزیں شامل ہیں۔ اللہ کے نبی یہ ساری چیزیں لے کر اُن کی ہدایت کے لیے آئے ہیں۔ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا تو وہ کہنے لگے کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟ انہوں نے گویا رسول کی بشریت پر اعتراض کیا کہ جو شخص رسالت و نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے وہ تو ہماری طرح کا انسان ہے

بھلا ہمارے جیسا انسان ہمیں کیا ہدایت دیگا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے کہا مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ھود - ۲۷) ہم تو تجھے اپنے جیسا بشر خیال کرتے ہیں۔ ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا کہ یہ شخص تمہارے جیسا انسان ہی ہے۔ جو تم کھاتے ہو، وہی وہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو، وہ بھی وہی کچھ پیتا ہے۔ اگر تم نے اپنے جیسے انسان کی پیروی کی اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (المؤمنون ۳۴) تو نقصان میں پڑ جاؤ گے خود حضور علیہ السلام کے متعلق کفارِ مکہ نے کہا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان - ۷) یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ مطلب یہ کہ سابقہ اقوام نے بھی نبی کے انسان ہونے کا انکار کیا۔ وہ کہتے تھے کہ اگر خدا نے کوئی نبی ہی بھیجنا تھا تو کسی فرشتے کو بھیج دیتا، جو نہ کھاتا نہ پیتا اور نہ اُس کے بیوی بچے ہوتے۔ وہ مالدار ہوتا، اُس کے سونے چاندی کے محلات ہوتے، فوج اور پہریدار ہوتے۔ اس کا تو ہمارے جیسا ٹوٹا پھوٹا مکان ہے، ہم اس کو کیسے نبی مان لیں؟ اللہ نے اس بات کو قرآن میں مختلف مقامات پر ذکر کیا ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسان ہی بطور نبی مناسب ہو سکتا ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اُن پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا۔ فرمایا اگر ہم فرشتے کو نازل کر دیتے تو اِن کا معاملہ ختم ہو جاتا اور پھر ان کو مہلت بھی نہ ملتی۔ اور فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجتے لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ (آیت - ۹) تو پھر بھی اُسی ضد پر قائم رہتے اور کہتے کہ یہ فرشتہ نہیں بلکہ انسان ہے اور اُن کی پھر بھی تسلی نہ ہوتی اور نہ وہ رسالت کو تسلیم کرتے۔ بہرحال فرمایا کہ نوعِ انسانی کی طرف انسان ہی نبی بن کر آ سکتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ نبی کا انسان ہونا کوئی عجیب بات نہیں، دیکھو! وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان - ۲۰) آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں، وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ مطلب یہ کہ وہ بھی انسان تھے۔ اور تمام انسانی لوازمات ان میں

پائے جاتے تھے لہٰذا انسان ہونا نبوت کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی کہلوا دیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الکہف ، ۱۱۰) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں البتہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔

شانِ نبوت

جب انسان پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ وہ منصب نبوت پر فائز ہوتا ہے۔ جو کہ انسانیت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے۔ اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے ـــــ اور اُسے گناہوں سے پاک ہونے کی گارنٹی حاصل ہوتی ہے۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے اُس کی باقاعدہ حفاظت کا انتظام ہوتا ہے۔ اس کا اخلاق، کردار، اور عمل نہایت ہی شاندار اور امت کے لیے نمونہ ہوتا ہے۔ تاہم ہوتا وہ انسان ہی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر نبی کو بشر یا انسان کہہ دیا تو نعوذ باللہ نبی کی توہین ہو گئی۔ یہ تو حماقت کی بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان ہونا تو فخر کی بات ہے اللہ نے فرشتوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ (ص ۔ ۷۱) اور ساتھ فرشتوں کو حکم دیا کہ جب میں آدم کو تیار کر لوں تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا، چنانچہ فرشتوں نے اس حکم کی تکمیل کی۔ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ (آیت ۔ ۷۰) ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی اور اُسے شرف عطا کیا۔ غرضیکہ نبی کا بشر ہونا نبوت کے منافی نہیں بلکہ اللہ کا نبی تو افضل البشر ہوتا ہے۔

بزرگانِ دین بات اس طرح سمجھاتے ہیں کہ دیکھو سارے پتھر یکساں نہیں ہوتے، اگرچہ وہ پتھر ہی ہوتے ہیں۔ وہ بھی پتھر ہیں جو سڑکوں پر کوٹے جاتے ہیں اور جس کو کرش کر کے اور بجری بنا کر عمارات میں استعمال کیا جاتا ہے اور وہ بھی پتھر ہی ہیں جو ہیروں کی شکل میں زیورات میں لگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح سارے انسان بھی ایک جیسے نہیں۔ کہاں نبی کی معصوم اور بلند و برتر ذات اور کہاں ہم گنہگار انسان۔ کوئی احمق آدمی بھی اس لحاظ سے نبی کے برابر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اولاد اپنے والدین کی اور شاگرد اپنے اُستاد کی

ہم سری کا دعویٰ نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اللہ کے نبی کو عام انسانوں کے برابر سمجھا جائے۔ البتہ انسان ہونے میں نبی اور امتی برابر ہیں۔ کیونکہ دونوں آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ عام آدمی کی طرح نبی بھی عورتوں کے بطن سے پیدا ہوئے اور طبعی لوازمات مثلاً کھانا، پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، بیماری تندرستی وغیرہ میں وہ بھی شریک ہوتے تھے، مگر درجے کے اعتبار سے اللہ کا نبی بلند ترین ہستی اور عام مخلوق کے لیے معیار ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بشر ہیں لیکن سیّد البشر، سیّد الاولین والآخرین۔ انسان کہنے سے آپ کی توہین کا پہلو نہیں نکلتا۔ جو ایسا سمجھتے ہیں وہ کافروں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ کافروں نے بھی انسانیت کو نبوت و رسالت کے منافی سمجھا فَكَفَرُوا پس انہوں نے نبی کی نبوت کا انکار کر دیا وَتَوَلَّوْا اور اس سے منہ موڑ لیا۔ اور اس طرح جہالت میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ نے فرمایا، اگر انہوں نے یہ روش اختیار کی ہے وَاسْتَغْنَى اللّٰهُ تو اللہ نے بھی ان سے بے پرواہی برتی ہے۔ اُس نے کفار کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور تعریفوں والا ہے کسی کے منہ موڑ لینے سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بہرحال یہ سابقہ اقوام کی بدبختی کی علامت ہے کہ انہوں نے نبی کی نبوت اور اس کی شریعت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ نبی کی تعلیم کے بغیر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کو معلوم نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اُسے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں ہی سزا ملی اور وہ ہلاک ہو گئے۔

بعث بعد الموت کا انکار

دین کے بنیادی مسائل میں سے رسالت کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد اللہ نے قیامت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ ہم نے زَعَمَ کا ترجمہ کہا کیا ہے۔ یہ لفظ یقین اور گمان دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس کا ترجمہ "دعویٰ" کیا ہے یعنی یقین کے ساتھ کوئی بات کرنا۔ تاہم یہ لفظ مطلق قول ــــ کے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً زَعَمَ فُلَانٌ یعنی قَالَ فُلَانٌ حدیث میں حضور علیہ السلام نے شک والی بات کی

تردید فرمائی ہے بِئْسَتِ الْمَطِيَّةُ زَعَمُوا غلط پراپیگنڈہ کرنے والے لوگ بلا تحقیق یہی لفظ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے یوں کہا ہے یا لوگ یوں کہتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ بُری سواری ہے

جس پر لوگ سوار ہوتے ہیں اور غلط پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ چونکہ کافر لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے اس لیے زَعْم کا معنی دعویٰ بھی کیا گیا ہے۔

بہرحال کافروں نے دعویٰ کیا یوں کہا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا کہ مرنے کے بعد اُن کو ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ بڑی تاکید اور دعوے کے ساتھ بعث بعد الموت کا انکار کیا۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں بلٰی کیوں نہیں؟ وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ میرے پروردگار کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ لَتُبْعَثُنَّ میں لَ اور نَّ دونوں تاکیدی ہیں۔ اللہ نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا کہ تم ضرور بضرور اٹھائے جاؤ گے۔ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ پھر تم کو بتلا دیا جائے گا جو کچھ تم کام کیا کرتے تھے۔ تمہارے تمام اعمال بھی اللہ کے ہاں محفوظ ہیں۔ جو قیامت والے دن تمہارے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ فرمایا وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ جس اللہ نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا، اس کے لیے دوبارہ اٹھانا کیسے مشکل ہوگا؟ تاہم یہ کام وقت مقررہ پر ہوگا، جس کے متعلق اللہ کا فرمان ہے وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء - ۱۰۴) ہمارا یہ پکا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ یہ اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ اگر قیامت برحق ہے تو پھر وہ آتی کیوں نہیں؟

اللہ اور رسول پر ایمان

فرمایا جب قیامت کا وقوع اور جزائے عمل کی منزل لازمی آنے والی ہے، تو پھر اس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اے لوگو! فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ اگر خدا کا قرب، بلند مرتبہ اور نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ کر اس کے بغیر

اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانے کے ساتھ اُس کے ساتھ ساتھ اُس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، قیامت اور تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ رسالت کے سلسلے میں صرف ایک نبی پر ایمان لانا کافی نہیں بلکہ اللہ کے تمام انبیاء اور رسُل پر ایمان لانا ضروری ہے اور اللہ کے ساتھ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کیا جائے اُس کے مطابق عمل کیا جائے۔ نیز نبی پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سنت پر عمل کیا جائے، جس کام کے کرنے کا حکم دے اُسے انجام دیا جائے اور جس کام سے روکے اُس سے باز آجائے۔ بہرحال فرمایا کہ اگر آخرت میں کامیابی چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

قرآن پر ایمان

آگے فرمایا وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا اور اس نور پر بھی ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ اس سے مراد قرآن حکیم ہے جو اللہ نے اپنے آخری نبی پر بذریعہ وحی نازل فرمایا۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں قیامت تک کے لیے لائحہ عمل بیان کیا گیا ہے اب اس نبی کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ اس کتاب کے بعد کوئی کتاب آئے گی سورۃ النساء میں بھی اللہ نے قرآن پاک کو نور سے تعبیر کیا ہے۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (آیت۔ ۱۷۵) ہم نے تمہاری طرف ایک واضح نور نازل فرمایا ہے۔ اسی طرح سورۃ المائدہ میں بھی فرمایا ہے قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (آیت۔ ۱۵) اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور اور کتاب مبین یعنی قرآن پاک آگیا ہے۔

اس قرآن کی وجہ سے انسانوں کے دلوں میں روشنی پیدا ہوتی ہے، گویا یہاں پر نور سے ظاہری روشنی مراد نہیں بلکہ نورِ بصیرت مراد ہے، انسان کے اندر ایسا فہم پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ حق و باطل، جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں امتیاز کرسکتا ہے اللہ نے کفر کو تاریکی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب کہ ایمان اور اطاعت نور ہے فرمایا اس نور پر ایمان لاؤ اور پھر اس کے پروگرام کو اختیار کرو جو کہ ایمان لانے کا لازمی تقاضا ہے۔ قرآن پاک کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالو کہ اسی میں تمہاری کامیابی کا راز ہے وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ اور تمہارے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ نگاہ میں

رکھنے والا ہے۔ وہ تمہارے چھوٹے سے چھوٹے اور ہر اچھے اور بُرے عمل کو دیکھ رہا ہے اور قیامت والے دن انہی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

یوم التغابن

آگے قیامت والے دن کا ذکر فرمایا ہے یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ جس دن کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اکٹھا ہونے والے دن اکٹھا کرے گا۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے جب تمام اولین اور آخرین میدان حشر میں جمع ہوں گے اور حساب کتاب کی منزل آئے گی۔ اس دن کے متعلق فرمایا ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ یہ ہار جیت کا دن ہو گا اس دن بعض لوگ ہار جائیں گے اور بعض جیت جائیں گے۔ امام بیضاویؒ اور بعض دوسرے مفسرین اس کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہر شخص کے دو دو ٹھکانے ہیں ایک جنت میں اور دوسرا جہنم میں۔ ایک کافر آدمی کا ٹھکانا دوزخ کے علاوہ جنت میں بھی ہے اگر وہ ایمان لے آتا تو اس کو جنت والا ٹھکانا مل جاتا۔ لیکن ایمان نہ لانے کی وجہ سے اُس کا جنت والا ٹھکانا مومن کو مل جائے گا۔ مومن کا اپنا ٹھکانا بھی جنت میں ہوگا اور اس طرح اس کو دو ٹھکانے مل جائیں گے تو گویا کافر ہار گیا، اور مومن جیت گیا۔ اس لیے اس کو ہار جیت کا دن کہا گیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ (آیت-۱۸۵) جو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا۔ وہ کامیاب ہو گیا۔ اصل کامیابی یہی ہے اجو لوگ دنیا کی کامیابی کو کامیابی سمجھتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں کیونکہ یہ تو عارضی چیز ہے، ہمیشہ رہنے والا تو آخرت کا گھر ہی ہے۔

ایمان اور اعمالِ صالحہ

ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا اور جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل انجام دیا۔ یُکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا۔ ایمان اور نیکی کی وجہ سے انسان کی چھوٹی موٹی خطائیں خود بخود معاف ہوتی رہتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ وضو ایک نیک عمل ہے جس کی وجہ سے انسان کی بہت سی کوتاہیاں معاف ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً جب کوئی آدمی وضو کی نیت سے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جب منہ دھوتا ہے تو منہ کی

خطائیں معاف ہو جاتی ہیں اور جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کے صغائر معاف ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ جب وضو کے پانی کا آخری قطرہ زمین پر گرتا ہے تو انسان تمام صغیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ہود ۱۱۴) بے شک نیکیاں اُس کی برائیوں کو مٹاتی رہتی ہیں۔ پھر جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو اُس کے بہت سے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ یہ صغیرہ گناہوں کے متعلق ہے۔ البتہ کبائر بغیر توبہ اور حق ادا کیے معاف نہیں ہوتے۔

فرمایا، اللہ تعالیٰ اُس کی تقصیروں کو معاف فرمائے گا۔ وَیُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور اُسے بہشتوں میں داخل کرے گا جس کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ایسے لوگ ان بہشتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور وہاں سے کبھی نکالے نہیں جائیں گے اور نہ ہی وہاں کی نعمتیں کم ہوں گی۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے جس کو نصیب ہو جائے۔ جب انسان اللہ کی رحمت کے مقام جنت میں پہنچ جائے گا تو اُسے وہاں ہر قسم کی مراد حاصل ہوگی، لہٰذا اس سے بڑھ کر کونسی کامیابی ہو سکتی ہے!

کفر کا انجام

پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ جن لوگوں نے کفر کیا، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید، اُس کی ذات، اُس کی صفات، رسالت، کتب سماویہ، ملائکہ اور بعث بعد الموت کا انکار کیا اور خدا تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کی فرمایا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ یہی دوزخ میں جلنے والے لوگ ہیں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کافر اور مشرک کو دوزخ سے کبھی رہائی نصیب نہیں ہوگی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ اور یہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بُری جگہ ہے۔ اس سے بُرا کوئی مقام نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮

ترجمہ :- نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے حکم سے ، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کی راہنمائی کرتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ⑪ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی ۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی ، پس بے شک ہمارے رسول کے ذمہ تو پہنچا دینا ہے کھول کر ⑫ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔ اور اللہ ہی پر چاہیئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے ⑬ اے ایمان والو بے شک تمہاری بعض عورتوں اور اولاد میں سے تمہارے لیے دشمن ہیں ۔ پس اُن سے بچتے رہو ، اور اگر تم معاف کرو گے ، اور درگزر کرو گے اور بخش دو گے ، پس بے شک

اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ⑭

بیشک تمہارے مال اور تمہاری اولادیں آزمائش ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے ⑮

مصیبت باذن اللہ

گزشتہ آیات میں دین کے تین بنیادی اصول یعنی توحید، رسالت اور معاد کا ذکر ہوا آج کی آیات میں بھی یہی باتیں بیان ہو رہی ہیں۔ اللہ کی وحدانیت کی بات سمجھائی گئی ہے اور انسان کو مضر اور خطرناک چیزوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ کوئی مصیبت یا تکلیف نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے ہی پہنچتی ہے۔ لوگ آنے والی مصیبت کو دور کرنے کے لیے بہت سی غلط کارروائیاں کرتے ہیں۔ جن سے اللہ نے خبردار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تکلیف آتی بھی اللہ کی طرف سے ہے اور اُسے دور کرنے پر بھی وہی قادر ہے۔ اُس کی مشیت اور ارادے کے بغیر نہ تکلیف آتی ہے اور نہ دور ہوتی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مکمل یقین نہیں رکھتے وہ مصیبت کے وقت طرح طرح کے شرکیہ کام کرنے لگتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے ایمان کی قدر و قیمت سے آگاہ کیا ہے۔ ایک ایماندار آدمی کی شان یہی ہے کہ وہ تکلیف کی آمد اور روانگی کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع سمجھتا ہے، لہٰذا نہ وہ اس پر جزع فزع کرتا ہے اور نہ غیر اللہ کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے۔ نہ جادو کرتا ہے نہ کسی رمل فال والے کے پاس جاتا ہے اور نہ ہی کوئی شرکیہ عمل کرتا ہے۔

فرمایا وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ جو اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھنے والا آدمی ہے اللہ اُس کے دل کی راہنمائی فرماتا ہے۔ خدا کی وحدانیت پر پورا پورا یقین انسان کے دل کو اللہ تعالیٰ کی تسلیم و رضا کی طرف لے جاتا ہے، اور وہ ہر چیز کو اللہ کے ارادے اور مشیت کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے۔ وہ ہمیشہ اسی کی طرف رجوع رکھتا ہے اور جب کوئی مصیبت آئے تو کہتا ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ (البقرہ - ۱۵۶) ایسا شخص صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ اور اگر کوئی نعمت مل جائے یا راحت نصیب ہو جائے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، نیز ایسا شخص ہمیشہ سنت کا اتباع

کرتا ہے اور بدعات سے بچتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے اُس کے دِل کی راہنمائی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ہر حالت میں اللہ کے حکم اور نبی کی سنت کے مطابق کام کرتا ہے۔

اس لفظ کو یَھْدِ کی بجائے یَھْدَ قَلْبُہٗ بھی پڑھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایمان لاتا ہے اُس کا دل سکون اور اطمینان پکڑتا ہے۔ اور جو کوئی خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور دیگر اجزائے ایمان پر یقین نہیں رکھتا اُس کا دِل ہمیشہ خلفشار میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے دِل میں طرح طرح کے غلط وسوسے آتے ہیں اور وہ بے یقینی کی حالت میں مبتلا رہتا ہے۔ فرمایا وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اللہ تعالےٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ تکلیف یا مصیبت بھیج کر وہ جاننا چاہتا ہے کہ کون ثابت قدم رہتا ہے، تسلیم و رضا کی راہ پر چلتا ہے اور کون صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتا ہے۔ دلوں کے احوال اللہ کے سامنے ہیں۔ لہٰذا انسانوں کا فرض ہے کہ اللہ اور اُس کے رسُول کی اطاعت کریں اور تکلیف و راحت میں اللہ کی رضا کے متلاشی رہیں۔

دینی اور دنیاوی مصیبت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مصیبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ یعنی دینی اور دنیاوی۔ دنیاوی مصیبت آسان ہوتی ہے اور زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے البتہ دینی مصیبت بہت مشکل چیز ہے، جو شخص دینی مصیبت میں پڑ گیا۔ وہ ہمیشہ کے لیے خسارے میں پڑ گیا کیونکہ دینی مصیبت مرنے کے بعد بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی اسی لیے حضور علیہ السلام نے یہ دُعا سکھائی ہے اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا اے اللہ صرف دنیا کو ہی ہمارا منتہائے مقصود نہ بنا اور نہ ہی ہمارا مبلغ علم صرف دنیا ہی ہو۔ اور ہماری مصیبت دین کے معاملہ میں نہ بنا۔ ایسا نہ ہو کہ انسان دنیا سے جاتے وقت ایمان اور توحید کی بجائے کفر اور شرک لے کر جائے، پاکیزگی کی بجائے نجاست اُس کے حصے میں آئے، یہی دین کا فتنہ ہے جو انسان کو ہمیشہ کے لیے نقصان میں ڈال دیتا ہے۔

اللہ اور رسول کی اطاعت

اس کے بعد فرمایا وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ پھر اگر تم اطاعت سے روگردانی کرو گے

فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ پس ہمارے رسُول کے ذمے تو کھول کر بیان کر دینا ہے۔ اُس کی ذمہ داری اتنی ہی ہے کہ وہ خدا کا پیغام پہنچا دیتا ہے، اُس پر عمل کر کے دکھا دیتا ہے۔ پھر اگر کوئی نہیں مانتا تو یہ رسول کی ذمہ داری نہیں ہے۔ انسان خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔

فرمایا اَللّٰہُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ معبودِ برحق صرف اللہ کی ذات ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور ایمان والے صرف اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز عارضی اور فانی ہے لہٰذا ان میں سے کسی چیز پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ قابلِ اعتماد صرف اللہ کی ذات ہے جو دائم قائم، ازلی اور ابدی ہے۔ وہی خالق اور مالک ہے، وہ قادرِ مطلق اور علیمِ کل ہے، لہٰذا بھروسہ بھی صرف اُسی پر کیا جا سکتا ہے۔

بیوی بچوں کی دشمنی

بیان کردہ مصیبت کے ضمن میں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ اے ایمان والو! بیشک تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں۔ یہاں پر مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی ساری عورتیں اور ساری اولادیں دشمن نہیں، بلکہ اُن میں سے بعض ایسی ہیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ بعض بیویاں بھی نہایت نیک اور صالحہ ہوتی ہیں اور دین کے معاملے میں پختہ کار بھی۔ وہ نیکی کے کاموں میں خاوندوں کی معاونت کرتی ہیں۔ یہ چیز میاں بیوی دونوں کے لیے سعادت مندی کی علامت ہے۔ اسی طرح بعض اولاد بھی نیک ہوتی ہے جو والدین کے لیے دعائیں کرتی ہے اور اُن کے لیے بخشش کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی آدمی خود تو نیک ہے مگر اس کی بیوی اچھی نہیں ہے تو بقول شیخ سعدیؒ وہ شخص دنیا میں رہتے ہوئے بھی دوزخ میں ہی پڑا ہوا ہے۔

فرمایا بسا اوقات انسان بیوی بچوں کی محبت میں مبتلا ہو کر آخرت کو فراموش کر دیتا ہے جو کہ اُس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ یہ تو آخرت سے محرومی اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل نہ کرنے کے مترادف ہے، اور یہی انسان کی بدبختی کی علامت ہے۔ اسی لیے فرمایا

کہ خبردار رہو کہ تمہاری بعض بیویاں اور بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں۔ اُن کی محبت میں مبتلا ہو کر خدا کی عبادت اور اُس کے ذکر کو نہ چھوڑ بیٹھنا، بلکہ فرائض کو ادا کرتے رہنا، غلط رسومات سے بچتے رہنا۔ اگر تم نے اِن چیزوں کی پرواہ نہ کی تو پھر تمہاری بیویاں اور اولادیں واقعی تمہاری دشمن ثابت ہوں گی۔ فَاحْذَرُوْهُمْ لہٰذا ان سے بچتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بالکل ہی غافل ہو جاؤ۔ بزرگانِ دین کا قول ہے "اَلْعِيَالُ سُوْسُ الطَّاعَاتِ" انسان کے بال بچے اُس کے حق میں گھن ہوتے ہیں۔ جس طرح گھن لکڑی یا اناج کو کھا جاتا ہے، اسی طرح بیوی بچے بھی انسان کی نیکیوں کے ضیاع کا باعث بنتے ہیں۔ فرمایا اِن سے بچتے رہنا اور نیکی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا ورنہ ہمیشہ کے لیے خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

طبرانی شریف میں حضرت ابُو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بیوی بچوں کی بات اس طرح سمجھائی ہے کہ لَيْسَ عَدُوُّكَ الَّذِي اِنْ قَتَلْتَهُ كَانَ فَوْزًا لَّكَ وَاِنْ قَتَلَكَ دَخَلْتَ الْجَنَّةَ وَلٰكِنَّ الَّذِي لَعَلَّهُ عَدُوُّكَ وَلَدُكَ الَّذِي خَرَجَ مِنْ صُلْبِكَ کہ تمہارا دشمن وہ شخص نہیں کہ اگر تو اُسے میدانِ جنگ میں قتل کر دے تو تجھے کامیابی نصیب ہو جائے، یا اگر وہ تجھے قتل کر دے تو تو شہادت کا درجہ پا کر جنت میں چلا جائے، بلکہ تمہارا دشمن تو تمہارا بیٹا ہے جو تمہاری پشت سے برآمد ہوا ہے۔ نیز فرمایا شاید کہ تمہارا بڑا دشمن وہ مال ہو جو تمہارے قبضے میں ہے۔ مال کی وجہ سے بھی لوگ غرور میں مبتلا ہو کر سرکش ہو جاتے ہیں اور محرمات اور غلط رسوم کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ بہرحال مطلب یہی ہے کہ خبردار رہو۔ بیوی، اولاد اور مال کی محبت میں مبتلا ہو کر دین، ایمان اور آخرت کو بالکل فراموش ہی نہ کر دینا۔

ایک صحابیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ جہاد پر جانے کے لیے تیار ہوتے تو اُس کے بیوی بچے فرطِ محبت میں اُن سے لپٹ جاتے اور کہتے کہ ہمیں کس کے بھروسے پر چھوڑ کر جا رہے ہو۔ اس طرح صحابیؓ کے دل میں بعض اوقات کمزوری پیدا ہو جاتی لہٰذا وہ بیوی بچوں پر سختی کرتے تاکہ وہ اس کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں۔

اللہ نے اس سختی سے بھی منع فرمایا ہے۔ فرمایا بیوی بچوں کی دشمنی سے بچنے کا حکم ہے، ان پر سختی کرنا روا نہیں۔ اگر وہ محبت میں آکر کوئی ایسی حرکت کر دیں تو اُسے برداشت کریں۔ وَاِنْ تَعْفُوْا اور اگر تم ان کی غلطی کو معاف کر دو گے وَتَصْفَحُوْا اور درگزر کرو گے وَتَغْفِرُوْا اور بخش دو گے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے۔ بچوں کے حق میں نرمی کا سلوک کرو اور اُن سے نفرت نہ کرو۔ البتہ اُن کے شر سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔

مال اور اولاد فتنہ ہے

فرمایا اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولادیں آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ہر امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے، اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ اس مال کی وجہ سے ہی لوگ بے ایمان ہو جاتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں، خیانت کرتے ہیں اور دیگر ناجائز ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ عیش و عشرت کر سکیں۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آزمائش پر پورا اترنے کی کوشش کرو۔ نہ ناجائز طریقے سے مال کماؤ اور نہ غلط مقام پر خرچ کرو، بلکہ اللہ نے مال دیا تو اس کا حق ادا کرو، زکوٰۃ ادا کرو۔ حج و عمرہ پر خرچ کرو۔ جہاد کے لیے مال صرف کرو، محتاجوں، ناداروں، مسافروں، یتیموں اور بیواؤں پر خرچ کرو، اور پھر جو کچھ بچ جائے وہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہا تھا کہ ماپ تول میں کمی نہ کرو، لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ بلکہ اُن کا حق پورا پورا ادا کرو۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (ہود۔ ۸۶) جو کچھ بچ ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ جس مال میں لوگوں کا حق شامل ہو وہ ہرگز تمہارے لیے بہتر نہیں ہے، اُس سے بچو کہ یہ تمہارے حق میں فتنہ کا باعث ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے، لہٰذا ہر فتنے سے تو پناہ نہیں مانگی جا سکتی۔ اس لیے فرمایا یوں دُعا کیا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ اے اللہ! میں گمراہی میں ڈال دینے والے فتنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس میں تمام فتنے آجائیں گے

خواہ وہ بیوی بچے ہوں یا مال و دولت ہو۔ جن کی وجہ سے انسان گمراہی میں پڑ جائے۔

ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما تھے کہ چھوٹے بچے حسنؓ اور حسینؓ سرخ لباس پہنے گرتے پڑتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آ رہے تھے۔ آپ منبر سے نیچے اترے اور حسنینؓ کو اٹھا کر پیار کیا۔ اور ساتھ کہا کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ان بچوں کو گرتے پڑتے دیکھ کر مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور میں نے انہیں اٹھا لیا۔ مال اور اولاد اسی صورت میں فتنہ ہیں جب کہ انسان اُن کی محبت میں منہمک ہو کر دین کو ہی چھوڑ بیٹھے۔ بعض اوقات انسان بیوی بچوں کی خاطر غلط رسوم ادا کرنے اور مال خرچ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بینڈ باجے ڈھولک، چراغاں، جھنڈیاں اور دیگر شرکیہ اور بدعتیہ رسوم کی وجہ سے انسان دین سے محروم ہو جاتا ہے، اسی لیے مال اور اولاد کو فتنہ کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ البتہ حضور علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مال و اولاد کے فتنہ کی وجہ سے جو کوتاہیاں سرزد ہو جاتی ہیں، وہ نماز پڑھنے، صدقہ خیرات کرنے اور توبہ کرنے سے معاف ہو جاتی ہیں۔ بعض فتنے ہمہ گیر ہوتے ہیں۔ جن کی لپیٹ میں پوری برادری، پوری قوم اور پورا ملک آ جاتا ہے۔ یہ بڑے فتنے ہوتے ہیں۔ اللہ نے ان سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

فرمایا، یاد رکھو! مال اور اولاد تمھارے حق میں فتنہ ہیں وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ اور اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔ خدا کی ذات، وصفات پر صحیح ایمان رکھو فانی چیزوں کو اپنا مقصود حیات نہ بناؤ۔ اور اُن کے ساتھ چلتے ہوئے محتاط رہو۔ مال کی محبت انسانی فطرت میں داخل ہے جیسے اللہ کا فرمان ہے وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ (العٰدیٰت۔ ۸) بیشک مال کی محبت میں انسان سخت پختہ ہے۔ اس کی محبت کی وجہ سے آخرت کو فراموش نہ کرو اور اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے رہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

ع ۲ ۱۲

ترجمہ:- پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس قدر تم طاقت رکھتے ہو، اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو، یہ بہتر ہے تمہاری جانوں کے لیے۔ اور جو شخص بچا لیا گیا اپنے نفس کے بخل سے پس یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ﴿۱۶﴾ اگر تم قرض دو گے اللہ کو قرضِ حسن تو وہ دوگنا کرے گا تمہارے لیے اور بخش دے گا تم کو اور اللہ تعالیٰ قدردان اور بُردبار ہے ﴿۱۷﴾ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا۔ زبردست اور حکمتوں والا ہے ﴿۱۸﴾

ربطِ آیات

سورۃ کی ابتداء میں اللہ نے توحید اور ایمان کی بات بیان فرمائی۔ پھر نبوت و رسالت کے معترضین کو جواب دیا اور جزائے عمل کا ذکر کیا۔ فرمایا قیامت یوم التغابن یعنی ہار جیت کے دن واقع ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس پر ہمارے نازل کردہ نور پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ پھر اللہ نے تکلیف آنے کا فلسفہ بیان فرمایا کہ یہ منجانب اللہ آتی ہے لہٰذا اس میں جزع فزع نہیں کرنا چاہیئے آگے فرمایا کہ بہت سے لوگوں کے حق میں اُن کے بیوی بچے اُن کے دشمن بن جاتے ہیں لہٰذا ان سے محتاط

رہنے کا حکم دیا۔ پھر اللہ نے مال اور اولاد کے متعلق فرمایا کہ یہ آزمائش کا ذریعہ ہے۔ اس میں مبتلا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل نہیں ہو جانا چاہیئے۔

تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب

اب سورۃ کے آخر میں اللہ نے مذکورہ غفلت کو دور کرنے اور امورِ خیر میں دل کھول کر خرچ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ پس اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ جس قدر تم میں طاقت ہے۔ تقویٰ کا معنی بچاؤ ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے ڈر کر معصیت سے بچ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق اتقی کا معنی یہ ہے کہ انسان سب سے پہلے کفر، شرک اور نفاق سے اور پھر معاصی سے بچ جائے اول الذکر بدعقیدگی کی چیزیں اور کبیرہ گناہ ہیں۔ اگر ان سے بچ گیا اور پھر چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی محفوظ رہا تو اس کو کامل درجے کا تقویٰ حاصل ہو جائے گا۔ تقویٰ کا ایک معنی عاجزی بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے مطابق تقویٰ کا مفہوم یہ ہے اَلَّا تَرٰی نَفْسَکَ خَیْرٌ مِّنْ اَحَدٍ کہ تو اپنے آپ کو کسی دوسرے سے بہتر نہ سمجھے بلکہ عاجزی اختیار کرے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرے۔ اللہ نے سورۃ توبہ میں اپنے نیک بندوں کی ایک یہ صفت بھی بیان کی ہے۔ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ (آیت - ۱۱۲) کہ وہ اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک تقویٰ۔ " محافظت بر حدود شرع است " یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ حدودِ شرع میں چونکہ اعتقاد، اور عمل سب کچھ شامل ہے لہٰذا ان سب کی درستگی ضروری ہے۔

بعض مفسرین نے اس مقام پر ایک اشکال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس آیت میں توحسبِ استطاعت تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (آیت - ۱۰۲) اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ بظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ سورۃ آل عمران

میں جہاں مضبوطی سے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اُس تقویٰ سے مراد عقیدے کا تقویٰ ہے یعنی ایمان اور توحید کے معاملہ میں کسی قسم کا ضعف نہیں آنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے کہ وہ کفر اور شرک کو معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف کر دے چونکہ کفر اور شرک کا تعلق عقیدے سے ہے، اس لیے فرمایا کہ عقیدے میں اس طرح تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقوے کا حق ہے۔ انسان کا عقیدہ ہر قسم کی آلائش سے پاک ہونا چاہیئے

اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ سے ڈر جاؤ مَا اسْتَطَعْتُمْ جس قدر تمہاری طاقت ہے تو اس سے مراد اعمال کا تقویٰ ہے کیونکہ اعمال میں کوتاہی قابلِ معافی اور قابلِ رعایت ہے۔ مثلاً اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر پڑھ لے، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹے لیٹے پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر بیمار ہے یا مسافر ہے اور روزہ نہیں رکھ سکتا تو قضا کرے۔ اللہ تعالیٰ کا عام قانون بھی یہی ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ - ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی جان کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ غرضیکہ سورۃ آل عمران میں آمدہ تقویٰ سے مراد عقیدے کا تقویٰ ہے جب کہ اس آیت میں تقویٰ سے مراد اعمال کا تقویٰ ہے لہٰذا دونوں آیات میں فی الحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے۔

سماعت، اطاعت اور انفاق

فرمایا حسبِ استطاعت اللہ سے ڈرو۔ وَاسْمَعُوْا اور سنو یعنی اللہ اور اس کے رسُول کی بات کو سنو، قانون پر عملدرآمد کے لیے سماعت پہلی منزل ہے۔ جو شخص سنے گا، پھر سمجھے گا تو اُس پر عمل بھی کریگا۔ اور جو شخص کسی بات کو سننے کے لیے ہی تیار نہ ہو، اُس سے عمل کی اُمید کیا ہو سکتی ہے؟ اس لیے فرمایا سنو وَاَطِيْعُوْا اور اطاعت کرو۔ جو کچھ حکم دیا جا رہا ہے اُس کو بسر و چشم قبول کرو اور پھر اُس کے مطابق عمل پیرا ہو جاؤ آگے فرمایا وَاَنْفِقُوْا اور خرچ کرو۔ سورۃ منافقون میں گزر چکا ہے وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ (آیت - ۱۰) جو کچھ ہم نے روزی دی ہے اُس میں سے خرچ کرو۔ یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ کے عطا کردہ مال میں سے خرچ کرو۔ جہاں تک خرچ کی مدات کا تعلق ہے تو ان کا تذکرہ بھی مذکورہ سورۃ میں ہو چکا ہے کہ سب سے

پہلے فرائض کو پورا کرو۔ مال نصاب کو پہنچ گیا ہے تو زکوٰۃ ادا کرو، صدقہ فطر دو، قربانی کرو پھر غریبوں محتاجوں، مسکینوں، مسافروں، ہمسایوں اور اقربا پر خرچ کرو۔ لوگوں کے حقوق ادا کرو ــــــــــ اور مستحبات پر خرچ کرو، حج وعمرہ اور دیگر عبادات پر خرچ کرو خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ایسا کرنا تمھارے لیے بہتر ہے کیونکہ بخل اچھا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ (محمد-۳۸) جو شخص بخل کرتا ہے اُس کا وبال اُس کے اپنے نفس پر ہی پڑتا ہے۔ یہی مضمون اللہ نے یہاں بھی بیان فرمایا ہے وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ جس کو اس کے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا، پس یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں بخل، حرص اور لالچ بداخلاقی کی باتیں ہیں، اور بخل خاص طور پر بدترین بیماری ہے کتنے افسوس کا مقام ہے کہ لوگ ناجائز اور فضول رسومات پر تو بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ مگر نیکی کے کام پر خرچ کرنے سے اعراض کرتے ہیں یہی بخل ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ بسا اوقات انسان اولاد کی خاطر بخل کرتا ہے تاکہ ان کے لیے مال جمع رہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی فرضیت میں دو مصالح ہیں۔ ایک مصلحت تو خود زکوٰۃ دہندہ کے لیے ہے کہ اس کے نفس سے بخل کا مادہ خارج ہوتا ہے اور اس کی بجائے فیاضی کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور دوسری مصلحت محتاجوں کی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے اُن کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ خرچ کرو تاکہ تمھاری طبیعتوں میں سے بخل کا مادہ نکل جائے

قرضِ حسن

آگے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو قرضِ حسن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دو گے يُضَاعِفْهُ لَكُمْ تو خدا تعالیٰ اُسے دُگنا کر کے تمھیں لوٹائیگا۔ عام اصطلاح میں قرضِ حسن وہ ہوتا ہے جو کسی ضرورتمند کو بغیر سود، احسان یا تکلیف کے دیا جائے۔ یہ قرضہ قابلِ واپسی ہوتا ہے تاکہ مقروض اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد واپس کر دے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جو آدمی صدقہ کرتا ہے اُسے اس کا کم از کم دس گنا بدلہ ملتا ہے اور جو قرضِ حسن دیتا ہے

اسے دگنا ملتا ہے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ قرضِ حسن دو، اللہ تمہیں دگنا عطا کرے گا۔ البتہ یہاں پر قرضِ حسن سے مراد قابلِ واپسی قرضہ نہیں بلکہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے بالخصوص جہاد کے لیے خرچ کرنے کو قرضِ حسن کہا گیا ہے۔

موجودہ زمانے میں بخل کی بیماری عام ہے جس کی وجہ سے لوگ قرضِ حسن سے اعراض کرتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں بنکاری کا نظام رائج ہے اور لوگوں کو سود کا چسکا پڑ چکا ہے، لہٰذا اکثر لوگ اپنی رقوم بنکوں میں جمع کر کے نفع حاصل کرتے ہیں یا مختلف سکیموں میں سرمایہ کاری کر کے دگنا چوگنا کماتے ہیں۔ کہیں انشورنس ہے، کہیں انعامی بانڈز ہیں۔ کہیں پانچسالہ یا دس سالہ سکیمیں ہیں۔ گویا اس نظام کی بہت سی شکلیں ہیں جو یہودیوں کی ایجاد کردہ ہیں اور جنہوں نے ساری دنیا کو اپنی پیٹ میں لے رکھا ہے، لہٰذا کوئی شخص آسانی سے قرضِ حسنہ دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ ادھر قرض لینے والے بھی لے تو لیتے ہیں مگر آسانی سے واپس نہیں کرتے بلکہ بعض تو بالکل ہی پی جاتے ہیں۔ یہ بھی بہت بُری بات ہے اور قرضِ حسن کے راستے میں ایک رکاوٹ ہے، تاہم مال ہوتے ہوئے کسی ضرورت مند کو نہ دینا اس سے بھی بُری بات ہے۔ اس ضمن میں جانبین کا رویہ قابلِ اصلاح ہے۔

انفاق فی الجہاد

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے اس آیت میں انفاق سے مراد بالخصوص جہاد کے لیے خرچ کرنا ہے۔ عام انفاق کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام، ۱۶۱) جو ایک نیکی کرتا ہے۔ اُس کا بدلہ دس گنا ہے، یعنی ایک روپیہ خرچ کرنے پر دس روپے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ البتہ جہاد کے لیے خرچ کرنے کا اجر سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور جس کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد نہیں ہے، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے جہاد کے موقع پر اللہ کے راستے میں ایک اونٹنی مع سازوسامان دی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس کے بدلے میں تمہیں سات سو اونٹنیاں مع سازوسامان عطا فرمائے گا۔

فرمایا اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دگنا اجر عطا کرے گا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور تمہاری غلطیاں بھی معاف فرمائے گا۔ کیونکہ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ بہت قدر دان اور بردبار ہے۔ شکور کا معنی شکر ادا کرنا بھی ہوتا ہے۔ اور شکر قبول کرنا

بھی ۔ یہاں پہ قدردانی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ خرچ کرنے والے کا شکریہ قبول کرتا ہے ۔ اور اُس کی قدردانی کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ بے حد قدردان ہے اور ایک درہم خرچ کرنے پر سات سو درہم عطا کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ وہ حلیم یعنی بردبار اور تحمل والا بھی ہے ۔ وہ کسی نافرمان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اُسے مہلت دیتا ہے ۔ شاید کہ وہ سدھر جائے ۔ اللہ کا فرمان ہے ۔ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ (القلم ۔ ۴۵) میں ڈھیل دیتا رہتا ہوں ورگرنہ میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ، جب چاہوں کسی مجرم کو پکڑ لیتا ہوں ۔ اسی لیے کسی نے کہا ہے ۔

تو مشو مغرور بر حلم خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

تجھے خدا تعالیٰ کی بردباری پہ مغرور نہیں ہونا چاہیئے ۔ وہ دیر سے پکڑتا ہے ، مگر اُس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے

عالم الغیب والشہادت

آگے اللہ نے اپنی صفت علم محیط کا ذکر فرمایا ہے عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ مخفی اور ظاہر سب چیزوں کو جاننے والا ہے ۔ یہ ظاہر اور پوشیدہ مخلوق کے اعتبار سے ہے ورگرنہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے ۔ وہ انسان کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے ۔ اُس کا فرمان ہے وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (یونس ۔ ۶۱) تیرے پروردگار سے تو ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے ۔

بہرحال مخفی اور ظاہر کا ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ انسان کو ہمیشہ اپنی فکر کرنی چاہیئے اس کا ہر چھوٹا بڑا عمل بلکہ عقیدہ نیت اور ارادہ بھی اللہ کی نگاہ میں ہے ۔ جو بھی نیکی کا کام خلوص نیت سے کریں گے ، اللہ تعالیٰ اُس کی قدر کرے گا ۔ وہ اَلْعَزِیْزُ یعنی زبردست اور کمال قدرت اور کمال قوت کا مالک ہے ، جب وہ کسی کی گرفت کرتا ہے تو اس کے سامنے کوئی چیز مزاحم نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ وہ کمال قوت کا مالک ہے ۔ نیز وہ اَلْحَكِیْمُ بھی ہے اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے وہ ہر کام حکیمانہ انداز میں کرتا ہے ———

سورة

الطّلاق

(مکمّل)
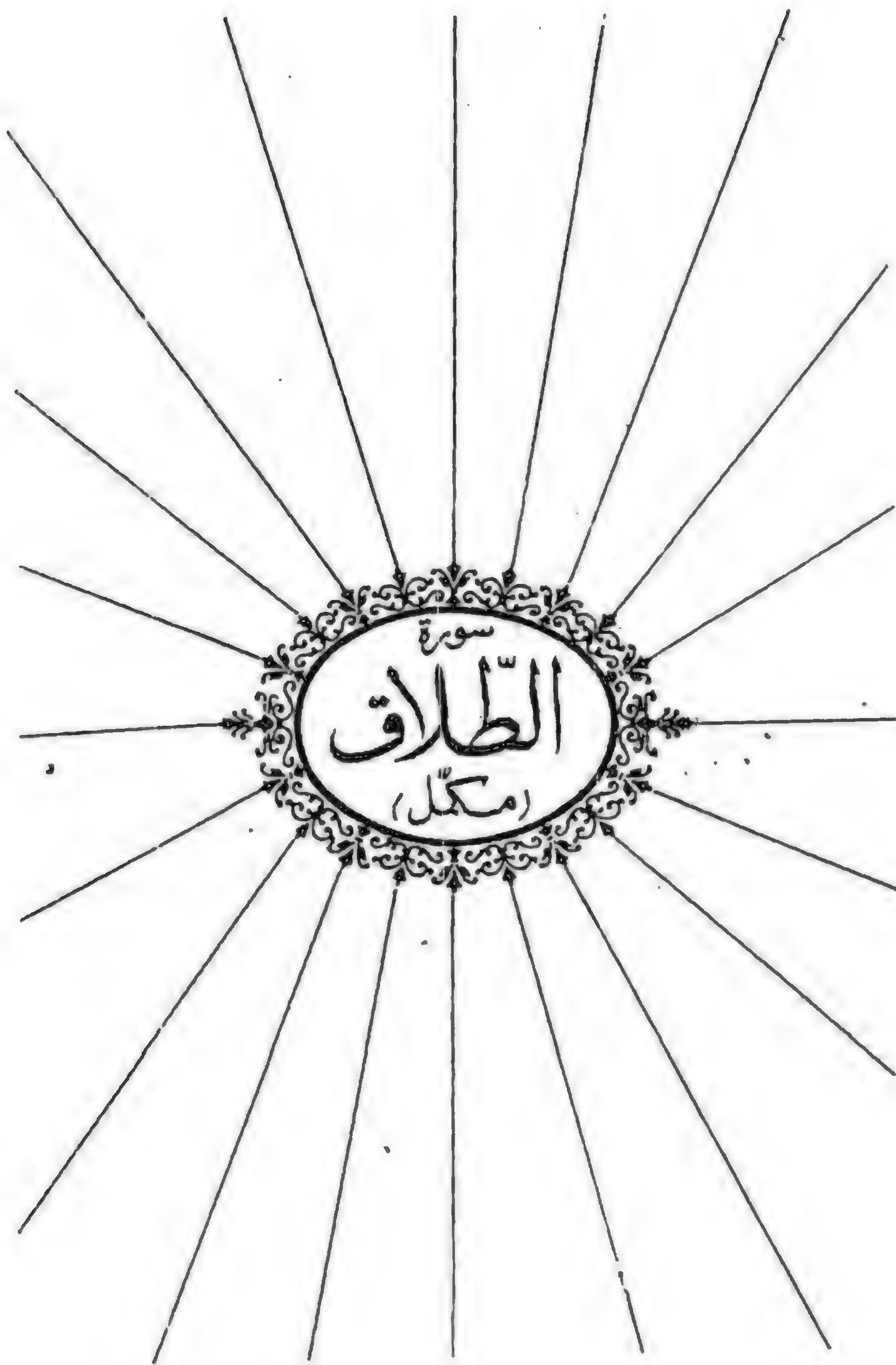
سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ طلاق مدنی ہے اور یہ بارہ آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

ترجمہ :- اے نبی ! جب تم طلاق دو عورتوں کو ، پس طلاق دو اُن کو عدت پر ، اور شمار کرو عدت کو ، اور ڈرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ۔ اور نہ نکالو اُن عورتوں کو اُن کے گھروں سے ، اور نہ نکلیں وہ خود بھی سوائے اس کے کہ وہ کوئی صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں ۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ، اور جو شخص تعدی کرے گا ، اللہ کی حدوں سے ، پس بے شک اس نے ظلم کیا اپنی جان پر ۔ وہ نہیں جانتا (وہ طلاق دینے والا) شاید کہ اللہ تعالیٰ پیدا کر دے اس کے بعد کوئی

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الطلاق ہے کیونکہ اس میں طلاق کے بعض احکام مذکور ہیں۔ یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی، اس کی بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں، اور یہ سورۃ ۲۴۷ الفاظ اور ۱۰۷۰ حروف پر مشتمل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق اس سورۃ کو سورۃ الطلاق القصریٰ یعنی چھوٹی سورۃ طلاق کہا گیا ہے کیونکہ عائلی قوانین زیادہ تر سورۃ البقرہ میں نازل ہوئے ہیں اور یہ سورۃ اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

گذشتہ سورۃ میں زیادہ تر مسلمانوں کے اجتماعی معاملات بیان ہوئے۔ بنیادی عقائد میں مسئلہ توحید، رسالت، قیامت اور جزائے عمل کا ذکر ہوا اور پھر انفاق فی سبیل اللہ اور خدا خوفی کا مسئلہ بیان ہوا۔ اللہ نے مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا اور یہ بھی کہ تمہاری بعض عورتیں اور بعض اولادیں تمہارے حق میں دشمن ہیں، لہٰذا ان سے بچتے رہیں۔ فرمایا نہ تو ان کے خلاف انتقامی کارروائی کرنا اور نہ ہی ان کی محبت میں مبتلا ہو کر اللہ کے ذکر سے غافل ہو جانا۔

اب اسی ضمن میں فرمایا ہے کہ اگر تمہاری عورتوں کی دشمنی حد سے بڑھ جائے تو پھر طلاق کی نوبت آجاتی ہے، چنانچہ اس سورۃ میں اللہ نے طلاق کے بعض مسائل، مطلقہ عورتوں کی مختلف قسمیں اور عدت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

نبی یا امت سے خطاب

اس سورۃ کا آغاز نبی سے خطاب کے ساتھ ہوتا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی! اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ جب تم عورتوں کو طلاق دو۔ یہاں پر یہ امر قابل غور ہے کہ خطاب پیغمبر علیہ السلام کی ذات سے کر کے آگے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام سے خطاب کر کے ساری امت کو سمجھانا مقصود ہے، اس لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ نبی کو خطاب اس لیے کیا گیا ہے کہ نبی پوری امت کا سردار ہوتا ہے، اور سردار کے حکم میں باقی لوگ بھی شامل ہوتے ہیں، لہٰذا سب کے لیے جمع کا صیغہ آیا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ کے بعد لفظ قُلْ محذوف ہے اور معنی یہ کہ اے نبیؐ! آپ امت کے لوگوں کو کہہ دیں کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو۔

فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ تو اُن کو عدت پر طلاق دو۔

شانِ نزول

اِن آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ایک بیوی حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ کو ایک طلاق دے دی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور اللہ نے حضور علیہ السلام کو رجوع کا حکم دیا کیونکہ حضرت حفصہؓ صَوَّامَۃ قَوَّامَۃ بکثرت روزے رکھنے والی اور بہت عبادت کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ کے لیے بشارت تھی کہ حضرت حفصہؓ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوگی، لہٰذا حضور علیہ السلام نے رجوع کر لیا۔

البتہ شانِ نزول کے ضمن میں زیادہ مشہور واقعہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ہے۔ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی۔ حضرت عمرؓ نے یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ عبد اللہؓ نے غلط کام کیا ہے، اس کو کہو کہ رجوع کرے۔ چونکہ انہوں نے صرف ایک طلاق دی تھی لہٰذا رجوع کر لیا۔ اس سورۃ میں اللہ نے اس مسئلہ کی بھی وضاحت فرمادی ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق نہیں دینی چاہیے۔ بلکہ اگر اس کے بغیر بالکل چارہ نہ ہو۔ تو پھر ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں میاں بیوی کا ملاپ نہ ہوا ہو۔

نکاح اور طلاق

طلاق کا لغوی معنیٰ بندش کو کھول دینا، چھوڑ دینا یا آزاد کر دینا ہے۔ اللہ نے طلاق کا حق مردوں کو دیا ہے جیسے فرمایا بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرۃ - ۲۳۷) یعنی نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے وہی اس کو بصورت طلاق کھولنے کا مجاز ہے مطلب یہ کہ نکاح کا اعتبار مرد سے ہے اور طلاق کی صورت میں عدت کا اعتبار عورت سے ہوتا ہے۔ کیونکہ عدت اُسے پورا کرنا ہوتی ہے۔ طلاق ایک ناپسندیدہ امر ہے جب ایک مرد اور ایک عورت آپس میں نکاح کرتے ہیں تو وہ اس تعلق کو تازیست قائم رکھنے کا عہد کرتے ہیں۔ پھر اگر اُن کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے اور نباہ نہ ہوتا ہو تو قرآن پاک کا حکم یہ ہے کہ سب سے پہلے خود میاں بیوی ایسے تنازعہ کو سلجھانے کی کوشش کریں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو عورت اور مرد کے عزیز و اقارب یا سرپرست

مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں تاکہ طلاق کی نوبت نہ آئے۔ کیونکہ شریعت کی رو سے نکاح کی ادامت مقصود ہے۔ اور اگر کوشش کے باوجود نباہ کی کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر شریعت نے میاں بیوی میں جدائی کی اجازت دی ہے، اور اسی کا نام طلاق ہے

دیگر مذاہب کے ساتھ تقابل

طلاق کے مسئلہ میں دیگر مذاہب افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ یہودیوں میں طلاق کو ایک معمولی چیز سمجھا جاتا ہے، جب چاہا بلا قصور طلاق دے دی۔ اور پھر عورت کے لیے بھی کوئی پابندی نہیں، وہ طلاق کے فوراً بعد نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہے۔ اس کے برخلاف نصاریٰ میں از روئے انجیل طلاق کی گنجائش بہت کم ہے۔ عورت کے زانیہ ثابت ہونے کے علاوہ طلاق کے لیے کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ اگر اس واحد عذر کے بغیر کوئی شخص طلاق دے دے تو وہ طلاق ہی شمار نہیں ہوتی اور اگر ایسی عورت نکاح ثانی کر لے تو وہ زنا شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں نکاح تا زیست ہوتا ہے۔ اور طلاق کی کوئی گنجائش نہیں خواہ حالات کتنے بھی خراب ہو جائیں۔ غرضیکہ دیگر مذاہب میں اس مسئلہ میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے اعتدال کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ اگرچہ اسلام میں نکاح تا زیست ہوتا ہے جس نے نباہ کی صورت میں فی الجملہ آزادی کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے۔

طلاق کے لوازمات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے أَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ اللہ کے نزدیک جائز امور میں مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔ اگرچہ طلاق کو پسند نہیں کیا گیا مگر اشد ضرورت کے وقت یہ حق استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب میاں بیوی کا نباہ نہ ہو سکے اور دینی یا معاشرتی لحاظ سے خرابیاں پیدا ہو رہی ہوں تو پھر آزادی کا راستہ بھی موجود ہے۔ تاہم طلاق کے معاملہ میں بعض پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں۔ طلاق دیتے وقت مناسب اور موزوں وقت کا لحاظ ضروری ہے اور طلاق کی تعداد کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔ پھر اگر طلاق دے دی جائے تو نکاح ثانی سے پہلے عورت کے لیے مقررہ عدت گزارنا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مرد و زن کے نکاح

کا تعلق ایک عظیم تعلق ہے جس کا حق عدت کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے نسب وغیرہ میں کوئی اشتباہ واقع نہ ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر عورت حاملہ ہو تو نکاح ثانی سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کی نسل کا تعین ہونا ضروری ہے اسی مقصد کے لیے عورت کو عدت گزارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خلع اور طلاق بالمال

پہلے میں نے عرض کیا ہے کہ اللہ نے طلاق کا تعلق مرد کے ساتھ رکھا ہے۔ اور عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔ جس کا ذکر سورۃ البقرہ میں موجود ہے۔ ایک خلع ہے اور ایک طلاق بالمال۔ اگر زوجین کے درمیان تنازعہ شدت اختیار کر جائے اور مرد طلاق دینے کے لیے تیار نہ ہو۔ جب کہ عورت اس سے گلو خلاصی چاہتی ہو تو ایسی صورت میں عورت عدالت مجاز کی طرف رجوع کر کے اپنا معاملہ پیش کر سکتی ہے۔ عدالت فریقین کے دلائل سننے کے بعد اگر مناسب سمجھے تو میاں بیوی میں تفریق یا علیحدگی کرا سکتی ہے۔ ایسی صورت میں مرد کی طرف سے طلاق کی بھی ضرورت نہیں ہے البتہ اگر فریقین رضامند ہوں تو عورت کچھ مال دے کر بھی مرد کو خلع پر راضی کر سکتی ہے اس مقصد کے لیے عورت حق مہر واپس کر سکتی ہے۔ اگرچہ اس سے زیادہ مال طلب کرنے پر خاوند گنہگار ہوتا ہے۔ تاہم عورت اور مرد کی رضامندی سے کچھ مزید مال بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ خلع کے بعد عورت عدت گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

دوسری صورت طلاق بالمال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی طلاق لینا چاہے تو مرد کسی مال کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ جس کے عوض وہ طلاق دینے پر راضی ہو جائے گا۔ اگر بیوی مطلوبہ مال دے کر گلو خلاصی کرانے پر تیار ہو تو اس مال کے بدلے میں خاوند اپنی بیوی کو باقاعدہ طلاق دے دیگا۔ یہ طلاق بالمال ہے۔ اس کے بعد عورت عدت پوری کر کے نکاح ثانی کرنے کی مجاز ہو گی۔

طلاق کا صحیح طریقہ

طلاق دینے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔ اس سے طلاق کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ یعنی تین حیض گزرنے پر عدت پوری ہو جائیگی اور عورت نکاح ثانی کے لیے آزاد ہو گی۔

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ طلاق دینے کے بعد میاں بیوی کو سوچنے سمجھنے کے لیے کم و بیش تین ماہ کا وقت مل جائے گا۔ اگر اس دوران میں فریقین کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو مرد رجوع بھی کر سکتا ہے اور اس کے لیے دوبارہ نکاح کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ اور اگر تین حیض گزر جائیں تو پھر بھی مرد و زن باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ یا عورت دوسری جگہ بھی نکاح کر سکتی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ایک طلاق رجعی دی گئی ہو یعنی طلاق دیتے وقت ڈرانے دھمکانے کی نیت ہو۔ اور اگر طلاق دیتے وقت بالکل جدائی کی نیت تھی۔ تو پھر یہ طلاق بائن ہوگی۔ اور اگر میاں بیوی عدت کے اندر بھی دوبارہ ملنا چاہیں تو دوبارہ نکاح کر کے ایسا کر سکتے ہیں۔

طلاق کا دوسرا صحیح طریقہ سنت کہلاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے حتمی فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ عورت کو کسی صورت میں بھی نہیں رکھنا چاہتا — اور ایک سے زیادہ طلاقیں دینے پر ہی بضد ہے تو پھر اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے۔

پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے۔ اور اگر اب تک وہ اپنے فیصلے پر قائم ہے تو پھر تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے دے، اب یہ طلاق مغلظہ ہو گئی، اور رجوع نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر عورت کسی دوسری جگہ نکاح کرے اور پھر وہاں سے طلاق ہو جائے یا عورت بیوہ ہو جائے تو اس صورت میں اگر وہ پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے، عدت گزارنے کے بعد۔

طلاق بدعت

تیسری قسم کی طلاق طلاقِ بدعت کہلاتی ہے، یہ ایسی طلاق ہوتی ہے جو حیض کی حالت میں دی جائے۔ یا طہر کی حالت میں تین طلاقیں بیک وقت دے دی جائیں۔ ایسی طلاق نافذ تو ہو جائے گی۔ مگر طلاق دینے والا گناہ کا مرتکب ہوگا اور عورت مغلظہ ہو کر جدا ہو جائے گی۔ اب نہ تو رجوع ہو سکتا ہے اور نہ ہی دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ اس کی تشریح حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایات میں موجود ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر حیض کے دوران تین طلاقیں دے دی جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا طلاق نافذ ہو جائے گی اور ایسا غلط طریقہ اختیار کرنے پر حکم جاری ہوگا اور عورت

بھی اُس سے جدا ہو جائے گی وَعَصَيْتَ رَبَّكَ اور رب تعالیٰ کا نافرمان بھی ہوگا۔

اس مسئلہ میں شیعہ، ظاہریہ اور غیر مقلد حضرات اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اس صورت میں بھی رجوع کے قائل ہیں کیونکہ اُن کے مطابق بیک وقت تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی ہے۔ البتہ چاروں امام (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) اور جمہور صحابہؓ، تابعینؒ اور محدثینؒ کہتے ہیں کہ یہ طلاق مغلظہ ہو کر نافذ ہو جاتی ہے۔

عدت کا شمار

فرمایا اے پیغمبرؐ! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت پر طلاق دو وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ اور عدت کو شمار کرو تاکہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے، عورت کو طہر کے دوران طلاق دی جائے اور پھر تین حیض کی گنتی پوری کی جائے۔ سورۃ البقرہ میں ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (آیت - ۲۲۸) کے الفاظ آتے ہیں۔ قرء کا معنی حیض بھی آتا ہے اور طہر بھی۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ اس سے حیض مراد لیتے ہیں۔ یعنی کسی طہر میں طلاق دینے کے بعد تین حیض کی عدت ہوگی۔ اگر حیض کی حالت میں طلاق دی جائے تو پھر عدت کا صحیح ٹھیک طریقے سے شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ جس حیض میں طلاق دی جائے گی اُس کو پورا شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کے کچھ ایام پہلے گزر چکے ہوں گے۔ اور اگر اس حیض کو بالکل نظر انداز کر کے اس کے علاوہ تین حیض شمار کیے جائیں۔ تو اس حیض کا کچھ حصہ تین سے بڑھ جائے گا۔ لہٰذا سنت طریقہ یہی ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے۔

عدت کے دوران سکونت

چونکہ عدت کے شمار کرنے میں حلال و حرام کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ عدت کو شمار کیا کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ اور اس معاملہ میں اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو کہ کہیں اُس کے احکام کی خلاف ورزی کر کے مستوجب سزا نہ بن جاؤ۔ اور دوران عدت عورت کی رہائش کے متعلق فرمایا لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ اُن کو دوران عدت اُن کے گھروں سے زبردستی نہ نکالو۔ مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کے گھر میں ہی عدت کے ایام پورے کرے۔ طلاق دینے کے فوراً بعد اُسے گھر سے نہ نکال دو۔ وَلَا يَخْرُجْنَ اور عورتیں خود بھی اُس گھر سے نہ نکلیں، بلکہ صبر کر کے

بیٹھی رہیں۔ یہاں تک کہ عدت کے دن پورے ہو جائیں۔ ہاں ایک صورت میں ایسی گھر سے نکالا جا سکتا ہے۔ اِلَّآ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عورت کا گھر سے خود بخود چلا جانا بھی بے حیائی کی تعریف میں آتا ہے۔ چوری کرنا یا زنا کا مرتکب ہونا بھی بے حیائی کا کام۔ البتہ اگر وہ کسی ایسے جرم میں ملوث ہو جائے تو پھر اُس پر حد جاری کرنے کے لیے گھر سے نکالا جا سکتا ہے۔ بعض دیگر عذر بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً گھر میں بالکل اکیلی ہے اور حفاظت کا معقول انتظام نہیں ہے۔ تو دوسری جگہ جا سکتی ہے۔ یا گھر کا ماحول ایسا ہے کہ لڑائی جھگڑا اور بدزبانی ہوتی رہتی ہے تو پھر بھی مطلقہ دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے۔ فاطمہ بنت قیسؓ کا یہی مسئلہ تھا۔ وہ اپنے دیور اور نند وغیرہ سے تلخ کلامی کرتی تھی تو حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ وہ اپنے چچازاد یا خالہ زاد کے گھر میں جا کر عدت گزارے۔

فرمایا وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں کہ صحیح وقت پر طلاق دو اور پھر عدت کی گنتی کر پوری کرو۔ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ اور جس نے اللہ کی حدوں سے تجاوز کیا۔ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ بے شک اُس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ وہ عند اللہ سزا کا مستحق ہوگا۔ فرمایا عورت کا اُسی گھر میں رہنا اس لیے ضروری ہے لَا تَدۡرِىۡ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا کیونکہ اُس کو علم نہیں شاید کہ اُس کے بعد اللہ اس کے لیے کوئی صورت پیدا کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک یا دو طلاقیں ہوئی ہیں تو رجوع کا امکان ہو سکتا ہے ہاں اگر حالات ایسے ہوں کہ عورت وہاں نہیں رہ سکتی، تو پھر باامر مجبوری دوسری جگہ جا سکتی ہے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ② وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③

ترجمہ:۔ پھر جب مطلقہ عورتیں اپنی مدت تک پہنچ جائیں پس روک رکھو ان کو دستور کے مطابق یا جدا کر دو دستور کے مطابق ۔ اور گواہ بنا لو دو عادل گواہ اپنے میں سے ۔ اور قائم کرو شہادت کو اللہ کے لیے ۔ اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ۔ اور جو شخص ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے ، بناتا ہے اللہ اس کے لیے (مشکل سے) نکلنے کا سامان ② اور روزی دیتا ہے اُس کو جہاں سے اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا ۔ اور جو شخص بھروسہ کریگا اللہ کی ذات پر تو وہ اس کے لیے کفایت کرنے والا ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ پورا کرنیوالا ہے اپنی بات کو ۔ تحقیق ٹھرایا ہے اللہ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ ③

ربطِ آیات

پچھلی آیت میں اللہ نے طلاق کا قانون بیان فرمایا کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہی پڑے تو پھر ایسے صحیح وقت پر طلاق دو کہ عدت کی مدت ٹھیک شمار ہو سکے ۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق طہر کی حالت میں دینی چاہیئے، تاکہ تین حیض کا وقفہ واضح طور پر معلوم کیا جا سکے ۔ پھر فرمایا کہ دورانِ عدت عورتوں کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں ۔ البتہ اگر عورت کسی بےحیائی کے کام کی مرتکب ہو یا کوئی دوسرا معقول عذر ہو، تو پھر اُسے گھر سے نکالا جا سکتا ہے، فرمایا یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، ان کی پاسداری کرو، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی بہتر صورت پیدا کر دے ۔

رجوع یا جدائی بمطابق دستور

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ ایک یا دو طلاقوں کے بعد رجوع ہو سکتا ہے البتہ اگر تینوں طلاقیں دے دی جائیں تو پھر مرد و زن میں مکمل جدائی ہو جاتی ہے تاہم نکاح ثانی سے پہلے عورت کے لیے عدت پوری کرنا ضروری ہے ۔ آج کی پہلی آیت میں اسی سلسلے میں نصیحت کی بات کی گئی ہے، رجعی طلاق کے بعد عدت کی مدت قریب الاختتام ہو تو اُس وقت کیا کرنا چاہیئے ؟ ارشاد ہوتا ہے فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ پھر جب وہ عورتیں، جن کو ایک یا دو طلاقیں دی جا چکی ہیں، اپنی مدت کو پہنچ جائیں یعنی اُن کی عدت قریب الاختتام ہو ۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ پس اُن کو روک لو دستور کے مطابق ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر طلاق رجعی دی ہے ۔ تو رجوع کر لو یا اگر طلاق بائن ہے تو دوبارہ نکاح کر کے عورت کو جدا ہونے سے روک لو ۔ اور اگر پورے غور و خوض کے بعد بھی عورت کو جدا کرنے کا ہی فیصلہ کیا ہے تو فرمایا اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ یا پھر جدا کر دو دستور کے مطابق ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر عورت کو روک لیا ہے تو آئندہ زندگی خوش اسلوبی سے بسر کرو ۔ رجوع کے بعد پہلی رنجشوں کو فراموش کر دو اور آئندہ ایک دوسرے کو شکایت کا موقع نہ دو ۔ اور اگر طلاق کو نافذ کرنا ہی مقصود ہے تو پھر عدت پوری ہونے پر عورت کو شریفانہ طریقے پر رخصت کرو، اگر ہو سکے تو ایک جوڑا کپڑے یا کوئی اور تحفہ دے کر رخصت کرو

اور جدا ہوتے وقت کوئی دنگا فساد یا گالی گلوچ نہ کرو۔

جاہلیت کے زمانے میں عام طور پر مطلقہ عورت کو ـــــ بڑا تنگ کیا جاتا تھا۔ بعض اوقات لوگ عورت کو طلاق دے دیتے، پھر جب عدت قریب الاختتام ہوتی تو رجوع کر لیتے۔ کچھ عرصہ بعد پھر طلاق دیتے اور پھر رجوع کر لیتے۔ اس طرح گویا نہ تو عورت کو باقاعدہ آباد کرتے اور نہ اسے آزاد کرتے کہ وہ دوسری جگہ نکاح کر سکے۔ اس طرح وہ عورتوں کو تنگ کرتے، مگر اسلام نے واضح حکم دیا کہ یا تو دستور کے مطابق رجوع کر کے عورت کو روک لو یا پھر مکمل طور پر آزاد کر دو، محض تنگ کرنے کے لیے طلاق اور رجوع نہ کرو۔

گذشتہ درس میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ اگر عورت کو ڈرانا دھمکانا مقصود ہو اور جدا کرنا مقصود نہ ہو تو ایسی ایک یا دو طلاقیں رجعی کہلاتی ہیں، اور عدت کے ختم ہونے سے پہلے پہلے آدمی بغیر دوبارہ نکاح کیے رجوع کر سکتا ہے۔ اور اگر طلاق دیتے وقت مکمل جدائی کی نیت تھی تو ایسی طلاق بائن کہلاتی ہے۔ اسی طرح اگر صریح لفظ طلاق کی بجائے کنایہ کی صورت میں کہا ہے کہ " جا اپنے گھر چلی جا، میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں' یا "تو مجھ پر حرام ہے۔" اور نیت مکمل جدائی کی ہے، تو پھر بھی طلاق بائن ہو گی۔ اور اس صورت میں عدت کے اندر یا عدت کے باہر دوبارہ نکاح کر کے عورت کو دوبارہ آباد کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر تیسری طلاق بھی دے دی جائے تو پھر وہ طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے۔ اب نہ تو بغیر نکاح کے رجوع ہو سکتا ہے اور نہ نکاح کر کے عورت کو روکا جا سکتا ہے، بہرحال فرمایا کہ دو طلاقوں تک کی صورت میں تم عورتوں کو دستور کے مطابق روک لو یا دستور کے مطابق جدا کر دو۔

دو عادل گواہوں کی ضرورت

فرمایا ایسا کرتے وقت وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ اپنے میں سے دو عادل گواہ بنا لو۔ گواہ ایماندار بھی ہوں اور انصاف پسند بھی، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ دو گواہ بنانا مستحب ہے۔ یہ حکم بھی ایسا ہی ہے، جیسے سورۃ البقرہ میں تجارت یا دیگر لین دین کے معاملہ میں گواہ بنانے کی تاکید کی گئی ہے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بعد میں اگر کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو گواہوں کی گواہی کی روشنی میں نپٹایا جا سکے۔ یا اگر

تحریر کر لی جائے تو بھی درست ہے تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے۔

اللہ نے یہ حکم بھی دیا ہے۔ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ اور گواہوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ کے لیے گواہی دیں یعنی ضرورت پڑنے پر اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے صحیح صحیح گواہی دیں اور کسی فریق کے کہنے سننے یا لالچ دینے کی وجہ سے گواہی میں ردوبدل نہ کریں بلکہ جو کچھ انہیں علم ہے صحیح صحیح بتا دیں۔ انہیں اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں ہونی چاہیئے کہ سچی گواہی دینے سے کسی کا فائدہ ہوتا ہے یا نقصان، حتیٰ کہ اگر اپنے عزیز و اقارب کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو اس سے اعراض نہ کریں۔ سورۃ البقرہ میں وعید بھی آئی ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ (آیت۔ ۱۴۰) اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے۔ جو اس گواہی کو چھپاتا ہے، جو اللہ کے حکم سے اُس پر لازم آتی ہے۔

نصیحت کی بات

فرمایا ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ان باتوں کے ذریعے اُس شخص کو نصیحت کی جا رہی ہے، جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کا ایمان پختہ ہوگا۔ وہ گواہی دیتے وقت کوئی ہیرا پھیری نہیں کرے گا۔ بلکہ ٹھیک ٹھیک گواہی دے گا۔ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ بڑا ظلم کیا جاتا تھا۔ انہیں ذلیل سمجھا جاتا اور قیدیوں کی طرح رکھا جاتا۔ اللہ نے اور اُس کے رسُول نے ایسے مظالم سے منع کیا ہے اور دستور کے مطابق نکاح کرنے اور دستور کے مطابق طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ عورتوں کو مارنا پیٹنا، دھکے دینا، گالی گلوچ کرنا ہرگز روا نہیں، بلکہ اُن کو اُن کے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔ اللہ نے بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں حتیٰ کہ ہر نبی کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ لوگوں سے ظلم و زیادتی کو دور کریں۔ کسی کی حق تلفی نہ ہو، کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ بلکہ تمام معاملات حق و انصاف کے ساتھ طے کئے جائیں۔ اللہ نے دین اور شریعت کو دنیا میں نافذ کیا ہے۔ مگر اس سے وہی شخص فائدہ اٹھاتا ہے۔ جو اللہ کی وحدانیت اور وقوعِ قیامت پر

یقین رکھتا ہے۔ اگر ان چیزوں پر ایمان نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جزائے عمل کا منکر ہے اور اسی وجہ سے، وہ قانون کی خلاف ورزی کر کے ظلم و جور کا مرتکب ہوتا ہے۔

خوفِ خدا ذریعہ نجات ہے

اس کے بعد فرمایا وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے لیے مشکل سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتا ہے وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ اور اُس کو ایسی جگہ سے روزی عطا کرتا ہے۔ جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔ اگر وہ شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہے، بیماری آگئی ہے، کسی مقدمہ میں ملوث ہے یا کوئی نقصان ہو گیا ہے یا تنگدستی آگئی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے خوف کی وجہ سے اُس کی مشکل حل کر دیتا ہے اور اس کی تنگدستی کو خوشحالی میں بدل دیتا ہے۔ وہ خزانوں کا مالک ہے، جس کو جتنا چاہے عطا کر دے۔ اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔

حضرت عوف بن مالکؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے لڑکے کو کافر پکڑ کر لے گئے ہیں اور اس کے ساتھ کچھ اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں وہ بھی لے گئے ہیں اور ہم میاں بیوی اُس کی طرف سے سخت پریشان ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صبر کرو۔ اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرو، خدا تعالیٰ اس مشکل سے نکلنے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ بنائے گا۔ اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کا کثرت سے ورد کرتے رہو۔ صحابیؓ نے آپ کے حکم کے مطابق عمل شروع کر دیا۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اُن کے دروازے پر دستک ہوئی، دیکھا تو لڑکا واپس آچکا تھا۔ وہ نہ صرف کافروں کی قید سے آزاد ہو چکا تھا بلکہ اپنے مال سے زیادہ مال بھی ہمراہ لے آیا تھا۔ یہ خوفِ خدا، اُس پر بھروسے اور مذکورہ ورد کی برکت کا نتیجہ تھا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ امام مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ تمام دینی اور دنیاوی مشکلات کے حل کے لیے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کا ورد بہت مفید ہے۔ بشرطیکہ اس کو کثرت سے پڑھا جائے۔ کثرت سے مراد یہ ہے کہ روزانہ کم از کم پانچ سو مرتبہ پڑھے اور اس کے اول آخر سو سو مرتبہ درود شریف

پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دینی اور دنیاوی مضرات دور فرمائے گا۔

حضرت عوف بن مالکؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اس کا لڑکا کافروں سے آزاد ہوتے وقت جو زائد مال لے آیا ہے وہ ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کہ جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہوگا، خدا کا ذکر کرے گا، اور مصیبت میں صبر کریگا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے ذریعے سے روزی پہنچائے گا کہ اس کے گمان میں بھی نہ ہوگا۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ لڑکا جو زائد مال لے آیا ہے وہ تمھارے لیے مباح ہے۔

اس ضمن میں فقہائے کرام مزید تشریح بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان آدمی کسی کافر کا قیدی بن جائے، اور پھر وہ کسی طریقے سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو جائے، تو اس کے ساتھ لایا ہوا مال حلال ہوگا۔ اسی طرح اگر حربی کافروں کے ملک میں جا کر کوئی مسلمان کسی طریقے سے کافروں کا مال حاصل کریں تو وہ ان کے لیے جائز ہوگا۔ اور اگر کوئی معاہد کافر ہیں تو ان کے ملک میں اجازت لے کر جانے والا مسلمان آدمی ان کے مال کو ناجائز طریقے سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر کسی کافر نے مسلمان کے پاس امانت رکھی ہے۔ تو وہ بھی اس میں خیانت نہیں کر سکتا۔ اس قسم کا مال ایک مسلمان کے لیے قطعاً حلال نہیں ہوگا۔

توکل علی اللہ

فرمایا وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے، وہ اس کے لیے کفایت کرنے والا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اے لوگو! تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ (الحدیث) اللہ پر اس طرح بھروسہ رکھو جس طرح کہ بھروسہ رکھنے کا حق ہے۔ فرمایا اگر تم اللہ پر توکل کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں بھی اسی طرح روزی پہنچائے گا۔ جس طرح پرندوں کو پہنچاتا ہے، جو صبح خالی پیٹ گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں انہوں نے خوراک کا ذخیرہ تو نہیں کر کے رکھا ہے بلکہ اللہ کی ذات کے بھروسے پر نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں کسی نہ کسی ذریعہ سے روزی بہم پہنچا دیتا ہے۔ ہمارے اندر چونکہ توکل

کا فقدان ہے اور اعتقادی، عملی اور اخلاقی نقائص بھی ہوتے ہیں اس لیے ہماری دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

فرمایا جو شخص اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنے والا ہے اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ اللہ تعالیٰ اس کے کام کو پورا کرنے والا ہے۔ وہ قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کا مالک ہے، اپنے بندے کی مراد ضرور بر لائے گا۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا اس نے ہر چیز کے لیے ایک خاص اندازہ مقرر کر رکھا ہے، وہ ہر کام ایک خاص مقدار اور خاص وقت پر کرتا ہے۔ وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ (الرعد-۸) اس کے ہاں ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے۔ نیز اس کا ارشاد ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر-۲۱) ہر چیز کے خزانے اسی کے پاس ہیں اور وہ ہر چیز کو اندازے کے مطابق نازل کرتا ہے، لہٰذا اس پر مکمل بھروسہ ہونا چاہیئے۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۭ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ⑤

ترجمہ :- اور جو مایوس ہو چکی ہیں حیض سے تمہاری عورتوں میں سے ، اگر تم کو شک ہو تو اُن کی عدت تین ماہ ہو گی ۔ اور جن عورتوں کو حیض نہیں آتا (اُن کی عدت بھی تین ماہ ہو گی) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے ۔ اور جو شخص ڈرتا ہے اللہ سے ، اللہ بناتا ہے اس کے لیے اُس کے کام میں آسانی ④ یہ حکم ہے اللہ تعالیٰ کا جو اُتارا ہے اُس نے تمہاری طرف ۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا ، اللہ معاف کر دے گا اُس کو اُس کی کوتاہیاں ، اور بڑا کر دے گا اس کے لیے اجر ⑤

ربطِ آیات

سورۃ کی ابتدائی آیت میں اللہ نے فرمایا کہ اگر میاں بیوی کے درمیان طلاق کی نوبت آجائے تو ایسے وقت پر طلاق دو کہ عدت کا عرصہ ٹھیک ٹھیک شمار کیا جا سکے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت کے مطابق عورت کے طہر کی حالت میں صرف ایک طلاق دی جائے ۔ اگر طلاق رجعی ہے تو تکمیلِ عدت سے پہلے خاوند رجوع کر سکتا ہے ۔ نیز فرمایا

کہ طلاق دیتے وقت اور رجوع کرتے وقت دو عادل گواہ بنا لیے جائیں تاکہ کسی ممکنہ جھگڑے کی صورت میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ نکاح اور طلاق سے متعلق مسائل سورۃ البقرہ اور سورۃ الاحزاب میں بیان ہو چکے ہیں اور ان کا کچھ حصہ یہاں بھی بیان ہو رہا ہے۔ جن عورتوں کو حیض آتا ہے اُن کی عدت بیان ہو چکی ہے کہ وہ تین حیض ہوگی۔ اب آج کے درس میں بعض دیگر عورتوں کی عدت کا ذکر آ رہا ہے۔

پاکستان کے عائلی قوانین

نکاح، طلاق اور عدت وغیرہ کے قوانین عائلی قوانین کہلاتے ہیں۔ اور شریعتِ مطہرہ میں اُن کی پوری تفصیل موجود ہے۔ پاکستان میں بعض ملکی عائلی قوانین نافذ ہیں جن میں سے بعض شقیں قرآن و سنت سے متصادم ہیں، مثلاً مقاربت سے پہلے کسی عورت کو طلاق دے دینے کی صورت میں سورۃ الاحزاب میں یہ مسئلہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اے ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو اور پھر اُن کو طلاق دیدو مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا (آیت۔ ۴۹) قبل اس کے کہ تم نے انہیں چھوا ہو تو ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرتے ہو مگر پاکستان کے عائلی قوانین میں ایسی عورت کے لیے بھی نوّے دن کی عدت مقرر ہے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں حیض والی عورتوں کی عدت ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (آیت۔ ۲۲۸) مقرر ہے۔ قرء کا معنی حیض بھی ہوتا ہے اور طہر بھی ہوتا ہے طلاق کا سنت طریقہ یہ ہے کہ طہر کی حالت میں طلاق دی جائے اور تین حیض گزر جائیں تو عدت ختم ہو جاتی ہے۔ مختلف عورتوں کیلیے حیض کی مدت مختلف ہوتی ہے اور یہ ہر ماہ تین سے لے کر دس دن تک آتا رہتا ہے اس لحاظ سے تین حیض کی مدت بھی مختلف ہوتی ہے۔ گویا ہر عورت کے لیے عدت کی مدت اُس کے تین حیض کی مطابقت سے ہوتی ہے۔ مگر ہمارے عائلی قوانین میں سب کے لیے نوّے دن عدت مقرر کی گئی ہے، جو درست نہیں ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ اللہ نے عورتوں کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ ان کی صحت کے دوام کے لیے ہر ماہ حیض آنا ضروری ہے۔ جب عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو حیض آنا بند ہو جاتا ہے اور یہی خون بچے کی نشو و نما کے لیے استعمال

ہوتا ہے۔ پھر جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو یہی خون ماں کے دودھ کی پیداوار میں استعمال ہوتا ہے جو بچہ پیتا رہتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر جب تک بچہ دودھ پیتا رہتا ہے اُس مدت میں بھی حیض نہیں آتا۔ پھر جب عورت پینتالیس اور پچپن سال کی عمر کے درمیان پہنچتی ہے تو حیض آنا بالکل بند ہو جاتا ہے۔ اُس زمانے کو سِن یاس کہا جاتا ہے۔ بعض عورتوں کو ستر یا اسی سال تک کی عمر تک حیض آتا رہتا ہے مگر یہ بہت شاذ ہوتا ہے۔ بہر حال مدت کی مدت کا تعلق تین حیض کی طوالت کے ساتھ ہے۔ مگر یہاں سب عورتوں کے لیے نوّے دن کی عدت مقرر کر کے قرآن پاک کے قانون کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

اب عورتوں کے خون بھی تین قسم کے ہوتے ہیں یعنی حیض، نفاس اور استحاضہ حیض کا ذکر ہو چکا۔ نفاس وہ خون ہوتا ہے جو عورت کو بچے کی پیدائش کے بعد کم و بیش چالیس دن تک آتا رہتا ہے۔ اور تیسرا خون استحاضہ کہلاتا ہے۔ اگر کسی بیماری کی وجہ سے عورت کے رحم میں کوئی رگ پھٹ جائے تو پھر خون ہر وقت جاری رہتا ہے ایسی عورت کے لیے نماز روزہ کی ادائیگی میں سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔ حیض اور نفاس کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے، اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے البتہ پاک ہونے کے بعد روزہ قضا کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ نماز معاف ہوتی ہے۔ البتہ استحاضہ والی عورت کے لیے حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرے اور نماز ادا کرے۔ اس کے لیے رخصت نہیں ہے۔

سورۃ بقرہ میں بیوہ کی عدت کا ذکر بھی واضح طور پر موجود ہے کہ جن عورتوں کے خاوند فوت ہو جائیں يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ (آیت۔ ۲۳۴) اُن کی مدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ اس کی عدت کا وقفہ ایک دن سے لے کر نو ماہ تک ہو سکتا ہے۔ بہر حال شریعت نے عدت کی مختلف مدتیں مقرر کی ہیں مگر پاکستان کے عائلی قوانین میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

عمر رسیدہ عورت کی عدت

آج کے درس میں بھی بعض قسم کی عورتوں کی مدت کا تعین کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَالّٰٓئِیۡ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ تمھاری جو عورتیں کبرسنی کی وجہ سے حیض سے مایوس ہو چکی ہیں یعنی اُن کو حیض آنا بند ہو چکا ہے۔ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ اگر تم کو شک ہو فَعِدَّتُہُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشۡہُرٍ تو ایسی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے ایسے معاملہ میں پاکستانی عائلی قوانین بہت حد تک قرآن سے مطابقت نہیں رکھتے تاہم یہاں بھی پورے نوّے دن گنوانا ضروری نہیں بنتا کیونکہ کوئی مہینہ تیس[۳۰] دن کا او کوئی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

بعض نوجوان عورتوں کے حیض کسی بیماری کی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ ابھی سن یاس کو نہیں پہنچیں تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسی عورتوں کی عدت تین حیض کی مدت کے برابر ہی شمار کی جائے گی۔ حیض بند ہونے سے قبل عورت کو جتنی مدت میں حیض آتا تھا اُس کے مطابق اس کی عدت کا تعین کیا جائے گا۔ کیونکہ بعض عورتوں کو چھ ماہ بعد حیض آتا ہے لہٰذا ان کی عدت انیس[19] ماہ میں پوری ہوگی۔ ہاں جب یہ عورت سن یاس کو پہنچ جائے گی تو پھر اس کی عدت مہینوں کے حساب سے تین ماہ ہوگی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی مطلقہ عورت کو دو حیض آنے کے بعد حیض بالکل بند ہو جائے تو پھر اُس کی عدت نئے سرے سے تین ماہ کے حساب سے شمار کی جائے گی اور جو دو حیض پہلے آچکے ہیں اُن کا کچھ لحاظ نہیں رکھا جائے۔ اسی طرح اگر کسی ایک حمل میں ایک سے زیادہ بچے پیدا ہوں جن میں چند روز کا وقفہ بھی ہو سکتا ہے تو مطلقہ کی عدت آخری بچے کی پیدائش پر مکمل ہو جائے گی۔

کم سن عورت کی عدت

آگے کم سن مطلقہ عورت کی عدت کا بیان ہے۔ وَّالّٰٓئِیۡ لَمۡ یَحِضۡنَ اور جن عورتوں کو کم سنی کی وجہ سے ابھی حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا، اگر ان کو طلاق ہو جائے تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہوگی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں نابالغ لڑکی کا نکاح بھی جائز ہے۔ اس کے برخلاف ہمارے عائلی قوانین میں سولہ سال سے کم لڑکی اور اٹھارہ سال سے کم عمر کے لڑکے کے نکاح پر پابندی ہے اور یہ قابل سزا جرم ہے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ

کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ چھ سال کی عمر میں کر دیا تھا۔ وہ نو سال کی عمر میں بالغ ہو گئیں تو رخصتی ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ نو سال تک حضور علیہ السلام کی زوجیت میں رہیں۔

قرآن نے کم سن لڑکی کی عدت کو بھی واضح کر دیا ہے جب کہ ہمارے ملکی قوانین میں موجود پابندی انگریز پرستی، پرویزیت اور حکیڑالویت سے زیادہ نہیں ہے۔

حاملہ عورت کی عدت

آگے فرمایا وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جن لیں۔ یعنی حاملہ کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ ایک دن میں ہو جائے یا نو ماہ لگ جائیں۔ اللہ نے عدت کے یہ مسائل بیان کرنے کے بعد فرمایا وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا جو شخص اللہ سے ڈر کر ان قوانین کی پابندی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کے معاملہ میں آسانی پیدا کر دے گا اس کے تمام معاملات آسانی سے طے ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص سوچ سمجھ کر سنت کے مطابق طلاق دیگا۔ اُسے رجوع کا حق حاصل ہوگا اور وہ مزید کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر بیک وقت تین طلاق دے دیگا۔ تو پھر ہوش آنے پر حلالہ کرانا پھرے گا، جو مزید پریشانی کا باعث ہے۔

فرمایا ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنزَلَهُ إِلَيْكُمْ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا ہے۔ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ اور جو کوئی اللہ سے ڈر جائے گا اللہ اس کی کوتاہیاں معاف کر دے گا وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا اور اللہ اس کو بڑے سے بڑا اجر عطا فرمائے گا، تقویٰ یعنی خوفِ خدا بہت بڑی چیز ہے

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا
تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ
فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ
لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ
وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ﴿٦﴾ لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ
مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا
آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ
اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿٧﴾ ع ٧ / ١٧

ترجمہ :- ان (مطلقہ عورتوں) کو رہائش دو جہاں تم خود رہتے ہو اپنی طاقت کے مطابق اور نہ ایذا دو ان کو تاکہ تم ان پر تنگی ڈال دو ۔ اور اگر ہوں وہ حاملہ ، پس خرچ کرو ان پہ یہاں تک کہ وہ اپنے حمل کو وضع کر دیں ۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں (بچے کو) تمہاری خاطر ، پس دو ان کو ان کا بدلہ ۔ اور سکھلاؤ آپس میں نیکی کی بات ۔ اور اگر تم ضد کرو گے پس پلائے اس کو کوئی دوسری عورت ﴿٦﴾ چاہیئے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق ۔ اور جس پر روزی تنگ کی گئی ہے ، پس خرچ کرے جو کچھ اس کو اللہ نے دیا ہے ، اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کو دیئے گئے کے مطابق ۔

عنقریب بنا دے گا اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی ⑦

ربط آیات

پہلے مطلقہ عورتوں کی قسمیں اور ان کی مختلف عدت کا بیان ہوا کیونکہ مطلقہ عورتوں کے لیے نکاح ثانی سے پہلے مقررہ عدت گزارنا ضروری ہے۔ اس میں اللہ نے بہت سی مصلحتیں رکھی ہیں۔ اس میں نکاح کا حق بھی ہے اور نسب کا بھی، نیز اس میں اولاد کا خیال بھی رکھا گیا ہے۔ چنانچہ بعض عورتوں کی عدت تین حیض ہے اور بعض کی تین ماہ البتہ حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ بیوہ ہونے والی عورت اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی ورنہ چار ماہ اور دس دن پورے کرنا ہوں گے۔ اگر نکاح کے بعد عورت سے مقاربت نہیں ہوئی اور طلاق واقع ہو گئی ہے تو ایسی عورت کے لیے کوئی عدت نہیں، وہ جب چاہے نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

دوران عدت رہائش اور خرچہ کا مسئلہ

اب آج کے درس میں دوران عدت مطلقہ عورت کی رہائش اور خرچہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، نیز شیر خوار بچے کی پرورش کا قانون بھی آ گیا ہے، جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے اس کے خرچہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ وراثت میں حقدار ہے اور اپنا خرچہ اس حصہ سے برداشت کرے گی۔ البتہ مطلقہ عورت کا خرچہ اور رہائش مرد کی ذمہ داری ہے خواہ یہ طلاق رجعی ہو یا بائن ہو یا تینوں طلاقیں واقع ہو کر عورت مغلظہ ہو چکی ہو۔ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مطلقہ عورت کو دوران عدت صرف رہائش دی جائے گی، خرچہ کی ذمہ داری مرد پر نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ رہائش اور خرچہ دونوں سہولتیں دی جائیں گی۔ البتہ امام احمدؒ فرماتے ہیں رہائش اور خرچہ میں سے کوئی سہولت بھی نہیں دی جائے گی۔ آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ والی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں حضور علیہ السلام نے نہ رہائش دلوائی اور نہ خرچہ۔ مگر حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم تو کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کریں گے جن کی رو سے مطلقہ عورت رہائش اور خرچہ حاصل کرنے کی حقدار ہے۔

فاطمہ بنت قیس رضؓ کے معاملہ میں محدثین کے کئی اقوال ہیں۔ مسلم شریف اور ترمذی شریف
کی روایت میں موجود ہے کہ طلاق کے بعد اُن کے خاوند نے ان کو خرچہ بھیجا تھا۔ مگر
کم ہونے کی وجہ سے انہوں نے قبول نہ کیا۔ کہتے ہیں کہ یہ خرچہ پانچ صاع جوار یا کھجوریں
تھیں۔ پھر وہ عورت حضور علیہ السلام کے پاس خرچہ کی شکایت لے کر گئی مگر آپ
نے فرمایا، جاؤ تمہارے لیے کوئی خرچہ نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ خرچہ بھیجا گیا تھا مگر
وہ تھوڑا تھا۔ اُدھر خاوند کی حیثیت بھی اس سے زیادہ کی نہیں تھی۔ باقی رہا خاوند
کے گھر میں عدت گزارنے کا معاملہ تو حضور علیہ السلام نے فاطمہ رضؓ کو پابند نہیں کیا۔
کیونکہ وہ تیز زبان تھی اور خاوند کے بھائیوں کے ساتھ اُلجھتی رہتی تھی۔ اس لیے
حضور علیہ السلام نے اُسے اپنے خالہ زاد یا چچا زاد بھائی عبداللہ ابن ام مکتوم رضؓ کے
ہاں چلے جانے کی اجازت دے دی۔ بہرحال خرچہ اور رہائش طلاق دینے والے مرد
کی ذمہ داری ہے کہ وہ عدت کے دوران اُسے پورا کرے۔ پہلے درس میں اس
کی وضاحت گزر چکی ہے لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (آیت ۱) نہ تم
اُن کو گھر سے نکالو اور نہ وہ خود نکلنے کی کوشش کریں۔ اور یہاں پر اللہ نے خاص
طور پر حکم دیا ہے اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ
جہاں تم رہتے ہو مطلقہ عورتوں کو بھی اپنی حیثیت کے مطابق وہیں رکھو۔ اس کے علاوہ اگر
تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں تو عورت کے لیے پردہ کا انتظام بھی ہونا چاہیئے کیونکہ اب
رجوع کی گنجائش باقی نہیں رہی اور مرد و زن میں مکمل جدائی ہو چکی ہے۔ پھر فرمایا
وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ اُن کو ایسی ایذا بھی نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی ڈال
دو تاکہ وہ خود ہی گھر چھوڑ کر چلی جائیں۔ فرمایا یہ بات قانوناً اور اخلاقاً کسی طرح بھی درست
نہیں، بلکہ جیسا کہ دوسرے درس میں، بیان ہو چکا ہے فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (آیت ۲) انہیں دستور کے مطابق روک لو یا دستور
کے مطابق رخصت کر دو، ایذا رسانی کسی صورت میں بھی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔
پھر فرمایا وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ اگر مطلقہ عورتیں بوقت طلاق حاملہ

ہوں۔ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ تو اُن پر بھی خرچ کرو۔ یہاں تک کہ اُن کا بچہ پیدا ہو جائے۔ حاملہ عورت کے خرچہ کا بطور خاص علیحدہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ بسا اوقات ایسی عورت کی عدت لمبی ہوتی ہے جو نو ماہ تک طویل ہو سکتی ہے۔ چونکہ عدت کی طوالت کی وجہ سے مرد کے تنگ آجانے کا خطرہ تھا۔ اور شاید کہ وہ خرچہ روک دے لہٰذا اللہ نے تاکیداً حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کا خرچہ بھی ادا کرو۔

رضاعت کا مسئلہ

اب یہاں دوسرا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ مطلقہ کے حاملہ ہونے کی صورت میں جب بچہ پیدا ہوگا تو اس کی پرورش کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ فرمایا فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ اگر مطلقہ عورتیں تمہاری خواہش پر نوزائیدہ بچے کو تمہاری خاطر دودھ پلانے پر رضامند ہوں فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ تو اُن کو اُن کی اجرت ادا کرو۔ ظاہر ہے کہ جب بچہ پیدا ہو جائے گا تو عدت ختم ہو کر عورت بالکل آزاد ہو جائے گی۔ مگر پیدا ہونے والا بچہ تو باپ کا ہے۔ لہٰذا اگر متعلقہ عورت بچے کی پرورش کرے گی تو باپ کو اُس کا خرچہ بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ اور نہ صرف بچے کا خرچہ اُس کے ذمہ ہوگا۔ بلکہ دودھ پلانے والی عورت کا خرچہ بھی دینا پڑے گا۔ اس معاملہ میں فرمایا وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ایک دوسرے کو نیکی کی بات سکھلاؤ، اس معاملہ میں ضد یا جھگڑا وغیرہ نہ کرو۔ ائتمار کا لغوی معنی مشورہ کرنا، سوچنا سمجھنا اور بتلانا ہوتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ جب بچے کو دودھ پلانے کا مسئلہ درپیش ہو تو آپس میں نیکی کی بات کا مشورہ کرو۔ امراء القیس شاعر کہتا ہے۔

اَحَارِ بْنَ عَمْرٍو كَاَنِّيْ خَمِرٌ
وَيَعْدُوْا عَلَى الْمَرْءِ مَا يَاْتَمِرُ

اے حارث ابن عمرو! میں تو مدہوش ہوں۔ اور کبھی آدمی پر وہ بات تعدی کر جاتی یعنی الٹی پڑ جاتی ہے۔ جو وہ سوچتا ہے۔ بہرحال وَاْتَمِرُوْا کا معنی سوچو سمجھو ایک دوسرے کو نیکی کی بات بتلاؤ۔

فرمایا ایک دوسرے کو نیکی کی بات بتلاؤ، ضد، کجروی اور عناد اختیار نہ کرو۔

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰی اور اگر تم آپس میں ضد اور سختی کرو، یعنی کسی سمجھوتے پر نہ پہنچ سکو تو پھر بچے کو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے۔ اگرچہ رضاعت کے لیے اولین حق ماں ہی کا ہے لیکن کسی پیچیدگی کی وجہ سے کسی دوسری عورت سے بھی دودھ پلوایا جا سکتا ہے مگر بچہ ماں کے پاس ہی رہے گا، البتہ دودھ پلانے والی کا خرچہ باپ کو برداشت کرنا ہوگا۔

خرچہ مطابق استطاعت

بہر حال دوران عدت یا رضاعت عورت کے خرچہ کے متعلق فرمایا لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ اگر آدمی صاحب حیثیت ہے تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق معقول خرچ کرے اور اس سلسلہ میں بخل نہ کرے۔ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ اور جس پر روزی تنگ کر دی گئی ہے یعنی اگر وہ آدمی غریب ہے فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ پس وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اُسے دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تنگدست ہے تو اس سے اس کی حیثیت کے مطابق ہی خرچہ طلب کیا جائے گا، اس کو زیر بار کرنے کی کوشش نہیں کی جانی چاہیئے۔

فقہائے کرام اور مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ بچے کو دودھ پلانے کی صورت میں عورت کا خرچہ تو مرد کے ذمے ہوگا ہی۔ اور اگر عورت کو خادم کی ضرورت ہو تو اس کا خرچہ بھی مرد کو برداشت کرنا پڑے گا۔ ضرورت کے مطابق عورت ایک یا زیادہ سے زیادہ دو خادم رکھ سکتی ہے۔ بہر حال خرچہ آدمی کی مالی حیثیت کے مطابق ہوگا نہ کہ عورت کی خاندانی حیثیت کے مطابق۔ اگر عورت خوشحال خاندان کی ہے اور مرد تنگدست ہے تو وہ اپنی حیثیت کے مطابق ہی خرچہ دینے کا پابند ہے

فرمایا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو اس کو عطا کردہ (مال) سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یہ ایک عام اصول ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ - ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتا، بلکہ انسان مکلف کو اس کی استطاعت کے مطابق ہی

پابند کیا گیا ہے۔ یہاں مطلقہ اور اُس کے بچے کے خرچہ کے لیے بھی اسی اصول کو استعمال کیا گیا ہے کہ آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔ نہ وہ بخل کرے اور نہ اس کی استطاعت سے زیادہ طلب کیا جائے۔ تنگی اور آسانی ایک اضافی چیز ہے جو بدلتی رہتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ آج اگر تنگدستی ہے سَیَجْعَلُ اللّٰہُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا تو اللہ تعالیٰ عنقریب اس تنگی کے بعد آسانی بنا دے گا۔ تنگی اور خوشحالی بیماری اور تندرستی، ترقی اور تنزل وغیرہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اُس کی حکمت کے مطابق واقع ہوتے ہیں اور یہ چیزیں انسانی اختیار سے باہر ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ تنگدستی سے گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ عنقریب تنگی کے بعد آسانی لے آئے گا۔

درس پنجم ٥ آیت ٨ تا ١١

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ﴿١١﴾

ترجمہ :۔ اور بہت سی بستیاں ہیں جو آگے نکل گئیں اپنے پروردگار کے حکم سے اور اس کے رسولوں کے حکم سے ۔ پس ہم نے محاسبہ کیا اُن کا سخت محاسبہ، اور ہم نے سزا دی اُن کو سخت سزا ﴿٨﴾ پس چکھا انہوں نے وبال اپنے معاملے کا، اور تھا انجام اُن کے معاملے کا نقصان والا ﴿٩﴾ اللہ نے تیار کیا ہے اُن کے لیے سخت عذاب ۔ پس ڈرو اللہ سے اے عقلمندو! وہ جو ایمان لائے ہو، تحقیق نازل کیا ہے اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نامہ ﴿١٠﴾ (اور بھیجا ہے)

ایک رسول جو پڑھتا ہے تم پر اللہ کی آیتیں جو کھول کر
بیان کرتی ہیں تاکہ نکالے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں
اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں، اندھیروں سے روشنی کی
طرف۔ اور جو شخص ایمان لایا اللہ پر اور اُس نے اچھا عمل
کیا، داخل کرے گا اس کو باغوں میں کہ بہتی ہیں اُن کے
نیچے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں
تحقیق اچھی کی اللہ نے اُس کے لیے روزی (۱۱)

ربط آیات

پچھلی آیات میں اللہ نے عورتوں کے نکاح، طلاق اور عدت وغیرہ سے متعلق عائلی قوانین بتلائے اور اُن کی پابندی کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا اِن احکام کی خلاف ورزی نہ کرو ورنہ تمہارے لیے مشکلات پیدا ہوں گی اب اللہ نے بطور عبرت یاد دلایا کہ جن لوگوں نے نافرمانی کی، دیکھو! اللہ نے انہیں کس طرح نیست و نابود کیا۔

نافرمان قوموں کی تباہی

ارشاد ہوتا ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ بہت سی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے تجاوز کیا، اور اُس کے رسولوں کی اطاعت سے بھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا پس ہم نے اُن کا سخت محاسبہ کیا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا اور اُن کو سخت سزا میں مبتلا کیا۔ فرمایا فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا پس انہوں نے اپنے کام کی سزا کا مزا چکھا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا اور اُن کے معاملے کا انجام نقصان میں رہا۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی جیسی قیمتی پونجی عطا کی تھی اور اس کے ساتھ عقل و شعور جیسی نعمت دی مگر انہوں نے اس پونجی کو برباد کر دیا، اور اس کے نتیجے میں کفر، شرک برائیاں اور نافرمانیاں خرید لیں۔ اس کی پاداش میں بعض اقوام پر دنیا میں بھی سزا آئی اور ان کا انجام کار بڑے خسارے والا ثابت ہوا۔ اللہ نے اُن کو دُنیا میں سزا دے کر معاملہ ختم نہیں

کر دیا، بلکہ آخرت میں اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ان کے لیے سخت عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔

یہ خطاب نزولِ قرآن کے زمانے کے لوگوں کے علاوہ ساری بنی نوعِ انسان سے ہے اس سے پہلے اللہ نے عائلی قوانین کے طور پر نکاح، طلاق، عدت اور خرچے وغیرہ کے احکام بیان فرما کر خبردار کیا ہے کہ اگر دنیا اور آخرت میں بہتری چاہتے ہو تو ان قوانین کی پابندی اختیار کرو، ورنہ تمہارا انجام بھی سابقہ نافرمان قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

اس آیت میں اللہ نے بہت سی بستیوں کا ذکر کیا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر نافرمان قوموں کے طور پر قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ صالح، قومِ ابراہیم، قومِ شعیب، قومِ فرعون، قومِ لوط وغیرہ کا نام آتا ہے۔ اللہ نے اُن کو دنیا میں بھی تباہ و برباد کیا اور آخرت کی دائمی سزا تو بہرحال اُن کو بھگتنی پڑے گی۔ تو فرمایا کہ اُن اقوام کے انجام سے عبرت حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔

شیطان کی اطاعت

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں وَرُبَّ اِقْلِیْمٍ غَلَبَتْ عَلَیْہِ طَاعَۃُ الشَّیْطٰنِ وَصَارَ اَھْلُہٗ کَمِثْلِ النُّفُوْسِ الْبَھِیْمِیَّۃِ بہت سے ملکوں پر شیطان کی اطاعت غالب آجاتی ہے، اور وہاں کے لوگ درندہ صفت بن جاتے ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ اُن کو موقع پر ہی سزا دے دیتا ہے اور کبھی اس کو مؤخر کر دیتا ہے کہ جو چاہو کر لو، میں جب چاہوں گا تمہیں پکڑ لوں گا۔ جانوروں کی مثال اس لیے دی ہے کہ جس طرح جانوروں کا کام صرف کھانا، پینا اور جفتی کرنا ہے۔ اسی طرح انسان بھی انہی کاموں میں منہمک ہو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں، اور کھیل تماشے، عریانی، فحاشی اور دیگر شیطانی کاموں میں ہی مصروف رہتے تھے۔ یہ لوگ حق و باطل کے امتیاز سے عاری ہو جاتے ہیں اور حلال و حرام سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ جہاں سے چاہتے ہیں کماتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں۔ وہ اس معاملہ میں کوئی پابندی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ

ہمیشہ من مانی کرتے ہیں، اور یہی شیطان کی اطاعت ہے۔

پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے کہ مدینے کے اطراف میں کئی یہودی بستیاں تھیں جن کے باشندے اسلام کے خلاف ہمیشہ سازشیں کرتے رہتے تھے ان پر بھی اللہ کی گرفت آئی، کچھ مارے گئے اور کچھ جلاوطن ہوئے۔ اُن کے مکانات باغات اور زمینوں پر مسلمان قابض ہوگئے، اور اس طرح انہیں اسی دنیا میں سزا ملی مگر اللہ نے فرمایا کہ اُن کے لیے آخرت میں شدید عذاب تیار ہے۔

خوف خدا کی تلقین

اللہ تعالیٰ کی وعید کا یہ اسلوب ہے کہ نافرمان قوموں کی تباہی کا ذکر کر کے لوگوں کو عبرت دلائی جاتی ہے۔ یہاں بھی فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ اے عقل مندو! اللہ سے ڈر جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی سابقہ نافرمان قوموں کے نقش قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی سزا کے مستوجب بن جاؤ۔ فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ (الطّلاق - ۵) جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی سابقہ کوتاہیاں معاف فرما دے گا۔ یہاں بھی فرمایا کہ اے عقلمندو! اللہ کی نافرمانی سے ڈر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمام قوتوں کا سرچشمہ اور قدرتوں کا مالک ہے، اس کی مخالفت نہ کرو۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ وقتی طور پر ڈھیل تو دیتا رہتا ہے۔ مگر کسی نافرمان کو چھوڑتا نہیں بلکہ مقررہ وقت پر گرفت کر لیتا ہے اور لوگوں کو علم بھی نہیں ہوتا کہ گرفت کی کون سی صورت پیش آنے والی ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہی ہے کہ لوگ کفر، شرک نفاق اور معاصی ترک کر دیں اور اس کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کریں۔ پہلے بھی گزر چکا ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن - ۱۶) جہاں تک ہو سکے نافرمانی سے بچ جاؤ، اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اس کی تلافی کرو، توبہ کرو، حقدار کا حق ادا کرو کہ عقل مندی کا یہی تقاضا ہے۔ سورۃ آل عمران میں بھی فرمایا ہے وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آیت - ۷) عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ

هُمْ اَضَلُّ (الاعراف - ۱۷۹) وہ جانوروں کی مثل ہیں. بلکہ اُن سے بھی بدتر ہیں۔ جانوروں کو تو اللہ نے عقل و شعور سے محروم رکھا ہے، اس لیے وہ اسے استعمال نہیں کر سکتے۔ مگر انسانوں کو تو اللہ نے اس قیمتی جوہر سے مزیّن کیا ہے۔ اگر پھر بھی یہ اس جوہر سے مستفید نہیں ہوتے تو یہ جانوروں سے بھی بڑے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اے عقلمندو! خدا تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ پھر فرمایا کہ صحیح عقلمند وہ لوگ ہیں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات، کُتب سماویہ، ملائکہ مقربین جزائے عمل، تقدیر پر ایمان لاتے ہیں۔ عقل کا فائدہ اسی صورت میں ہوگا کہ انسان اپنے خالق اور مالک کو پہچان سے۔

قرآن بطور نصیحت

فرمایا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نازل کی ہے۔ مفسرین ذکر سے جبرئیل علیہ السلام، قرآن اور مطلق نصیحت بھی مراد لیتے ہیں۔ تاہم صحیح بات یہی ہے کہ ذکر سے مراد نصیحت نامہ ہے جو اللہ نے قرآن کی صورت میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور بعض دیگر مفسرین یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اس نصیحت نامے کے ساتھ رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ ایک رسول بھی بھیجا ہے جو تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ذِکْرًا اور رَسُوْلًا کے درمیان لفظ اَرْسَلَ محذوف ہے۔ چنانچہ معنیٰ یہی بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نامہ نازل کیا ہے اور ایک رسول بھیجا ہے، یا اللہ نے تمہاری طرف ذکر کرنے والا رسول بھیجا ہے جو تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے، تاہم پہلا معنیٰ زیادہ راجح ہے

فرمایا اللہ کا رسول جو آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتا ہے مُبَیِّنٰتٍ وہ بالکل واضح ہیں اور اُن میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے۔ اس نصیحت نامے کے دلائل اور احکام بڑے واضح ہیں۔ قرآن نے اکثر و بیشتر اعتقادی مسائل کھول کر بیان کر دیے

ہیں تاہم بعض چیزوں کو ایک جگہ اجمال کے ساتھ ذکر کیا ہے تو دوسری جگہ وضاحت کر دی ہے پھر بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جن کی وضاحت اللہ نے اپنے نبی کے ذمے لگا دی ہے۔ چنانچہ بہت سے مسائل سنتِ رسولؐ سے حل ہوتے ہیں۔ پھر اللہ نے بعض چیزوں کی وضاحت امت کے اہلِ علم پر چھوڑ دی ہے جیسے فرمایا لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء - ۸۳) لہٰذا جو باتیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں انہیں اہلِ علم کے سامنے پیش کرنا چاہیئے جو غور و فکر کر کے ان کا حل پیش کر دیں گے۔ قرآن کی وضاحت کے سارے طریقے درست ہیں۔

ظلمت سے نور کی طرف

فرمایا اللہ کی طرف سے نازل کردہ آیات کا مقصد یہ ہے لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ تاکہ ایمان لانے اور اچھے اعمال انجام دینے والوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔ کفر، شرک، بدعت، نفاق، اور معاصی سب اندھیرے ہیں، اور ایمان اور توحید روشنی ہے ایمان کے بغیر انسان اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو نہیں پہچان سکتا۔ وہ عالمِ بالا کے متعلق صحیح تصور قائم نہیں کر سکتا اور نہ ہی اُسے جنت دوزخ اور برزخ کا ادراک ہو سکتا ہے ہاں جو شخص اللہ اور اس کے نبی کے فرمان کے مطابق صحیح طریقے سے ایمان لاتا ہے اُس کے دل میں روشنی اور بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ گویا قرآن کی آیات انسان کو کفر سے نکال کر ایمان کی طرف لاتی ہیں، اُس کے دل میں شرک کی بجائے توحید آتی ہے اور بدعت کی بجائے سنت کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔

جنت میں داخلہ

فرمایا وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور پھر نیک اعمال بھی انجام دیتا ہے۔ ایمان کا مطلب یہی ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہے اور جانتا ہے کہ وہی علیمِ کل، قادرِ مطلق اور تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اچھے اعمال میں سب سے پہلے ارکانِ اربعہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں، اس کے بعد جہاد، قربانی، تبلیغ، تعلیم و تعلم، صدقہ خیرات، غریبوں، یتیموں، بیواؤں کی خبر گیری ہے۔ محتاج اعزہ و اقارب کی اعانت ہے۔ ایسے

ہی لوگوں کے متعلق فرمایا یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا اس میں ہمیشہ رہیں گے اور کبھی بھی وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے اور نہ ہی وہاں کی نعمتیں کم ہوں گی۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا کہ اللہ نے ان کے لیے بڑی بہتر روزی بنائی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے جنت میں ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ وہ دل میں کھٹکی ہیں۔ اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ یہ میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے تیار کی ہیں اس کا مصداق سورۃ السجدۃ آیت میں ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ع

۲ ۵ ۱۸

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیے ہیں سات آسمان اور زمین میں سے بھی ان کی مثل۔ اترتا ہے حکم اُن کے درمیان تاکہ تم جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور بیشک اللہ نے احاطہ کر رکھا ہے ہر چیز کا علم کے ساتھ ﴿۱۲﴾

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں مسلمانوں کے عائلی قوانین من جملہ نکاح، طلاق، عدت، عدت کے اعتبار سے عورتوں کی قسمیں اور عدت کی مدت۔ دورانِ عدت رہائش اور خرچہ کا مسئلہ اور اولاد کی پرورش وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔ اللہ نے تاکید فرمائی ہے کہ ان احکام پر عمل کرتے رہو اور خلاف ورزی نہ کرو۔ پھر اللہ نے سابقہ امتوں کی مثال بیان فرمائی، جنہوں نے اللہ کے احکام اور اس کے رسولوں کے فرامین سے انکار کیا، غرور و تکبر کیا تو اللہ نے اُن کا دُنیا میں ہی محاسبہ کر کے اُن کو ہلاک کیا اور پھر آخرت کی دائمی سزا آگے آنے والی ہے، فرمایا اے عقلمندو اللہ سے ڈر جاؤ، اللہ نے تمہاری طرف قرآن کی صورت میں نصیحت نامہ نازل کیا ہے اور ایک رسول بھیجا ہے جو تمہیں اُس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے جو کہ تمام مسائل کی پوری طرح وضاحت کرتی ہیں اور ان پر ایمان لاتے اور نیک اعمال انجام دینے والوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتی ہیں۔ پھر اللہ نے

ایمان اور اعمال صالحہ کا انجام بھی بیان فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ابدی جنتوں میں داخل کیا جائے گا اور ان کو وہاں بہت اچھی روزی نصیب ہو گی۔

اللہ کی صفت خلق

اب سورۃ کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ میں سے صفتِ خلق، قدرت تامہ، اور علم محیط کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ساتھ اس کی صفات کی پہچان بھی ضروری ہے، جن کے بغیر انسان ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا۔ تو یہاں پہلی صفت خلق کا ذکر کیا ہے۔ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے ہیں۔ کسی چیز کی تخلیق کے ضمن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چار صفات یکے بعد دیگرے کام کرتی ہیں۔ سب سے پہلی صفت ابداع یا فاطر ہے یعنی کسی چیز کو بغیر آلے، نمونے اور مادے کے پیدا کرنا۔ مثلاً فرمایا بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (الانعام ۔ ۱۰۲) یا فرمایا فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (یوسف ۔ ۱۰۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جب کہ اس سے پہلے نہ کوئی مادہ موجود تھا۔ نہ نمونہ اور نہ ہی آلہ جس کے ذریعے ان کو تخلیق کیا گیا۔

فرماتے ہیں کہ دوسرے نمبر پہ اللہ کی صفت خلق آتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک چیز سے دوسری چیز بنا دینا۔ مثلاً زمین کو تو اللہ نے صفت ابداع کے ذریعے بغیر مادے کے پیدا کیا۔ اب اس زمین کی مٹی سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوا جیسے فرمایا خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ (آل عمران ۔ ۵۹) یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کا کام ہے۔ اسی طرح وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ (الرحمٰن ۔ ۱۵) جنات کو شعلہ مارنے والی آگ سے پیدا کیا۔ آگ کا مادہ پہلے موجود تھا۔ جس سے جنات جیسی مخلوق پیدا کی۔ ہم روزمرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ گٹھلی سے درخت اور بیج سے اناج پیدا ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کی صفت خلق کا کرشمہ ہے۔

پھر جب کوئی چیز تیار ہو جاتی ہے تو اُس کا قیام، ترقی تنزل، موت و حیات وغیرہ صفت تدبیر کا کام ہے۔ اللہ کا فرمان ہے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ (آلمٓ السجدة - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ اس کے بعد چوتھی صفت تدلی آتی ہے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ انسان کو شکم مادر میں پیدا کرتا ہے۔ تو اُس میں روح ڈالتا ہے۔ جس میں اُس کی تجلیٔ اعظم کا عکس بھی پڑتا ہے۔ اس کو تدلی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ انسان کی روح اور اس میں پڑنے والی تدلی عالم بالا سے آتی ہے، اس لیے اس کی کشش ہمیشہ اُوپر کی طرف ہوتی ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں انسان پر مادیت کا خول چڑھا ہوا ہے اور اس کی حالت ایسی بیہوشی کی سی ہے۔ جیسے کسی کو کلوروفارم سونگھا دیا گیا ہو۔ جس طرح کلوروفارم زدہ آدمی کو آپریشن کے دوران ہونے والی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا اسی طرح انسان کو اس دنیا کی زندگی میں تدلی کی کشش کا احساس نہیں ہوتا۔ جس طرح کلوروفارم کا اثر زائل ہونے پر انسان کو تکلیف کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح جب انسان سے یہ مادی خول اُتر جاتا ہے یعنی اس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو پھر اُسے تدلی کی کشش محسوس ہونے لگتی ہے۔ پھر اگر اس نے دنیا میں رہ کر اچھے کام نہیں کیے تو اس کی کشش نیچے کی طرف ہوتی ہے اور اس طرح اُوپر اور نیچے کی کشمکش میں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بہرحال تخلیق اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس کا فرمان ہے اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (الزمر - ۶۲) بلکہ ہر چیز کا حقیقی خالق وہی ہے۔ اللہ نے ہر چیز کو کمال اعتدال کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور اُس کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے ایک انسان کی تخلیق کو ہی دیکھ لیں۔ اللہ نے کیسی حسین و جمیل صورت عطا فرمائی ہے اور تمام اعضاء اپنے اپنے مقام پر اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ فٹ کیے ہیں۔ اللہ نے اس کو تمام ظاہری اور باطنی قویٰ عطا فرمائے ہیں اور عقل، دماغ

اور فہم جیسی بیش قیمت نعمتیں عطا فرمائی ہیں خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین-۴) ہم نے انسان کو بہترین تقویم میں پیدا کیا ہے۔

سات آسمانوں کی تخلیق

بہرحال فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا۔ سورۃ الملک میں ہے کہ یہ آسمان آگے پیچھے نہیں بلکہ اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (آیت-۳) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا فرمائے اور پھر ان ساتوں کے اوپر بہشت ہے۔ ساتوں آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ ہے جو عالم خلق اور عالم امر کا سنگم ہے فرمایا عِنْدَ هَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى (النجم-۱۵) اس کے پاس ہی جنت ہے۔ معراج والی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ آپ ساتوں آسمانوں کو عبور کر کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ غرضیکہ اللہ نے ساتوں آسمان اوپر نیچے بنائے ہیں۔ بعض احادیث میں آسمانوں کی بلندی کے متعلق آتا ہے کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور خود ہر آسمان کی اپنی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔ اس سال سے کون سے سال مراد ہیں، اس کی تشریح معلوم نہیں، البتہ ان کا طبقات کی صورت میں ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے۔

سات زمینوں سے متعلق تحقیق

سات آسمانوں کی تخلیق کے تذکرے کے بعد فرمایا وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ اور زمین سے بھی ان (آسمانوں) کی مثل تخلیق کی۔ مفسرین کرام نے اسی سلسلہ میں بہت بحث کی ہے کہ آیا زمین کی آسمانوں کے ساتھ مثال تعداد کی بنا پر دی گئی ہے یا مسطح ہونے کی وجہ سے۔ قرآن پاک میں آسمان و زمین کی تخلیق کا ذکر بے شمار مقامات پر اکٹھا آیا ہے۔ مگر ہر جگہ آسمانوں کو جمع اور زمین کو مفرد کے صیغے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے پورے قرآن پاک میں یہ واحد آیت ہے جو زمین کی ایک سے زیادہ تعداد پر دلالت کرتی ہے۔ البتہ بعض احادیث اور بعض آثار سے زمینوں کے سات ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت صہیبؓ حضور علیہ السلام کے مشہور صحابی ہیں۔ یہ وہی صہیبؓ ہیں جو حضرت عمرؓ کے بھائی بنے ہوئے تھے، آپ کا جنازہ بھی انہوں نے پڑھا اور پھر آپ کی شہادت کے بعد تین دن تک قائم مقام خلیفہ بھی رہے۔ حصن حصین اور حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں حضرت صہیبؓ کی ایک دُعا منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ	اے سات آسمانوں کے پروردگار اور جن پر یہ سایہ افگن ہیں۔
وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ	اور اے ساتوں زمینوں کے پروردگار اور جن چیزوں کو یہ اٹھاتی ہیں۔
وَرَبَّ الشَّيٰطِيْنَ وَمَا اَضْلَلْنَ	اور اے شیطانوں کے پروردگار اور جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں۔
وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ (ص ۲۶۵)	اور اے ہواؤں کے پروردگار اور جن چیزوں کو وہ اڑاتی ہیں، ہمارے لیے اس بستی میں بہتری بنا دے۔

گویا اس دُعا میں سات زمینوں کا ذکر موجود ہے۔

مسلم شریف میں حضرت سعید بن زیدؓ کا واقعہ آتا ہے جو کہ عشرہ مبشرہؓ میں سے ہیں۔ آپ کے خلاف کسی عورت نے دعویٰ دائر کر دیا کہ انہوں نے اس عورت کی زمین پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ اس وقت مروان مدینہ کا گورنر تھا۔ اُس نے آپ کو عدالت میں طلب کیا۔ جب آپ سے دعویٰ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں اِس عورت کی زمین پر ناجائز قبضہ کروں حالانکہ میں نے خود حضور علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے سُن رکھا ہے۔ کہ جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی ناجائز قبضے میں رکھے گا، قیامت والے دن ساتوں زمینوں کا اتنا حصہ اُس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا جسے وہ سخت تکلیف اٹھا کر کھینچے گا۔ یہ سُن کر مروان نے مقدمہ ہی خارج کر دیا اور کہا کہ اس مقدمہ میں مجھے کسی گواہ

کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر حضرت سعیدؒ نے اُس عورت کو بددعا دی کہ اگر یہ جھوٹی ہے تو خدا تعالیٰ اِس کو اس کے گھر میں ہی ہلاک کرے اور آنکھوں سے نابینا بنا دے۔ آپؒ کی یہ دُعا قبول ہوئی اور وہ عورت اندھی ہو گئی اور پھر اپنے ہی گھر کے کنوئیں میں گر کر ہلاک ہو گئی۔ اس حدیث میں بھی سات زمینوں کا ذکر موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اثر میں ایک مشکل حدیث ہے جس نے اُمت میں بڑا اشکال پیدا کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ تمھاری زمین جیسی اور بھی سات زمینیں ہیں ہر زمین میں حضرت آدم علیہ السلام جیسے آدم، موسیٰ علیہ السلام جیسے موسیٰ، عیسیٰ علیہ السلام جیسے عیسیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے محمد ہیں۔ اس حدیث کی تشریح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں کی ہے صاحب تفسیر روح المعانی سید محمود آلوسی بغدادیؒ نے اِس کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اس حدیث میں اشکال یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف حضور خاتم النبیین ہیں، پھر آپ جیسے محمد ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی تشریح میں علامہ آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اوّل تو یہی بات واضح نہیں کہ جن دوسری زمینوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ تعداد میں واقعی اتنی ہیں، اور ہیں تو پھر اُن کی مخلوق کیسی ہے؟ کیا دوسری زمینوں کی مخلوق انسانوں جیسی ہے یا کوئی اور قسم کی مخلوق ہے۔ اگر وہ مخلوق انسانوں جیسی نہیں تو پھر اُن کے حالات بھی انسانوں سے مختلف ہوں گے، اور جہاں تک انسانی مخلوق کا تعلق ہے تو یہ تو آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک اِسی زمین پر آباد رہیں گے علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمھاری یہ زمین ہے، اسی طرح دوسری زمینیں بھی ہیں۔ اور جسطرح اس زمین میں ممتاز شخصیات ہوئی ہیں ایسی ہی ممتاز شخصیات دوسری زمینوں پر بھی ہیں مطلب یہ کہ حضرت محمد، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ تو نہیں البتہ اِن جیسی ممتاز شخصیات ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ مفہوم اخذ کرنے میں کیا حرج ہے؟

مفسرؒ ابُوسعودؒ لکھتے ہیں کہ حضرت نافعؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ آیا اس زمین کے نیچے بھی کوئی مخلوق آباد ہے، تو انہوں نے فرمایا، ہاں، مگر

وہ مخلوق انسانوں، جنوں یا ملائکہ جیسی نہیں ہے۔ کیونکہ آدمیت اور انسانیت کے لیے صرف یہی زمین مخصوص ہے

بعض فرماتے ہیں کہ اس آیت میں آسمانوں اور زمین کی مثلیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آسمان مسطح یعنی چپٹے ہیں۔ اسی طرح زمین بھی چپٹی ہے۔ حقیقت میں زمین مسطح نہیں بلکہ گول ہے مگر اپنے بہت بڑے حجم کی وجہ سے چپٹی معلوم ہوتی ہے۔ اللہ نے بھی فرمایا ہے وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ (الذریٰت ۴۸)
اور ہم نے زمین کو بطور فرش بچھا دیا ہے، اور ہم کیا ہی اچھے ہیں بچھانے والے
ان حضرات کا خیال ہے آسمانوں اور زمین کی مثلیت سطحیت میں ہے نہ کہ تعداد میں

بعض فرماتے ہیں کہ سات زمینوں سے سات طبقات مراد ہیں جو کہ یہ ہیں۔
(۱) آگ (۲) آگ اور دیگر مادوں کا مرکب (۳) پانی (۴) زمہریر (۵) ہوا (۶) عام مٹی (۷) گیلی مٹی۔

صاحب تفسیر کبیر لکھتے ہیں کہ ممکن ہے سات زمینوں سے اقالیم سبعہ یعنی سات ولائیتیں مراد ہوں۔ ہر اقلیم کی آب و ہوا مختلف ہے۔ ہم دوسری یا تیسری اقلیم میں رہتے ہیں۔ اسی طرح شمال اور جنوب کی طرف مختلف اقالیم ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ سات زمینوں سے اسی زمین کے بڑے بڑے حصے مراد ہیں جن کو براعظم کہا جاتا ہے۔ ان کی تعداد بھی سات ہے۔
(۱) براعظم ایشیا (۲) براعظم یورپ (۳) براعظم افریقہ (۴) براعظم آسٹریلیا۔ (۵) براعظم شمالی امریکہ (۶) براعظم جنوبی امریکہ (۷) براعظم انٹارکٹکا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے سات زمینوں سے سات سیارے مراد ہوں جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان میں (۱) زمین (۲) چاند (۳) زحل (۴) مریخ (۵) زہرہ (۶) مشتری (۷) عطارد شامل ہیں[1]۔ ان میں سے چاند پر تو انسان پہنچ چکے

---

[1] موجودہ سائنسدانوں نے کل گیارہ کروں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں مذکورہ سات کے علاوہ باقی، یورینس، سورج، نیپچون اور پلوٹو کو بھی شامل کیا گیا ہے (سواتی)

ہیں اور مریخ کے متعلق معلومات اکٹھی کی جا رہی ہیں۔ وہاں پر بھی زمین کی طرح پہاڑ، بادل اور موسمی حالات ہیں۔ چاند پر تو کسی مخلوق کا پتہ نہیں چل سکا۔ ہو سکتا ہے کہ مریخ پہ کوئی مخلوق آباد ہو مگر وہ انسان نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انسان تو صرف اسی زمین پر آباد ہیں۔ ممکن ہے ملائکہ یا جنات کی مانند کوئی مخلوق ہو۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سات زمینیں آسمانوں کی طرح اوپر نیچے ہوں مگر ہمارے علم میں نہ ہو کیونکہ کائنات کی ہر چیز تو انسان کے علم میں نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح بات یہی ہے کہ جس چیز کی قرآن نے مکمل تفصیل بیان نہیں کی اُس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔ اسی لیے بعض مفسرین فرماتے ہیں اَبْهِمُوا كَمَا اَبْهَمَهُ اللّٰهُ و جن چیزوں کو اللہ نے مبہم چھوڑ دیا ہے تم بھی اُن کو مبہم ہی رہنے دو، زیادہ کرید نہ کرو۔ ایسی چیزوں کے متعلق تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ البتہ اگر ایسی کوئی چیز احکام کے قبیل سے ہے تو اس کی وضاحت کی جائے گی تاکہ حلال حرام اور جائز ناجائز میں امتیاز ہو سکے۔ مگر حقائق سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی حقیقت معلوم کرنا ہر انسان کے لیے نہ ضروری ہے اور نہ اس کے بس میں ہے۔

حکم کا نزول

فرمایا اللہ کی ذات وہ ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا، اور زمین بھی اُن کی مانند۔ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ وہ نازل کرتا ہے حکم ان کے درمیان، حکم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تشریعی اور دوسرا تکوینی، کائنات میں پیدائش، اموات، تمام تغیرات اور تصرفات اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ اور تشریعی احکام میں عقائد، اعمال، اخلاق، معاشرت، حلال و حرام اور جائز و ناجائز سے متعلق احکام ہوتے ہیں۔ اس سرزمین پر شرعی احکام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں نازل ہوتے رہے ہیں۔ تو یہاں پہ نزولِ حکم سے دونوں قسم کے احکام مراد ہو سکتے ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو آسمانوں اور زمین کے درمیان اتارتا ہے اور اس نزولِ احکام سے مراد یہ ہے لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيْرٌ تاکہ تم جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کے بعد اس آیت میں یہ دوسری صفت قدرتِ تامہ کا ذکر ہوا ہے۔ گویا مذکورۃ الصدر کی اس صفت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات میں جو بھی تغیر و تبدل کرنا چاہے اُس کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی وہ قادرِ مطلق ہے اور ہر چیز اس کی قدرت کے تابع ہے۔

اللہ تعالیٰ نہ صرف ہر چیز پر قادر ہے بلکہ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا بے شک اُس نے ہر چیز کا علم کے ساتھ احاطہ کر رکھا ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ چھپی ہوئی اور ظاہر سب چیزوں کو جانتا ہے۔ یہ مخفی کا ذکر انسانوں کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے تو ذرے کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اس سائنسی دور میں سائنس دانوں نے بڑی بڑی معلومات حاصل کی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے کلی علم کے مقابلے میں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ سائنسدان جس قدر مطالعہ کرتے ہیں، مزید انکشافات ہوتے ہیں۔ غرضیکہ ہر چیز کا علم محیط صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ انسانوں کا علم محدود ہے، لہٰذا اُن کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفاتِ کاملہ پر ایمان لائیں، اس کے نازل کردہ شرعی احکام کو تسلیم کر کے اُن پر عمل کریں کہ اسی میں اُن کی نجات ہے اور اسی پر آخرت کی فلاح کا دارومدار ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

سورة التحریم

(مکمّل)
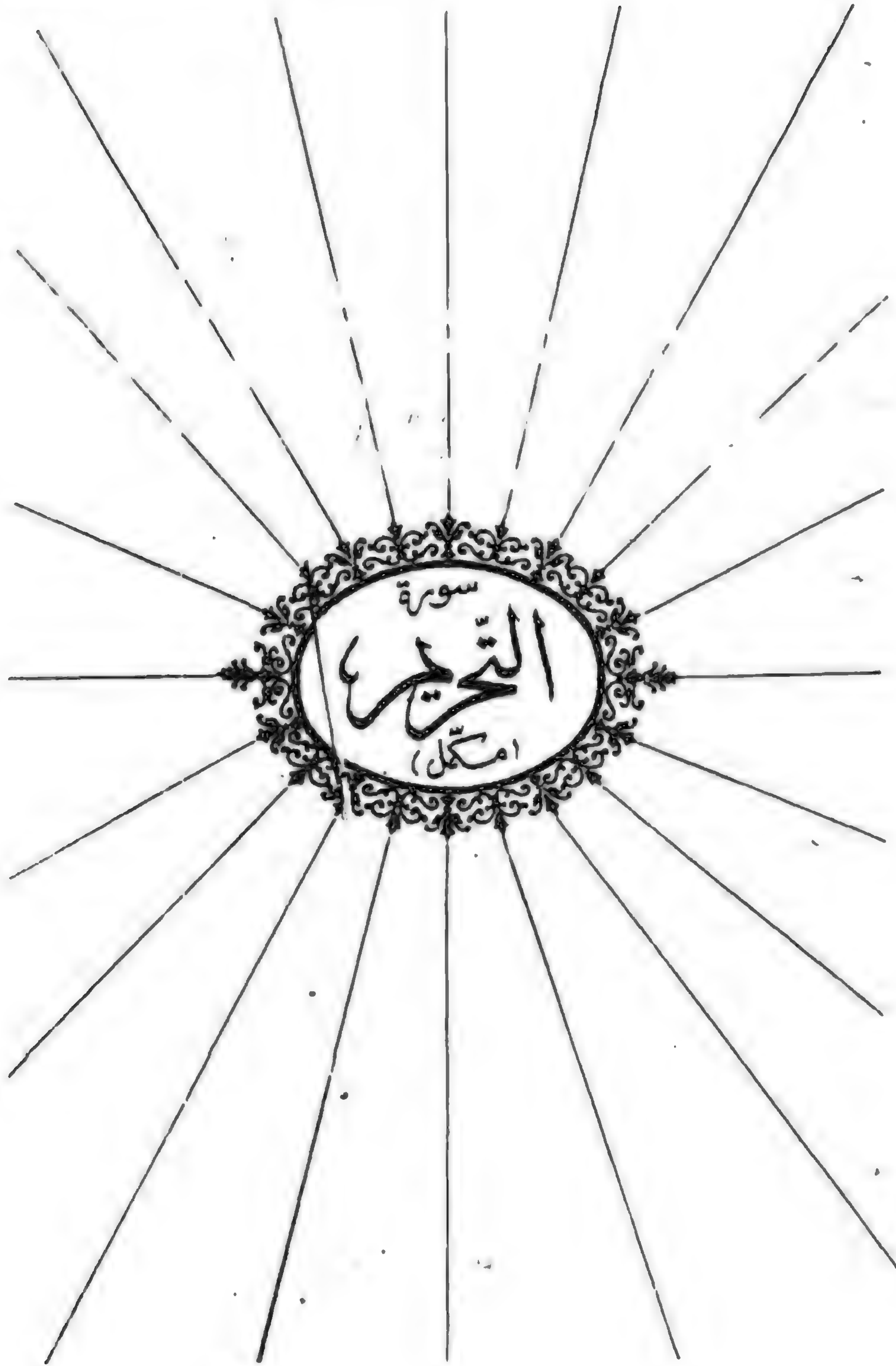
سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ التحریم مدنی ہے اور یہ بارہ آیات ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ②

ترجمہ :۔ اے نبی! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے آپ کے لیے حلال ٹھہرائی ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں خوشنودی اپنی بیویوں کی؟ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے ① بیشک اللہ نے مقرر کیا ہے تمہارے لیے کھول دینا تمہاری قسموں کا، اور اللہ تعالیٰ ہی تمہارا آقا ہے۔ اور وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمتوں والا ہے۔ ②

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ التحریم ہے، اس کو سورۃ النبی بھی کہا جاتا ہے یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں اور یہ سورۃ ۲۴۹ الفاظ اور ۱۰۶۰ حروف پر مشتمل ہے۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

یہ سورۃ اس سے پہلی سورۃ الطلاق کے ساتھ مربوط ہے۔ دونوں سورتوں میں بعض عائلی قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ البتہ دونوں سورتوں میں ربط یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں عداوت ونفرت کی بنا پر پیدا ہونے والے حالات سے متعلق قوانین تھے جب کہ اس سورۃ میں محبت وچاہت سے پیدا ہونے والے بعض معاملات سے متعلق قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ موقع خوشی کا ہو یا غمی کا، الفت ومحبت کی بات ہو یا غصہ اور ناراضگی کی ہر حالت میں اعتدال کو قائم رکھنا چاہیئے۔ ایسے مواقع پر جب عدل کا دامن چھوٹ جاتا ہے تو پھر طرح طرح کی خرابیاں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے یہ دُعا سکھلائی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ الْعَدْلَ فِی الرِّضٰی وَالْغَضَبِ وَاَسْئَلُکَ الْقَصْدَ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے خوشی اور ناراضگی میں عدل وانصاف کی توفیق عطا فرما اور تونگری اور محتاجی میں میانہ روی عطا فرما۔

گزشتہ سورۃ میں طلاق اور اس سے متعلقہ مسائل بیان ہوئے تھے۔ جب میاں بیوی میں نفرت وعداوت کے جذبات جنم لیتے ہیں تو پھر نوبت طلاق تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ اللہ نے طلاق، عدت، رہائش، خرچہ اور رضاعت وغیرہ کے معاملات میں قانون نازل کر کے میانہ روی اور عدل وانصاف کی تعلیم دی ہے۔ اور اس سورۃ میں پیار ومحبت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کسی فروگزاشت سے خبردار کیا گیا ہے کہ اس موقع پر بھی میانہ روی اور عدل کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ ایسے ہی موقع پر حضور علیہ السلام سے ایک ایسی بات ہو گئی تھی جو اگرچہ ناجائز یا گناہ والی بات نہیں تھی تاہم وہ خلاف اولیٰ یعنی بہتر نہیں تھی، لہٰذا اللہ نے یہ آیات نازل فرما کر نبی علیہ السلام کو متنبہ کر دیا کہ آپ کی ذات سے ایسی معمولی لغزش بھی سرزد نہیں ہونی چاہیئے۔

ازواجِ مطہرات کے لیے تنبیہ

اس سے پہلے حضور علیہ السلام کی ازواجِ مطہراتؓ کو ایک تنبیہ کا ذکر سورۃ احزاب میں ہو چکا ہے۔ آپ کی بیویوں نے آپ سے زیادہ خرچہ طلب کیا تو آپ ان

سے ناراض ہو گئے اور اُن سے ایلاء کر لیا جس کی بنا پر ایک ماہ تک اپنی بیویوں سے علیحدہ رہے، اس پر اللہ نے ازواجؓ کو سخت تنبیہ فرمائی کہ وہ نبی علیہ السلام کی ناراضگی کا باعث کیوں بنی ہیں؟ اور پھر اللہ نے سورۃ کے چوتھے رکوع میں آیات تخییر نازل فرمائیں کہ اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ، اُس کے رسول اور آخرت کے گھر کی طلبگار ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے (آیت ۲۸-۲۹)

آج کے درس میں بھی ایک ایسے ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیلات صحیحین اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ حضور علیہ السلام کا معمول تھا کہ آپ بعد از نماز عصر تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے سب ازواجؓ کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا۔ جب حضور علیہ السلام اُن کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کو شہد پیش کرتیں جسے آپ شوق سے نوش فرماتے، صحیح روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام یُحِبُّ الْحَلْوَا وَالْعَسَلَ یعنی آپ میٹھی چیز اور خصوصاً شہد کو بہت پسند فرماتے تھے چنانچہ آپ حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ زیادہ وقت دے دیتے۔ اس پر ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے ایک ترکیب کے ذریعے حضور علیہ السلام سے شہد چھڑانے کی کوشش کی، تو اس واقعہ پر بھی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ازواج مطہراتؓ کو تنبیہ فرمائی بلکہ خود حضور علیہ السلام کو تنبیہ کی کہ آپ ازواج مطہراتؓ کی خاطر ایک حلال چیز کو اپنے لیے کیوں ممنوع قرار دیتے ہیں۔

واقعہ کی تفصیل

شہد کی مکھی کی یہ فطرت ہے کہ وہ گندی چیز پر نہیں بیٹھتی۔ بلکہ ہمیشہ پاکیزہ چیزوں از قسم کھجور، انگور اور دیگر پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے۔ مغافیر ایک پودے کا نام ہے جس سے گوند نکلتی ہے۔ اگرچہ یہ پودا بالکل پاکیزہ ہوتا ہے تاہم اس سے نکلنے والی گوند سے کسی قدر بُو آتی ہے۔ شہد کی مکھی جب پھل یا پھول

کا رس چوستی ہے اُس کا اثر شہد میں بھی آجاتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہؓ کا منصوبہ یہ تھا کہ جب حضور علیہ السلام اُن کے ہاں تشریف لائیں تو وہ آپ کو باور کرائیں کہ آپ سے مغافیر کی بُو آتی ہے گویا جو شہد آپ نوش فرماتے ہیں شاید مکھی نے وہ مغافیر کے گوند سے تیار کیا ہے۔ چونکہ حضور علیہ السلام کو بدبُو سے سخت نفرت تھی، اس لیے ازواجِ مطہراتؓ کا خیال تھا کہ آپ فوراً اس شہد کا استعمال چھوڑ دیں گے اور اس طرح حضرت زینبؓ کے ہاں زیادہ قیام بھی نہیں کریں گے۔

پھر ایسا ہی ہوا جب حضور علیہ السلام حضرت حفصہؓ کے گھر گئے تو انہوں نے کہا کہ حضور! آپ کے منہ سے کسی قدر مغافیر کی بُو آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے۔ حضرت حفصہؓ کہنے لگیں، تو پھر شاید شہد کی مکھی نے مغافیر چوسا ہو جس کا اثر شہد میں آگیا ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام حضرت عائشہؓ کے گھر آئے تو انہوں نے بھی مغافیر کی بُو کی شکایت کی۔ اس پر حضور علیہ السلام کو شہد میں مغافیر کی بو کا یقین ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ آئندہ میں شہد استعمال نہیں کروں گا گویا خود اپنے اُوپر شہد کو ممنوع کر لیا۔

ایک دوسرا واقعہ

بعض مفسرین ایک دوسرا واقعہ بھی اسی سلسلے میں بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کسی روز حضرت حفصہؓ کے گھر گئے مگر وہ اپنے والدین کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ آپ نے اپنی لونڈی ماریہ قبطیہؓ کو وہاں بلا لیا جس نے رات بھر حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی قیام کیا۔ جب حضرت حفصہؓ واپس آئیں تو انہوں نے ماریہ قبطیہؓ کی ان کے گھر میں شب باشی کا بُرا منایا۔ یہ عورتوں کی فطرت ہے ورنہ یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی۔ اس پر حضور علیہ السلام نے حضرت حفصہؓ کی خوشنودی کے لیے قسم اٹھائی کہ میں آئندہ اس لونڈی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ گویا لونڈی کو اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا۔

حضور علیہ السلام کا یہ عمل کوئی غیر اخلاقی یا گناہ نہیں تھا اور نہ ہی اس کو حرام قرار دیا جا سکتا تھا۔ امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک معمولی سی لغزش تھی۔ جب کہ بعض

دوسرے مفسرین اس کو لغزش بھی تسلیم نہیں کرتے۔ یہ تو ایک خلاف اولیٰ بات تھی۔ حضور علیہ السلام بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے تھے اور خود بھی اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ ہی پیش آتے تھے۔ البتہ جہاں کہیں کوئی قانون متأثر ہوتا ہو یا شریعت میں نقصان کا خطرہ ہو یا امت کے لیے کوئی اسوہ قائم ہو جاتا ہو۔ وہاں حضور اللہ کے قانون کی پابندی فرماتے تھے تاکہ امت کے لیے آسانی پیدا ہو۔ بہرحال ان آیات کا مصداق یہ دو واقعات ہیں۔ یا تو آپ نے شہد کو یا لونڈی کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی تھیں۔ اسی بناء پر اللہ نے ان آیات میں سخت تنبیہ فرمائی ہے۔

مضامین سورة

ابتدائی آیات کے شانِ نزول میں میں نے عرض کر دیا کہ یہ اس معمولی سی لغزش پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت تنبیہ تھی۔ اس کے علاوہ اس سورۃ مبارکہ میں توبہ کا مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے اگر کوتاہی ہو جائے تو تمام مومنین اور مومنات کے لیے لازم ہے کہ وہ سچے دل سے توبہ کر لیں۔ اللہ نے یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا کہ ہر مسلمان کو اپنے گھر کی اصلاح کرنی چاہیئے اور خود اپنی بھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جہنم کا منہ دیکھنا پڑے اس کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے اور منافقوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا حکم بھی دیا گیا ہے پھر اللہ نے مثال کے طور پر دو کامل الایمان اور قانون کی پابندی کرنے والی عورتوں حضرت آسیہؓ بنت مزاحم اور حضرت مریمؑ بنت عمران کا ذکر کیا ہے۔ نیز دو کافرہ عورتوں یعنی زوجہ نوحؑ اور زوجہ لوطؑ کی مثال بھی بیان فرمائی ہے۔

شہد یا لونڈی کی حرمت

سورۃ کا آغاز مذکورہ واقعہ کے ذکر سے ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ اے نبی! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں اُس چیز کو جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے۔ شہد ہو یا لونڈی دونوں چیزیں حضور علیہ السلام کے لیے حلال تھیں مگر آپ نے خود انہیں اپنے لیے ممنوع کر لیا۔ فرمایا تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ کیا آپ اپنی عورتوں کی خوشنودی

چاہتے ہیں جس کی وجہ سے شہد یا لونڈی کو حرام قرار دیا ہے؟ حرام قرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ شرعاً یا عقیدتاً حرام کر لیا تھا بلکہ محض اس کا استعمال حرام قرار دے لیا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی وجہ کی بنا پر کسی جائز چیز کا استعمال ترک کر دے تو اس طرح وہ چیز شرعاً حرام نہیں ہو جاتی کیونکہ یہ اس کے اپنے اختیار کی بات ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی مباح چیز کو عقیدتاً حرام سمجھتا ہے تو یہ بدعت ہے اور آدمی مشرک ہو گا۔ البتہ حضور علیہ السلام کی شان چونکہ بہت بلند ہے، اس لیے آپ سے معمولی سی لغزش بھی گوارا نہیں کی گئی اور تنبیہ کی گئی کہ آپ نے اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر یہ کام کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ آپ کو ایسی خلافِ اولیٰ بات بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ فرمایا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے اس نے آپ کی یہ لغزش معاف کر دی ہے مگر آپ آئندہ ایسا نہ کریں۔

قسم اور کفارہ

اس کے بعد اللہ نے قسم اور اس کے کفارہ کا قانون بیان فرمایا ہے۔ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ تحقیق اللہ نے تمہاری قسموں کو کھول دینے کو فرض قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر قسم اٹھالی ہے تو اس کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرو۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس حکم کے مطابق قسم کو توڑ کر ایک غلام یا لونڈی آزاد کر دی تھی۔

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں حضور علیہ السلام نے کوئی قسم تو نہیں اٹھائی تھی جس کو توڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ آپ نے تو محض ایک مباح چیز کو اپنے آپ پر ممنوع قرار دے لیا تھا۔ اس ضمن میں مسلم شریف میں مذکور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت پیش کی جاتی ہے اِذَا حَرَّمَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ فَهُوَ يَمِيْنٌ يُكَفِّرُهَا جب کوئی شخص اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیتا ہے تو یہ قسم شمار ہوتی ہے جس کا کفارہ ادا کر کے قسم توڑ دینی چاہیئے۔ البتہ یہ بات وضاحت طلب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو مجھ پر حرام ہے تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ چونکہ صریح نہیں بلکہ کنایہ ہے

لہٰذا اگر وہ شخص طلاق کی نیت سے ایسا کہتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر ظہار کی نیت سے ہے تو ظہار تصور ہوگا۔ ہاں اگر کوئی شخص کہے کہ عورت کی ذات مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم ہوگی۔ اور اگر کہے کہ میں نے اس سے کچھ ارادہ نہیں کیا، تو ایک روایت کے مطابق یہ بھی قسم ہوگی۔ جب کہ دوسری روایت کے مطابق قسم شمار نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے آپ پر حرام کر دیتا ہے تو اگر اس کی نیت طلاق کی ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی، اور اگر تین طلاقوں کی نیت کرے گا تو تینوں واقع ہو کر عورت مغلظہ ہو جائے گی۔ اگر وہ شخص کہے کہ میں نے یہ جھوٹی بات کہی ہے ورنہ میرا ارادہ کچھ نہیں تھا تو یہ لغویات شمار ہوگی، مگر قسم پھر بھی واقع ہو جائے گی اور کفارہ دینا پڑے گا۔ یہ مسئلہ صرف عورت کی حرمت تک ہی محدود نہیں بلکہ کسی بھی مباح چیز مثلاً کھانا یا کپڑے وغیرہ کے متعلق کہتا ہے کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے تو وہ قسم ہوگی اور شخص متعلقہ کو کفارہ ادا کرنا پڑیگا۔

عام قانون بھی یہی ہے کہ اگر کسی جائز معاملہ میں بھی قسم اٹھالی مگر دوسرا پہلو بہتر ہے تو قسم کو توڑ دینا چاہیئے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ایسے معاملہ میں میں قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کر دیتا ہوں۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ نیکی کے اعتبار سے کسی قسم پر اصرار کرنا اچھا نہیں ہے۔ اس کی بجائے قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ قسم کے مسائل سورۃ البقرۃ اور سورۃ المائدۃ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اوّل تو قسم اٹھانی ہی نہیں چاہیئے۔ اور اگر کوئی جائز مجبوری ہے تو پھر یہ برأت کے لیے ہوتی ہے کہ انسان قسم اٹھا کر کسی الزام سے بری ہو جائے۔ اور اگر کوئی غیر اولیٰ بات ہو گئی ہے تو پھر قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہیئے۔ فرمایا وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ اللہ ہی تمہارا آقا اور کارساز ہے۔ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ اور وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمتوں والا ہے وہ تمہاری نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے اور اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کے متعلق کہتا ہے کہ

یہ مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم ہوگی۔ اُسے چاہیے کہ قسم کا کفارہ ادا کرکے مال کو اپنے کام میں لائے۔ یہ حکم بیوی، کھانا، کپڑا، پھل، گوشت سب چیزوں پر لاگو ہے۔

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ③ إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ④ عَسَىٰ رَبُّهُ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ⑤

ترجمہ:- اور جب کہ پوشیدہ طور پر ایک بات کہی نبی علیہ السلام نے اپنی ایک بیوی سے پس جب اس نے بتلا دی وہ بات، اور اللہ نے ظاہر کر دیا اُس بات کو پیغمبر علیہ السلام پر، تو اس نے بعض بات جتلا دی اور بعض سے اعراض کیا۔ پھر جب پیغمبر علیہ السلام نے وہ بات بیوی کو بتلائی تو اس نے کہا کہ آپ کو یہ بات کس نے بتلائی ہے۔ فرمایا بتلائی ہے مجھے علم رکھنے والی اور ہر چیز سے باخبر ذات نے ③ اگر تم دونوں توبہ

کرو اللہ کے سامنے ، پس بے شک تمہارے دل مائل
ہو چکے ہیں - اور اگر تم اس (پیغمبر) کے خلاف چڑھائی
کرو ، پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کا آقا ہے اور جبرائیل
اور نیک بخت ایماندار ، اور فرشتے اس کے بعد اس کے
مدد گار ہیں ④ شاید کہ اس کا پروردگار ، اگر وہ تم
کو طلاق دے دے ، تو تبدیل کر دے اس کے لیے
عورتیں بہتر تم سے فرمانبردار ، ایماندار ، اطاعت گزار ، تائبات ،
عابدات ، روزے دار (یا مہاجر) جو خاوند دیدہ ، اور دوشیزہ ہیں ⑤

ربطِ آیات

پہلی دو آیات میں اس بات کا ذکر تھا کہ اللہ کے نبی نے اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر بعض حلال چیزوں کو اپنے لیے حرام قرار دیدیا۔ اللہ نے ایسا کرنے کی ممانعت فرمائی اور حکم دیا کہ آپ اپنی قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دیں کیونکہ یہ تو خواہ مخواہ مشقت میں پڑنے والی بات ہے۔ اب آج کی آیات میں نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ کو تنبیہ کی گئی ہے اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم نبی کی مخالفت کرو گی تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لیے تم سے بہتر ازواج مہیا کر دیگا۔

امہات المومنینؓ کے لیے بشارت

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حفصہؓ کے سامنے شہد کو استعمال نہ کرنے یا لونڈی سے فائدہ نہ اٹھانے کی قسم کھائی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوئی۔ اس کے علاوہ حضور علیہ السلام نے حضرت حفصہؓ کو یہ بشارت بھی سنائی تھی کہ میری وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ یہ منصب سنبھالیں گے۔ آپ نے اس راز کو فاش نہ کرنے کی بھی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ ایک دوسری کے ساتھ زیادہ مانوس تھیں، لہٰذا حضرت حفصہؓ نے راز کی یہ بات حضرت عائشہؓ کو بتلا دی جس پر اللہ نے سخت تنبیہ فرمائی کہ اگر نبی کی خوشنودی مطلوب ہے تو پھر ان کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔

افشائے راز کا واقعہ

ارشاد ہوتا ہے وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا اور جب کہ اللہ کے نبی نے اپنی بیویوں میں سے بعض کو ایک بات پوشیدہ طور پر بتلائی۔ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ پھر جب اس بیوی نے اس راز کو فاش کر دیا یعنی وہ بات دوسری بیوی کو بتلا دی۔ وَاَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ اور اللہ نے اس کی اطلاع اپنے نبی کو بذریعہ وحی کر دی کہ راز کی بات ایک بیوی نے دوسری کو بتا دی ہے عَرَّفَ بَعْضَہٗ تو حضور علیہ السلام نے اس بات کا کچھ حصہ اپنی زوجہ محترمہ پر ظاہر کر کے تنبیہ فرمائی کہ تمہیں اس راز کو آگے نہیں چلانا چاہیئے تھا، جس کی میں نے سخت تاکید کی تھی۔ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ اور بات کے کچھ حصے کو آپ نے ظاہر نہ کیا بلکہ پھر بھی صیغہ راز میں رکھا۔ تاہم فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ جب نبی علیہ السلام نے بیوی کو افشائے راز کی خبر دی قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَکَ ھٰذَا تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو کس نے بتایا کہ میں وہ راز محفوظ نہیں رکھ سکی۔ حضرت حفصہؓ کو یقین تھا کہ حضرت عائشہؓ یہ بات حضور علیہ السلام کو نہیں بتائے گی کیونکہ وہ ان کی نہایت ہی معتمد تھیں۔ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ تو حضور علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے اس ذاتِ خداوندی نے بتایا ہے جو سب کچھ جاننے والی اور ہر خبر سے باخبر ہے۔ آپ نے واضح کر دیا کہ میں خود عالم الغیب نہیں ہوں جو از خود جان لیتا کہ تم نے راز کو فاش کر دیا ہے بلکہ یہ خبر مجھے اللہ نے وحی کے ذریعے دی ہے۔ بہر حال اس میں زوجہ محترمہ کے لیے سخت تنبیہ ہے، کہ اس نے نبی کے حکم کے خلاف عمل کیا۔

توبہ کی تلقین

فرمایا اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ اگر تم دونوں (راز کو بتانے والی اور اس کو سننے والی) اللہ کے سامنے توبہ کر لو۔ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا تو بے شک تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دونوں ازواج مطہرات (حضرت حفصہؓ اور عائشہؓ) کو غلطی کا احساس ہو کر ان کے دل توبہ کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ صغت کا معنیٰ ٹیڑھا ہونا بھی

ہوتا ہے، اس لیے بعض مفسرین نے یہ معنی کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کے راز کو قائم نہ رکھ کر تمھارے دل ٹیڑھے ہو چکے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ازواج کے دلوں میں نہ کوئی بدنیتی تھی، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی سازش اور نہ ہی اُن کے دل ٹیڑھے ہوئے تھے۔ وہ محض کم حوصلگی کی وجہ سے راز کو قائم نہ رکھ سکیں۔ ازواجِ مطہرات رض نے ایک غلطی زیادہ خرچہ طلب کر کے بھی کی تھی، جس کا ذکر سورۃ احزاب میں آچکا ہے۔ اللہ نے اس کوتاہی پر بھی سخت تنبیہ کی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (آیت۔۳۲) اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو بلکہ اللہ نے تمھیں بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے، لہٰذا تمھاری معمولی سی غلطی بھی قابلِ گرفت ہے۔ تمھیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

رافضیوں کی صحابہ دشمنی

اس واقعہ کی آڑ میں رافضیوں نے صحابہ کرام رض اور امہات المومنین رض کے خلاف سخت نازیبا کلمات کہے ہیں۔ مثلاً صاحب "صافی" لکھتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حفصہ رض کو افشائے راز سے سختی سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تم پر خدا کی لعنت ہوگی، چنانچہ پہلے اس راز کا ذکر حضرت عائشہ رض کے ساتھ اور پھر حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کے ساتھ ہوا اور پھر ان چاروں نے سازش کی کہ العیاذ باللہ حضور علیہ السلام کو زہر دے کر ختم کر دیا جائے اور حکومت پر قبضہ کر لیا جائے یہ سب کذب بیانی اور بہتان ہے، وگرنہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بشارت تھی جو کہ خوشی کی بات تھی کہ حضور کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر متمکن ہوں گے البتہ شہد والے معاملہ میں ان ازواج مطہرات رض نے ضرور ایک سکیم بنائی تھی، تاکہ حضور علیہ السلام حضرت زینب رض کے ہاں زیادہ قیام نہ کریں اور ایک خاوند کی متعدد بیویوں کے درمیان اس قسم کی رقابت ایک فطری امر ہے۔

نبی کے مددگار

آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے ازواج مطہرات رض کی سرزنش ایک دوسرے

انداز میں کی ہے وَإِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ اور اے نبی کی بیویو! اگر تم نبی علیہ السلام کے خلاف مزید جتھہ بندی کرو گی، آپ کے خلاف ایک دوسری کی مدد کرو گی اور اپنی بات پر اڑی رہو گی، تو یاد رکھو! کہ اس میں نبی کا تو کچھ نقصان نہیں ہو گا بلکہ الٹا تمہیں ہی نقصان اٹھانا پڑے گا کیونکہ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ بے شک نبی کا کارساز، آقا اور رفیق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ وَجِبْرِيْلُ اور جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کی اعانت پر ہر وقت مستعد ہیں وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور نیک بخت مومن بھی آپ کے ساتھی اور معاون ہیں۔ نیز فرمایا وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ اور اس کے بعد اللہ کے فرشتے اُس کے معاون ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبی کے مددگار تو موجود ہیں، بے یار و مددگار تم ہی رہو گی، لہٰذا نبی علیہ السلام کی مخالفت کر کے خود ہی نقصان اٹھاؤ گی۔ اللہ نے آئندہ کے لیے ایسی حرکت سے سختی کے ساتھ منع فرما دیا۔

بہتر ازواج کی پیش کش

آگے اللہ نے ایک دوسرے انداز میں ازواج مطہراتؓ کو متنبہ فرمایا۔ اے امہات المؤمنین پیغمبر کی ذات کو پریشان نہ کرو۔ اگر تمہارا یہی وطیرہ رہا، عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ اگر اللہ کا نبی تمہیں طلاق دے دے تو شاید کہ اُس کا پروردگار اُس کے لیے بیویاں تبدیل کر دے جو تم سے بہتر ہوں۔ خدا قادرِ مطلق ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ اگر ہم نہ ہوں گی تو اللہ کے نبی کو کوئی زحمت اٹھانا پڑے گی۔ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے بہتر بیویاں عطا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اگرچہ امہات المؤمنین میں خیر کا پہلو ہی غالب تھا۔ تاہم اللہ نے ایک دفعہ دوٹوک الفاظ میں تنبیہ فرما دی کہ اپنے ذہن میں کوئی گھمنڈ نہ لانا بلکہ عاجزی اختیار کرو۔ یہ تمہارے لیے بہت بڑا شرف ہے کہ تم نبی آخر الزمان علیہ السلام کی ازواج ہو۔ یہ اللہ نے اپنے نبی کی بیویوں کو ادب سکھایا ہے۔

فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ نبی کے لیے دوسری بیویوں کو لے آئے تو اُن کی صفات یہ ہوں گی کہ وہ مُسْلِمٰتٍ نبی کی نہایت ہی فرمانبردار ہوں گی، اور آپ

کی ذات کے لیے کبھی پریشانی کا باعث نہیں بنیں گی، وہ عورتیں مُؤْمِنٰتٍ خدا کی ذات پر کمال درجے کا ایمان رکھنے والی ہوں گی، نیز وہ قٰنِتٰتٍ قنوت کرنے والی یعنی نماز میں کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرنے والی ہوں گی۔ قنوت مطلق اطاعت کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ پھر فرمایا تٰٓئِبٰتٍ توبہ کرنے والی ہوں گی، ذرا سی کوتاہی ہوئی تو فوراً توبہ کر لی اور معافی مانگ لی۔ عٰبِدٰتٍ وہ عورتیں بڑی ہی عبادت گزار ہوں گی، عبادت صرف نماز ہی کا نام نہیں بلکہ تمام قسم کی مالی، بدنی، لسانی اور فعلی عبادت کرنے والی ہوں گی۔ آگے فرمایا سٰٓئِحٰتٍ روزہ رکھنے والی یا سیاحت کرنے والی یعنی ہجرت کرنے والی ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ آپ کی ازواج مطہراتؓ نے مکہ سے مدینہ ہجرت بھی کی تھی۔ فرمایا ان صفات کی حاملین عورتیں ثَیِّبٰتٍ خاوند دیدہ بھی ہو سکتی ہیں۔ وَّاَبْكَارًا اور دوشیزہ بھی ہو سکتی ہیں۔ ایک طرف تو ازواج مطہراتؓ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ نبی کی پریشانی کا سبب نہ بنیں اور دوسری طرف پیغمبر علیہ السلام کے لیے تسلی کا باعث بھی ہے کہ ان بیویوں کی عدم موجودگی میں اللہ تعالیٰ آپ کو محروم نہیں کرے گا، بلکہ ان سے بہتر بیویاں عطا کرے گا۔

خاوند دیدہ عورت کی خصوصیات

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ثَیِّبٰتٍ یعنی خاوند دیدہ عورتوں کا ذکر اُن کی تعریف کے طور پر کیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات عقل و شعور اور تجربے کی بناء پر کنواری عورت سے شوہر دیدہ عورت بہتر ثابت ہوتی ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کہ کیا تم نے نکاح کیا ہے؟ عرض کیا ہاں۔ پوچھا، عورت کیسی ہے؟ عرض کیا عمر رسیدہ ثیبہ ہے۔ فرمایا، اگر دوشیزہ عورت سے نکاح کرتے تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوتا۔ حضرت جابرؓ نے عرض کیا، حضور میری کل دس بہنیں ہیں جن میں سے تین شادی شدہ اور سات کنواری میرے گھر میں ہیں اگر میں اُن جیسی کوئی جوان عورت لے آتا تو شاید میری بہنوں کی اچھی تربیت نہ ہو سکتی۔ روایت میں آتا ہے کہ اس عقلمندی پر حضور علیہ السلام نے اُس رات حضرت جابرؓ کے لیے پچیس ۲۵ مرتبہ دعا کی۔ اگرچہ

عام حالات میں کنواری ہی کو ترجیح حاصل ہوتی ہے مگر بعض اوقات خاوند دیدہ زیادہ بہتر ثابت ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کی اپنی ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت عائشہؓ دوشیزہ تھیں اور حضرت حفصہؓ بیوہ۔ باقی تمام ازواج بھی پہلے سے نکاح شدہ تھیں، بلکہ حضرت خدیجہؓ کے تو پہلے دو خاوند فوت ہو چکے تھے جب وہ آپ کے نکاح میں آئیں۔ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ بلاشبہ نیک بخت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبردار تھیں مگر اُن کے منصب کے مطابق اللہ نے معمولی سی لغزش پر بھی تنبیہ فرما دی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ ع

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ اس پر مقرر ہیں فرشتے تندخو اور زبردست نہیں نافرمانی کرتے اللہ تعالیٰ کی اُس چیز میں جو وہ اُن کو حکم دیتا ہے۔ اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں۔ جو اُن کو حکم دیا جاتا ہے ﴿۶﴾ اے کفر کرنے والے لوگو! مت عذر کرو آج کے دن۔ بیشک تم کو بدلہ دیا جائے گا اُن کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ﴿۷﴾

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بیویوں کو پیغمبر علیہ السلام کا ادب سکھایا کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے اللہ کے نبی کا دل پریشان ہو جائے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی ایک بیوی سے ایک راز کی بات کی تھی مگر وہ اس راز کو قائم نہ رکھ سکیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آیات نازل فرما کر آپ کی بیویوں کو سخت تنبیہ فرمائی، اور متعلقہ بیوی کو معافی مانگنے اور توبہ کرنے کی تلقین کی۔ پھر اللہ نے اپنی قدرت تامہ کا ذکر کیا کہ ازواجِ مطہرات کو مغرور نہیں ہونا چاہیئے اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے

کہ وہ دنیا میں بہترین عورتیں ہیں۔ بلکہ فرمایا کہ اگر اللہ کا نبی ان بیویوں کو طلاق دے دے تو اللہ ان سے بہتر عورتیں لے آنے پر قادر ہے۔ جو اطاعت، یقین، نماز، روزہ، توبہ اور عبدیت کی صفات سے موصوف ہوں گی۔ وہ شوہر دیدہ بھی ہوں گی اور دوشیزہ بھی۔

پیغمبر کی بیویوں کے لیے قانون بیان کرنے کے بعد اب اللہ نے عام اہل ایمان کے لیے قانون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہر اہل ایمان کو اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی فکر کرنی چاہیئے۔ اس درس میں تقویٰ اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ جب کہ اگلے درس میں توبہ کرنے کا اصول بیان کیا گیا ہے

دوزخ سے بچاؤ

ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو اللہ کی ذات پر ایمان لائے ہو۔ قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ قُوْا کا معنی بچنا ہوتا ہے اور تقویٰ بھی اسی لفظ سے مشتق ہے۔ کفر، شرک، الحاد اور کبائر و صغائر سے بچ جانے کا نام تقویٰ ہے۔ ایک متقی آدمی حدود و شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کا خوف اس کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ بہرحال فرمایا کہ اے ایمان والو! دوزخ کی آگ سے خود بھی بچنے کی کوشش کرو۔ اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس سے بچاؤ۔

امام بغوی اپنی کتاب شرح السنہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت لائے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ والدین سے باز پرس کرے گا کہ تم نے اپنی بیوی بچوں کو اچھا راستہ کیوں نہ دکھایا اور ان کو صحیح تعلیم کیوں نہ دی؟ اور ادھر اولاد سے بھی سوال ہو گا۔ کہ جب تمہارے والدین تمہیں اچھی بات کی نصیحت کرتے تھے تو تم نے کیوں نہ اس کو قبول کیا۔ بہرحال انسان کو سب سے پہلے اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ اگر اس کا عقیدہ خراب ہو گا۔ اعمال فاسد ہوں گے بداخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہو گا۔ تو وہ مجرم بن کر جہنم رسید ہو گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل خاندان کو انذار

اس عمومی حکم کے علاوہ حضور علیہ السلام سے اللہ نے خصوصی خطاب بھی فرمایا ہے۔ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء - ۲۱۴) اے نبیؐ! اپنے

قریبی رشتہ داروں کو خدا کا ڈر سنائیں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں حضور علیہ السلام نے اپنے خاندان کے لوگوں سے عمومی اور خصوصی خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنی بیٹی سے فرمایا فاطمہؓ! اپنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچالو کیونکہ اگر تم ایمان اور نیکی سے محروم ہوگی تو میں تمھیں اللہ کے ہاں نہیں بچاسکوں گا۔ پھر آپ نے اپنی پھوپھی صفیہؓ کو فرمایا کہ اپنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچالو۔ پھر آپؐ اپنے خاندان والوں کو خطاب کیا، یا بنی عبدالمطلب، یا بنی ہاشم، یا معشر قریش! میں تمھارے ساتھ اپنے رشتۂ قرابت کا حق دنیا میں تو ادا کر سکتا ہوں لیکن میں تمھیں دوزخ کی آگ سے نہیں بچاسکوں گا۔ آج ہی اس کی فکر کر لو اور ایمان قبول کر کے اپنے آپ کو بچالو۔

عام لوگوں کے لیے انذار

کتاب الامارۃ میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص ابن لُتبیہؓ کو مالِ غنیمت اور زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لیے ایک علاقے میں بھیجا۔ وہ شخص جب واپس آیا تو کہنے لگا کہ یہ تو مال زکوٰۃ ہے جو بیت المال میں جائے گا اور یہ مال لوگوں نے مجھے عطیہ دیا ہے۔ یہ سُن کر حضور علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر تم اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہتے تو کون تمھیں تحفے بھیجتا۔ جس مال کو تم ہدیہ قرار دے رہے ہو یہ تو رشوت ہے کیونکہ یہ عطیہ تمھیں اس عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے ملا ہے۔ یہ تمھارے لیے قطعاً جائز نہیں۔ پھر فرمایا کہ قیامت والے دن کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے جو اپنے سروں پر جانور، کپڑے، اناج اور دیگر مال اسباب اٹھائے ہوئے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہماری گرفت ہوگئی ہے۔ آپ ہمیں کسی طریقے سے بچائیں مگر میں یہی کہوں گا لَآ اَمۡلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا۔ لوگو! یاد رکھو! میں تمھارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں یعنی میں آج تمھاری حمایت میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے دنیا میں تمھیں بتا دیا تھا کہ خیانت نہ کرنا، رشوت نہ لینا۔ کسی کا حق نہ مارنا۔ اس وقت تو تم نے میری بات نہ مانی، آج اپنا بھگتان خود کرو۔ یہ اعمال اور عقیدے دونوں کے متعلق ہے کہ اگر توحید کا صحیح عقیدہ اختیار نہیں کرو گے تو میں تمھیں خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکوں گا۔

اللہ کا فرمان ہے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ۔ ۱۳۲)
آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اُس پر قائم رہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
کی تعریف میں اللہ نے یہ بات بھی بیان کی ہے وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ
وَالزَّكٰوةِ (مریم۔ ۵۵) وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تلقین کیا کرتے تھے۔
وہ اللہ کے برگزیدہ رسول تھے۔ اس لیے تمام اچھی باتوں کو اختیار کرنے اور بری
باتوں سے رکنے کا حکم کیا کرتے تھے۔

صحیحین میں حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ
مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ یاد رکھو! تم سب حاکم ہو تو تم میں سے ہر شخص کی
اُس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اللہ نے ہر ذمہ دار آدمی کو حاکم بنایا۔
آپ نے یہ بھی فرمایا فَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِهٖ فَهُوَ مَسْئُوْلٌ
عَنْهُ ہر آدمی اپنے گھر والوں کے لیے حاکم ہے اور اُن کے بارے میں اُس
سے سوال ہوگا، مطلب یہ کہ کوئی شخص معاشرے میں کسی بھی حیثیت میں ہے
اُس پر لازم ہے کہ وہ اپنے زیر دستوں کو نیکی کا حکم کرے اور برائی سے بچنے کی
تلقین کرے۔

بچوں کی تربیت

ترمذی اور مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ کسی والد نے اپنی اولاد کو اس
سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا کہ اُس کی تعلیم و تربیت اس طرح کرے کہ وہ نیکی کو اختیار
کرے، عقیدے کو پاک کرے، خدا کی عبادت کرے، اخلاق کو درست کرے
اور برائیوں سے بچتا رہے تاکہ وہ آتش دوزخ سے بچ جائے۔ حضور علیہ السلام کا یہ
فرمان بھی ہے مُرُوا الصِّبْيَانَ بِالصَّلٰوةِ جب بچے سات سال کی عمر کو
پہنچ جائیں تو اُن کو نماز کا حکم دو کیونکہ انسان میں ابتدائی شعور سات سال کی عمر میں
پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے، دس سال کی عمر میں شعور درمیانہ درجہ کو پہنچتا ہے اور
چودہ پندرہ سال کی عمر میں شعور بلوغ تک پہنچ جاتا ہے اسی لیے فرمایا کہ سات سال
کی عمر میں بچے کو نماز کی تلقین کرو، اُسے نماز کا طریقہ سکھلاؤ۔ نماز پر کھڑا کرو، اور

اس میں اُسے پختہ کرنے کی کوشش کرو۔ پھر اگر بچہ دس سال کی عمر تک پہنچ کر نماز نہیں پڑھتا تو اُسے مار کر پڑھاؤ۔ پھر بچوں کو ایک بستر پر نہ سونے دو بلکہ اُن کے بستر الگ کر دو۔ بہر حال جب تک بچہ بالغ نہیں ہوتا، اُس کی تربیت کے ذمہ دار والدین ہیں اور جب وہ سِن بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تو اپنے اعمال کا خود ذمہ دار بن جاتا ہے۔

شاہ عبدالقادر دہلوی "موضح القرآن" میں لکھتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے گھر والوں کو دین کی راہ پر لائے، اور اس کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں مثلاً لالچ دے کر اس راہ پر لایا جا سکتا ہے یا ڈرا دھمکا کر بلکہ ضرورت کے مطابق مارنا پیٹنا بھی درست ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ دین کے راستے پر نہ آئیں تو یہ اُن کی بدبختی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

دوزخ کا ایندھن

فرمایا وہ دوزخ ایسی ہے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جو اس میں جلیں گے۔ بالکل یہی الفاظ سورۃ بقرہ کی آیت [24] میں بھی گزر چکے ہیں۔ ان پتھروں سے مراد عام پتھر بھی ہو سکتے ہیں اور وہ پتھر بھی جن کو بتوں کی شکل میں گھڑ کر اُن کی پوجا کی جاتی تھی۔ حضور کا فرمان ہے کہ دوزخ کی آگ دُنیا کی آگ سے ستر گنا شدید ہوگی۔ پھر فرمایا عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ اُس پر فرشتے مقرر ہیں غِلَاظٌ شِدَادٌ جو تند خو اور سخت ہیں اور کسی کی رعایت نہیں کرتے، نہ اُن کو کسی پر ترس آئے گا۔ وجہ یہ ہے لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ کہ وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ کوئی روتا پیٹتا ہے یا چیختا چلاتا ہے اُن پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ ہے کہ عذاب والے فرشتوں کی شکلیں بھی بڑی دہشت ناک ہوں گی، حدیث میں آتا ہے کہ مرنے کے وقت ایمان والوں کے سامنے فرشتے

اچھی شکل و صورت میں آتے ہیں اور اُن کے پاس برزخ میں بھی ایسے فرشتے آتے ہیں، اس کے برخلاف مشرک، کافر اور معصیت والے لوگوں کے پاس بڑی خوفناک شکلوں والے فرشتے آتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

موجودہ معاشرے کی حالت

اللہ کا فرمان قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے، نبی کی تلقین بھی موجود ہے کہ لوگو! آخرت کی فکر کر لو اور اپنے حالات درست کر لو، خدا کی عبادت کرو۔ اور اچھے اخلاق پیدا کرو، اس کے باوجود معاشرے کی حالت دیکھیں آوے کا آوہ ہی اُلٹا ہوا ہے اِلّا ماشاء اللہ۔ باپ خود بیوی بچوں کو لے کر بیٹھا جاتا ہے، کرکٹ کا میچ دکھاتا ہے، کلبوں میں اکٹھے کھیل کود ہوتا ہے، یا گھروں میں کھیل کود کا ماحول پیدا کر لیا جاتا ہے، فوٹو گرافی ہوتی ہے، عریاں فلمیں سارے اہل خانہ اکٹھے دیکھتے ہیں، ٹی وی پر ڈراموں کی بھرمار ہے، جس میں اخلاق سوز مناظر کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ والدین کی معیت میں ہوتا ہے، اس کی اصلاح کون کرے گا۔ اگر بچے یہ سمجھتے ہیں تو والدین کو اصلاح کرنی چاہیئے۔ مگر وہ تو خود برائی میں شریک ہوتے ہیں۔ مسلمانوں نے بھی یہودیوں، عیسائیوں اور ملحدوں کا راستہ اختیار کر لیا ہے لوگ اس کو مادی ترقی کا نام دیتے ہیں مگر حقیقت میں انتہائی گندگی میں جا رہے ہیں۔ لوگوں کو بلا وجہ قتل کیا جا رہا ہے، لوٹا جا رہا ہے، عصمت دری ہو رہی ہے، گھروں اور بینکوں میں ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ بم دھماکے ہو رہے ہیں، آخر یہ کہاں کی ترقی اور کہاں کی انسانیت ہے؟ آخر تفریح کی بھی کوئی حد ہوتی ہے مگر یہاں تو منزل مقصود ہی تفریح بن چکی ہے۔ دن رات فحش فلمیں کئی کئی روز تک کرکٹ میچ میں انہماک، گلیوں، بازاروں میں ہلہ بازی، یہ سب کچھ لوگوں کو مقصدِ حیات سے دُور رکھنے کی سازش ہے۔ پورا معاشرہ ہی بگڑ چکا ہے۔ جس کے سنورنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، یہ کوئی ترقی نہیں بلکہ تنزل کی علامت ہے۔ اصل ترقی وہ ہے جو اللہ کے راستے میں حاصل کی جائے یہی ترقی آخرت کی دائمی زندگی میں کام آئے گی۔ ورنہ یہ نام نہاد ترقی تو اسی دُنیا

میں آج نہیں تو کل ختم ہو جائیگی۔ اللہ کا فرمان ہے کہ لوگو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

کفار کیلئے وعید

اللہ نے ہر خیر و شر سے خبردار کر دیا ہے اس بعد کافروں سے خطاب کرکے فرمایا یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اے کفر کا ارتکاب کرنے والو! یعنی اللہ کی وحدانیت رسول کی رسالت اور جزائے عمل کا انکار کرنے والو! یاد رکھو! لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ آج کے دن کوئی بہانہ نہیں سنا جائے گا۔ بہانہ سازی دنیا میں تو چل جاتی تھی مگر آج قیامت کے دن اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ عمل کا زمانہ ختم ہو کر جزائے عمل کا وقت آچکا ہے۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ بے شک آج تمھیں اُن کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ تم دُنیا میں کرتے تھے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑧ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨

ترجمہ: اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کے سامنے توبہ صاف دل سے۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار دور کر دے گا تم سے تمہاری برائیاں اور داخل کرے گا تم کو بہشتوں میں کہ بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں۔ جس دن اللہ تعالیٰ نہیں رسوا کرے گا اپنے نبی کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ ان کی روشنی دوڑتی ہو گی اُن کے سامنے اور اُن کی دائیں طرف، اور وہ کہیں گے، اے ہمارے پروردگار! پوری کر دے ہمارے لیے ہماری روشنی اور بخشش دے ہمیں۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ⑧ اے نبی! آپ جہاد کریں کافروں اور

منافقوں کے ساتھ اور ان پر سختی کریں اور ان کا ٹھکانہ
جہنم ہے ، اور وہ بہت بری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی ⑨

ربط آیات

ابتداء میں قسم کا مسئلہ بیان ہوا اور پھر پیغمبر علیہ السلام کی ازواج سے سرزد ہونے والی کوتاہی پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ، اور ان کو توبہ کی تلقین کی ۔ اس کے بعد تمام اہل ایمان کو نصیحت کی کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کا انتظام کریں ۔ اب آج کے درس میں ایک تو عام اہل ایمان کو خالص دل سے توبہ کی ہدایت کی ہے اور دوسری بات یہ کہ اللہ نے اپنے نبی کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ کفار کے ساتھ جہاد بالسیف کریں اور منافقوں کو زبانی سرزنش کریں ، نیز ان کے انجام کا ذکر بھی کیا گیا ہے ۔

خالص توبہ

گذشتہ آیات میں حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو اپنی کوتاہیوں پر توبہ کرنے کی تلقین کی گئی تھی ۔ اب عام مسلمانوں کے لیے فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا اے ایمان والو ! اللہ کے سامنے صاف اور خالص دل سے توبہ کرو ۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا ۔ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا ۔ وَیُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور تم کو ان بہشتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔

توبۃ النصوح سے مراد عام توبہ نہیں بلکہ وہ توبہ ہے جو صدق دل سے کی جائے ایسی توبہ تمام مسلمانوں کے لیے فلاح کا پہلا زینہ ہے ۔ اللہ نے توبہ کا قانون قرآن کی مختلف سورتوں میں مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے ۔ سورۃ توبہ میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے ۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ (آیت ۔ ۱۱) اگر کافر اور مشرک لوگ توبہ کر لیں ، نماز قائم کرنے لگیں ، اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو پھر یہ اہل ایمان کے بھائی بن جائیں گے ۔ اب ان سے کوئی جھگڑا باقی نہیں رہا اسی طرح سورۃ نور میں فرمایا ہے ۔ وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ

جَمِيعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آیت-۳۱) اے ایمان والو! تم سب کے سب اللہ کے سامنے توبہ کرلو تاکہ فلاح پاجاؤ۔ سورۃ توبہ میں اللہ نے جن لوگوں کو کامیابی کی بشارت دی ہے، ان میں توبہ کرنے والوں کا نام سرفہرست ہے اَلتَّائِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ ...... الآیۃ (آیت-۱۱۲) سورۃ القصص میں بھی ہے۔ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰی اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ (آیت-۶۷) جس نے توبہ کرلی، اور ایمان لے آیا اور پھر نیک اعمال انجام دیے تو امید ہے کہ وہ شخص کامیاب ہونے والوں میں شامل ہوگا بہرحال کامیابی کا اولین اصول یہ ہے کہ انسان کفر، شرک اور معاصی سے تائب ہوجائے۔ اب رہا یہ سوال کہ توبہ ہے کیا چیز تو فرمایا اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ "توبہ ندامت ہی کا نام ہے۔ جب کوئی شخص اپنی غلطی پر نادم ہوجاتا ہے کہ میں نے یہ غلط کام کیا ہے اور آئندہ کے لیے ایسا غلط کام نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلے تو اس نے گویا توبہ کرلی۔ چنانچہ فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔

حضرت علیؓ کی وضاحت

حضرت علیؓ کی توبہ سے متعلق روایت بہت مشہور ہے جس کو صاحب تفسیر مظہری، صاحب تفسیر ابوسعود اور صاحب تفسیر کشاف نے بھی نقل کیا ہے آپ سے دریافت کیا گیا کہ خالص توبہ کس طرح ہوسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر توبہ کرنے کے بعد بھی غلط کام جاری رہا یا دل میں اخلاص پیدا نہیں ہوا تو یہ سچی توبہ نہیں کہلائیگی۔ فرمایا خالص توبہ وہ ہوگی۔ جس میں یہ چھ چیزیں جمع ہوجائیں۔

(۱) سابقہ غلط عقیدہ یا عمل پر ندامت ہو کہ یہ توبہ کا اولین جزو ہے۔

(۲) جو فرائض ترک ہوئے ہیں ان کو لوٹایا جائے۔

(۳) اگر کسی پر ظلم و زیادتی کی ہے یا حق تلف کیا ہے، تو اس کا حق لوٹایا جائے۔

(۴) اگر کسی کی بے آبروئی کی ہے یا برا بھلا کہا ہے تو اس سے معافی طلب کرے یا انتقام کا موقع فراہم کرے۔

(۵) دل میں پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ ایسا غلط کام نہیں کرے گا۔

(۶) نفس کو اطاعت کے کاموں پر اسی طرح آمادہ کرے جس طرح گناہ کے کام پر کیا کرتا تھا

امام تفتازانیؒ کی وضاحت

شرحِ مقاصد والے امام تفتازانیؒ لکھتے ہیں کہ معصیت مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ اگر خالص اللہ کی نافرمانی کی ہے تو اس سے توبہ کے لیے ندامت کافی ہوگی۔ مثلاً اس نے امر بالمعروف کا حق ادا نہیں کیا، یا جنگ سے بھاگ آیا ہے تو ایسا شخص اگر نادم ہو کر خلوصِ نیت سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ مگر بعض اوقات خالی ندامت کافی نہیں ہوتی بلکہ اپنے آپ کو تعزیر کے لیے پیش کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً اگر شراب نوشی کی ہے تو اپنے آپ کو حد جاری کرنے کے لیے پیش کرنا ہوگا۔ اگر گذشتہ زمانہ میں زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اب دینی پڑے گی۔ جو نمازیں چھوٹ گئی تھیں۔ ان کی قضا لازم ہوگی۔

اور بندوں کے حقوق میں ندامت اس طرح ہوگی۔ کہ ان کا حق واپس کیا جائے کسی کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہے، خیانت کی ہے، کسی کی ناجائز سرزنش کی ہے، گالی دی ہے، بُرا بھلا کہا ہے، غیبت کی ہے تو اس سے معافی مانگے کہ میں نے تیری یہ بُرائی کی ہے، خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ اگر متعلقہ شخص معاف کر دے گا تو معافی ہو جائے گی اور بندے کی توبہ قبول سمجھی جائے گی۔

انسان کے تین دفتر

اللہ نے نیکیوں کے اندراج اور گناہوں کی معافی کا عجیب و غریب نظام قائم کر رکھا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت والے دن انسان کے تین قسم کے دفتر اللہ کے حضور پیش کیے جائیں گے۔ پہلا دفتر اعمال صالحہ کا ہوگا۔ جس میں تمام نیک اعمال درج ہوں گے، دوسرا دفتر گناہوں کا ہوگا، اور تیسرے رجسٹر میں انسانوں کو ملنے والی نعمتوں کا اندراج ہوگا۔ فرمایا قیامت والے دن اللہ تعالیٰ جس آدمی کا محاسبہ کرنا چاہے گا اس کے تینوں دفتر پیش کیے جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ نعمتوں میں سے ایک چھوٹی سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا تو اس شخص سے اپنا حساب لے لے، وہ نعمت انسان کی نیکیوں میں سے اپنا بدلہ طلب کرے گی چنانچہ ایک معمولی سی نعمت کے عوض میں انسان کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی مگر نعمت

کا حق ادا نہیں ہو سکے گا، غرضیکہ ایک چھوٹی سی نعمت بھی انسان کے تمام اعمال صالحہ کو ہضم کر جائے گی، وہ شخص تہی دست رہ جائیگا اور گناہوں کا بار ابھی اس کے سر پہ ہوگا

پھر فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ نرمی اختیار کرنا چاہے گا۔ اُس کو کہا جائے گا کہ اے بندے! آج میں نے تیری نیکیوں کو دُگنا کر دیا ہے اور میں نے تیری کوتاہیوں سے درگذر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی شاملِ حال ہوگی تو انسان بچ سکے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ سچے دل سے توبہ کرو۔ سورۃ البقرہ میں ہے اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَبَیَّنُوۡا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوۡبُ عَلَیۡہِمۡ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ (آیت ۱۶۰) جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کر لیں، اور ہدایت کی باتوں کو چھپانے کی بجائے ظاہر کر دیں، پس میں اُن کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان ہوں۔ بہرحال فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمھارا پروردگار تمھاری خطاؤں کو معاف کر دے گا، اور تمھیں اُن بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

نبی اور اہل ایمان کی کامیابی

فرمایا جب محاسبہ کا دن آئے گا یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ اُس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کریگا بلکہ وہ اپنے نبی کی عزت افزائی کرے گا۔ خداوند تعالیٰ نبی علیہ السلام کی سفارش ہر اُس شخص کے حق میں قبول کرے گا۔ جو اس کا مستحق ہوگا، اللہ تعالیٰ کسی مستحق شخص کے لیے سفارش کو نامنظور نہیں کرے گا۔ اور اس طرح اپنے نبی کو رسوائی سے بچالیگا۔

پھر جب پلصراط کے اندھیروں پر سے گذرنے کی منزل آیگی تو فرمایا نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَبِاَیۡمَانِہِمۡ اہلِ ایمان کا نور اُن کے سامنے اور دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔ سامنے اُن کے ایمان کی روشنی ہوگی اور دائیں طرف اعمالِ صالحہ کی روشنی ہوگی جس کے ذریعے وہ اندھیروں کو عبور کر لیں گے۔ یہ روشنی علیٰ قدر الاعمال ہوگی، کسی کی زیادہ اور کسی کی کم۔ پھر جن کی روشنی کم ہوگی۔

يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وہ بارگاہِ رب العزت میں عرض کریں گے
اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہماری روشنی کو مکمل فرما دے، پیچھے سورۃ الحدید
میں گزر چکا ہے کہ منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے اُنۡظُرُوۡنَا
نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُوۡرِكُمۡ ذرا ٹھہر جاؤ، ہم بھی تمہاری روشنی میں تھوڑا چل لیں، مگر
جواب آئیگا قِيۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا (آیت ۱۳) پیچھے جا
کر روشنی تلاش کرو۔ یہاں روشنی کہاں ہے؟ مقصد یہ کہ روشنی حاصل کرنے کا
مقام تو دنیا تھی وہاں تو تم نے نورِ ایمان حاصل نہ کیا۔ اب یہاں تمہیں روشنی میسر
نہیں آسکتی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایمان والے یہ بھی عرض کریں گے وَاغۡفِرۡ لَنَا
پروردگار! ہمیں معاف فرمادے۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ بیشک
تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ بہرحال ایمان والوں کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ
کم روشنی والوں کی روشنی کو بھی زیادہ کر دے گا۔ اور وہ تاریک منزل سے بآسانی
گزر جائیں گے۔

کافروں اور منافقوں سے جہاد

آگے اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا ہے يٰۤاَيُّهَا
النَّبِيُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ اے نبی!
آپ کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کریں، اور ان پر سختی کریں۔ مفسرین کرام
فرماتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ جہاد کا مطلب یہ ہے کہ ان کے خلاف تلوار
کے ذریعے باقاعدہ جنگ کی جائے، فرمایا ان کے خلاف قوت جمع کرو، سامانِ
ضرب و حرب مہیا کرو، اور ان سے ٹکرا جاؤ، البتہ منافقوں کے ساتھ جہاد بالسیف
کی اجازت نہیں ہے۔ ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرو اور ان
کو زبانی طعن و تشنیع کرو۔ اللہ نے سورۃ توبہ میں فرمایا ہے۔ اَنَّهُمۡ يُفۡتَنُوۡنَ
فِيۡ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ (آیت ۱۲۶) کہ سال میں ایک دو واقعات
ضرور پیش آتے ہیں جن سے ان کی منافقت ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ ذلیل و رسوا
ہو کر رہ جاتے ہیں۔ تاہم منافقوں کو قتل کرنے کی اجازت آپ نے نہیں دی۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے کے لیے حضرت عمرؓ اور عبداللہ کے اپنے بیٹے نے اجازت چاہی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تھا۔ فرمایا لوگ کہیں گے اَنَّ مُحَمَّدًا یَقْتُلُ اَصْحَابَہٗ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے، اور یہ چیز اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گی۔ فرمایا حتی الامکان ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں، البتہ زبانی سرزنش کرتے رہیں۔

اس مقام پر امام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں کہ اللہ نے کافروں اور منافقوں کے ساتھ جو سختی کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی تعمیل ہونی چاہیئے اور منافقوں کے ساتھ میل جول اور معاشرت نہیں رکھنی چاہیئے تاکہ دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو جائے۔

جدت پسندی کی منافقت

آج دنیا میں موجود منافق لوگ جدت پسندی کی آڑ میں اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ قبیح رسومات اور عریانی کو جدت پسندی کا نام دے کر اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی رو رعایت نہیں ہونی چاہیئے اور ان کے مشن کو سختی کے ساتھ رد کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ اگر تم فاجر کی برائی کو روک نہیں سکتے تو کم از کم اس کے ساتھ ترش روئی سے تو پیش آؤ۔ اگر فاسد العقیدہ قادیانیوں اور رافضیوں وغیرہ سے میل جول ہو گا تو اس سے اسلام کے راستے میں رخنہ اندازی کا خطرہ ہے کیونکہ ان کے جذبات تم پر بھی مؤثر ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح مغربیت کے دلدادہ اور عریانی اور فحاشی کے شوقین لوگوں سے بھی میل جول اچھا نہیں۔ وہ جدت پسندی کی آڑ میں تمہارے خیالات کو بدلنے کی کوشش کریں گے، لہٰذا ایسے تمام لوگوں کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آؤ۔

فرمایا، اے پیغمبر! آپ جہاد کریں کافروں اور منافقوں کے ساتھ، اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کریں۔ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ ان بدبختوں کا ٹھکانہ آخرکار جہنم ہی ہے۔ یہاں تو کسی نہ کسی طریقے سے بچ سکتے ہیں، لوگوں کو گمراہ بھی کر سکتے ہیں مگر آخرت کی سزا سے نہیں بچ سکیں گے، ان کا مستقل ٹھکانا دوزخ ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ جو لوٹ کر جانے کی بہت ہی بڑی جگہ ہے۔ اعتقادی منافق اور کافر تو ابدی جہنمی ہیں، البتہ عملی منافق بھی اگر توبہ نہیں کریں گے، تو جہنم رسید ہوں گے۔ وہ جب تک سزا نہیں پالیں گے، وہاں سے نہیں نکالے جائیں گے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ⑩

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے ، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا ، نوح علیہ السلام کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی ، جو تھیں دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں ، ان دونوں عورتوں نے خیانت کی ۔ پس نہ کام آئے وہ دونوں اُن عورتوں کے لیے اللہ کے سامنے کچھ بھی ۔ اور کہا گیا کہ چلی جاؤ تم دونوں دوزخ میں ، دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ ⑩

ربطِ آیات

پہلے اللہ نے اپنے نبی کی بیویوں کو ادب سکھایا اور حکم دیا کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے اللہ کے پیغمبر کو تکلیف ہو ۔ پھر تمام اہلِ ایمان سے خطاب کر کے فرمایا کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ ۔ پھر کفر کرنے والوں کو خطاب کیا کہ آج دنیا میں موقع ہے کہ آخرت کی تیاری کر لو ، ورنہ کل قیامت کو کوئی عذر اور بہانا نہیں سنا جائے گا ۔

پھر اللہ نے ایمان والوں کو کامیابی کا اصول بتلایا کہ وہ اللہ کے سامنے صاف دل سے توبہ کر لیں ۔ تاکہ اللہ اُن کی غلطیوں کو معاف کر دے ۔ پھر اہلِ ایمان کا کامیاب انجام اور نبی علیہ السلام کے احترام کا ذکر کیا اور حکم دیا کہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ سختی سے

پیش آئیں۔ کافروں کے خلاف تو قوت استعمال کریں۔ جب کہ منافقوں کی زبانی طور پر سرزنش کریں۔ کیونکہ اللہ نے اُن کو ہلاک کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اب سورۃ کے آخری حصہ میں کافروں اور ایمان والوں کے لیے دو دو عورتوں کی مثالیں بیان کی گئی ہیں اور کامیابی اور ناکامی کا اصول تبلایا گیا ہے۔ آج کی آیت میں دو کافر عورتوں کی مثال بیان کی گئی ہے۔

نوح اور لوط علیہا السلام کی بیویاں

ارشاد ہوتا ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال بیان کی ہے۔ یہ دونوں حضرات اللہ کے صاحب۔ شریعت نبی اور رسول اور اُس کے برگزیدہ بندے تھے۔ اللہ نے دونوں انبیاء کے واقعات قرآن میں بکثرت بیان فرمائے ہیں اور ساتھ ساتھ اُن کی قوموں کی ہلاکت کا ذکر بھی کیا ہے تاکہ آئندہ نسلوں کو عبرت حاصل ہو۔

نوح علیہ السلام کے حالات تو بڑے مشہور ہیں۔ آپ نے لمبی عمر پائی اور ساڑھے نو سو سال تک قوم کو تبلیغ فرمائی۔ مگر اُس نے کچھ اثر قبول نہ کیا۔ اُس قوم کی نافرمانیوں کا ذکر بھی قرآن میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ آپ کے نام پر ایک مستقل سورۃ نوح بھی ہے، جس میں آپ کا اور آپ کی قوم کا مفصل حال بیان کیا گیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی آپ پر ایمان نہیں لائی بلکہ اپنی قوم کے مذہب پر ہی قائم رہی آپ کے چار بیٹوں میں سے تین تو ایمان لے آئے مگر چوتھا نافرمان ہی رہا اور قوم کے ساتھ ہی غرق ہو گیا۔

پسرِ نوح با بداں بہ نشست
خاندانِ نبوتش گم شد

نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بُروں کی مجلس اختیار کی تو خاندانِ نبوت بھی برباد کر گیا اور ان کے ساتھ ہی جہنم واصل ہوا۔

لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ کے ساتھ ہی بابل سے ہجرت کر کے فلسطین کی طرف آئے تھے کہ راستے میں ہی اللہ نے آپ کو شرق اردن جانے کا حکم دیا تاکہ وہاں جا کر اللہ کی توحید اور اس کے دین کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔ اُس زمانے میں یہ بڑا متمدن علاقہ تھا۔ تفسیری روایات کے مطابق بارہ تیرہ لاکھ کی آبادی تھی، مرکزی شہر سدوم تھا اور باقی قصبے اور دیہات تھے، بڑا زرخیز علاقہ تھا، نہریں چلتی تھیں، جن کی وجہ سے بکثرت باغات تھے۔

اُس زمانے میں مومن اور کافر مرد و زن کا نکاح جائز تھا حتیٰ کہ ہماری امت کے ابتدائی دور میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ خود حضور علیہ السلام کی صاحبزادی مشرک کے نکاح میں تھی جو کہ بعد میں اسلام لے آیا۔ مدینہ پہنچ کر جب سورۃ بقرہ نازل ہوئی تو مومن اور کافر کا نکاح ممنوع قرار دے دیا گیا۔ بہرحال جب لوط علیہ السلام پیغمبر شرق اردن کی طرف مبعوث ہوئے تو آپ نے وہیں کی کافرہ عورت سے نکاح کیا۔ جو آخر دم تک کافرہ ہی رہی اور باقی قوم کے ساتھ ہی عذاب کا شکار ہو گئی۔

بیویوں کی خیانت

فرمایا اللہ نے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال بیان کی ہے۔ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ یہ دونوں عورتیں ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں فَخَانَتٰهُمَا پس اُن دونوں عورتوں نے خیانت کی۔ عورت کی خیانت عام طور پر یا مال میں ہوتی ہے یا عصمت میں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ان عورتوں کی خیانت سے مراد نہ مال کی خیانت ہے اور نہ عصمت کی بلکہ اِن کی خیانت یہ ہے کہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں کے نکاح میں آنے کے باوجود انہوں نے ذرّہ بھر دینِ توحید کو قبول نہ کیا بلکہ اپنے خاوندوں کے ساتھ ان کا رویہ منافقوں کا سا رہا۔

عصمت میں خیانت سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے مَا زَنَتِ امْرَاَةُ نَبِيٍّ قَطُّ کسی بھی نبی کی بیوی نے زنا کا ارتکاب کبھی نہیں کیا۔ یہ ایسی بداخلاقی ہے جس کو کافر بھی معیوب سمجھتے ہیں لہٰذا اللہ نے اپنے انبیاء

کو اس عیب سے بچایا ہے۔ یہ خصوصیت صرف حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے
خاندان کو حاصل ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آپ تک پوری نسل کو اللہ نے اس
بیماری سے محفوظ رکھا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ زنا تو ایک معصیت کا کام ہے
مگر کفر اس سے بھی قبیح چیز ہے مگر عام کافر اس کو قبیح نہیں سمجھتے بلکہ بطور عقیدہ اسے
اچھا سمجھتے ہیں اور دوسروں کے عقیدہ کو غلط کہتے ہیں۔

بہر حال ان عورتوں نے اپنے اپنے خاوند کا دین قبول نہ کر کے خیانت کا ارتکاب
کیا۔ مفسرین کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام واعلہ یا واغلہ تھا۔ وہ لوگوں
سے کہا کرتی تھی کہ میرا خاوند پاگل ہو گیا ہے اور یہی اس کی خیانت تھی۔ ادھر لوط علیہ السلام
کی بیوی کا نام وٰھلہ یا والحہ بتایا جاتا ہے۔ وہ خود تو منافقہ ہی رہی مگر اس کی بچیاں مومنہ
تھیں جو عذاب سے بچ گئیں۔ اس عورت کی خیانت یہ تھی کہ جب ان کے گھر میں کوئی
مہمان آتا تو وہ بستی والوں کو آگاہ کر دیتی۔ تاکہ وہ اُسے لوط علیہ السلام کی تبلیغ کے اثرات
سے بچا سکیں۔ اس کے علاوہ قوم میں لواطت کی بیماری تھی۔ وہ ہر نو آمدہ مہمان کو
اپنی ہوس کا نشانہ بناتے تھے۔ اس قوم میں یہ قباحت بھی تھی کہ وہ مہمانوں کو لوٹ
لیتے تھے، اُن کو مارتے پیٹتے اور اُن کی بے عزتی کرتے۔ تو لوط علیہ السلام کی بیوی
مہمانوں کی آمد سے متعلق لوگوں کو مطلع کر دیتی تھی۔ اگر رات کے وقت کوئی مہمان
آتا تو وہ علامت کے طور پر آگ جلا دیتی جس سے لوگوں کو خبر ہو جاتی۔ یا دن کا وقت
ہوتا تو کسی دوسرے طریقے سے مطلع کر دیتی۔ یہ اس کی بہت بڑی خیانت تھی۔

یہاں پر راز کے افشا کو خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گذشتہ آیات میں بھی
گزر چکا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ایک زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا سے راز کی بات کہی مگر وہ
اس راز کو قائم نہ رکھ سکی تو اللہ نے سخت تنبیہ فرمائی۔ لوط علیہ السلام کی بیوی بھی خاوند
کے راز کو افشا کر دیتی تھی ________ اور مہمانوں
کی آمد سے لوگوں کو خبردار کر دیتی تھی۔ جہاں تک عصمت کا تعلق ہے نبی کی بیوی
اس میں خیانت نہیں کر سکتی۔ حضور علیہ السلام کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت

گئی تو اللہ نے دس آیات نازل فرما کر ان کی برأت کا اعلان کر دیا اور تہمت لگانے والوں کو سخت تنبیہ بھی فرمائی۔ بہرحال ان دو برگزیدہ نبیوں کی بیویوں کی خیانت یہی تھی جو میں نے عرض کر دی۔

دونوں عورتوں کا انجام

فرمایا یہ دونوں عورتیں ہمارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں مگر خائن ہونے کی وجہ سے فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا پس نہ بچایا ان دونوں پیغمبروں نے ان دونوں عورتوں کو اللہ کے سامنے کچھ بھی۔ یعنی اللہ کے نبی اپنی بیویوں کو خدا کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ چنانچہ ان دونوں عورتوں سے کہا گیا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ باقی دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں چلی جاؤ۔ آج نوح علیہ السلام یا لوط علیہ السلام کے ساتھ رشتہ نکاح کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ چونکہ تم نے اپنے نبی خاوندوں کا دین قبول نہیں کیا، بلکہ کفر پر اڑی رہیں، آج تمہیں جہنم میں جانا ہوگا۔ اللہ کے نبی نہ سفارش کر سکتے ہیں اور نہ تمہیں بچا سکتے ہیں

خالی نسبت مفید نہیں

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ "اپنا ایمان درست کرو، نہ خاوند بچا سکے جورو کو اور نہ جورو اپنے خاوند کو بچا سکے" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے کسی بڑے آدمی یا بڑے خاندان کی طرف نسبت کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ لوگ اس معاملہ میں بڑا غلو کرتے ہیں اور اپنے خاندان، پیر یا استاد پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بچا لیں گے۔ جب اللہ کے برگزیدہ نبی اپنی بیویوں کے کام نہ آ سکے تو باقی لوگوں کی نسبت اور رشتہ داری کیا کام آئے گی؟ یہ نسبت اسی صورت میں کام آ سکتی ہے جب کہ دل میں ایمان ہو اور انسان کا عقیدہ پاک ہو۔ عزت کا معیار اللہ نے سورۃ الحجرات میں بیان فرما دیا ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ (آیت ۱۳) اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت وہ شخص ہے جس کے پاس ایمان اور تقویٰ ہے۔ جس کے پاس یہ چیزیں نہیں، اس کی کوئی عزت نہیں۔ لہٰذا ہر شخص کو خود اپنی اپنی فکر کرنی چاہیئے کہ کہیں خدا تعالیٰ کی گرفت میں نہ آ جائے، خود حضور علیہ السلام نے تمام لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا

اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ لَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا "لوگو! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچالو۔ یادرکھو! میں اللہ کے سامنے تمہیں کچھ کام نہیں دے سکوں گا۔ اگر ایمان ہوگا۔ تو میری سفارش بھی کام آسکے گی ورنہ نہیں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ:- اور بیان کی اللہ نے ایک مثال اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں، فرعون کی بیوی کی جب کہ کہا اُس نے اے میرے پروردگار! بنا دے میرے لیے اپنے پاس گھر جنت میں اور نجات دے مجھے فرعون سے اور اس کے کام سے۔ اور نجات دے مجھے ظالم قوم سے ﴿۱۱﴾

ربطِ آیات

سُورۃ کے آغاز میں تحریم و تحلیل کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد ازواجِ مطہراتؓ کو تنبیہ کی گئی۔ پھر تمام اہلِ ایمان کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچائیں۔ سورۃ کے آخری حصہ میں اللہ نے دو کافر عورتوں کی مثال بیان فرمائی جو اللہ کے نہایت ہی برگزیدہ بندوں اور نبیوں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے نکاح میں تھیں۔ اِن دونوں عورتوں نے نہ تو دینِ حق کو قبول کیا اور نہ اپنے پیغمبر خاوندوں کی راز داری کو قائم رکھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اُن کو عام جہنمیوں کے ساتھ ہی جہنم میں داخل کیا اور پیغمبروں کے ساتھ اُن کا قریبی رشتہ بھی کسی کام نہ آیا۔ انسان کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ ایمان کی عدم موجودگی میں اس کے لیے کوئی ذریعہ نجات نہیں ہے۔

فرعون کی بیوی کی مثال

اب دو مومن عورتوں میں سے ایک مثال حضرت آسیہؓ بنت مزاحم کی بیان کی ہے۔ جو ایمان دار اور پاکدامنہ تھیں مگر فرعون جیسے جابر اور مستبد آدمی

کے گھر میں تھیں۔ فرعون مصر جیسی متمدن سلطنت کا مالک تھا، لاؤ لشکر، فوج اور خزانہ کا مالک تھا، مگر نہایت ہی سرکش اور باغی انسان تھا۔ اللہ نے اس کی طرف حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ فرعون اور ان دونوں پیغمبروں کا ذکر قرآن میں چھیالیس مرتبہ سے زیادہ آیا ہے۔ اُس نے اللہ کے ان پیغمبروں کی پیش کردہ نشانیاں دیکھنے کے باوجود اُن کو تسلیم نہ کیا، بلکہ اللہ کے دین کی شدید مخالفت کی اور پیغمبروں کو سخت تکالیف پہنچائیں۔ فرعون کی بیوی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نشانیاں دیکھ کر ہی ایمان لائی اور پھر اس جابرانہ ماحول میں آخر دم تک مستقیم رہی حتیٰ کہ اُسے نہایت ہی ظلم و تشدد کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا گیا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اہلِ ایمان کے لیے اللہ نے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ فرعون بڑا ظالم اور خود ساختہ خدا تھا۔ مگر اُس کی بیوی آسیہؓ پکی ایمان دار، ولیہ کاملہ اور صدیقہ تھیں۔ جب فرعون کو پتہ چلا کہ اس کی اپنی بیوی بھی اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھتی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کرتی ہے۔ تو وہ سخت تلملایا اور حضرت آسیہؓ پر سخت مظالم ڈھانے شروع کر دیے حتیٰ کہ اللہ کی اُس مومنہ بندی کو جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ مگر اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آیا۔ اللہ نے اس مومنہ عورت کو تمام اہلِ ایمان کے لیے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔

حضرت آسیہؓ کے حالات

حضرت آسیہؓ وہی عورت ہے جو فرعون کی بیوی تھی اور جس نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔ البتہ موجودہ بائیبل کا بیان یہ ہے کہ آپ کی پرورش فرعون کی بیٹی نے کی تھی۔ مفسر حقانی فرماتے ہیں کہ فرعون کی بیوی کی طرف سے پرورش کا ذکر تو قرآن میں موجود ہے۔ جب اُس نے فرعون سے کہا، یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (القصص۔ ۹) اس کو قتل نہ کرو، اُمید ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں گے۔ حضرت آسیہؓ سابقہ فرعون کی بیٹی تھیں لہٰذا اس

لحاظ سے بائبل کا بیان درست تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ سابقہ فرعون کی بیٹی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی مگر عورت ایک ہی ہے یعنی حضرت آسیہؓ۔ کہتے ہیں کہ حضرت آسیہؓ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پیش کردہ معجزات کو دیکھ کر ایمان لے آئیں اور پھر آخر دم تک اُسی پر قائم رہیں۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام ــــــ کے مقابلہ کے لیے ملک بھر کے جادوگر جمع کیے۔ مگر انہوں نے معجزات دیکھ کر اپنی شکست تسلیم کر لی اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مردوں میں سے تو بہت سے صاحب کمال لوگ ہوئے لیکن عورتیں کم ہی کمال درجے تک پہنچی ہیں۔ تمام کے تمام انبیاء اور رسل مرد ہی تھے اور یہ منصب اللہ نے کسی عورت کو عطا نہیں کیا۔ اسی طرح بے شمار اولیاء اللہ بھی ہوئے ہیں۔ تاہم کامل درجے کی عورتوں میں جن کا ذکر آتا ہے وہ حضرت مریمؑ بنت عمران، حضرت آسیہ زوجہ فرعون، ام المومنین حضرت خدیجہؓ، حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق فرمایا کہ ان کی فضیلت باقی عورتوں کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے ثرید کھانے کو دیگر کھانوں پر برتری حاصل ہے۔

حضرت آسیہؓ کے علاوہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی عورت اور اس کا سارا خاندان بھی ایماندار تھا، معراج والی حدیث میں آتا ہے کہ وہ عورت فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی اُس نے بسم اللہ کہہ کر کنگھی اٹھائی تو فرعون کی بیٹی نے پوچھا کہ یہ تو نے کس اللہ کا نام لیا ہے؟ عورت کہنے لگی کہ میں نے اُس اللہ کا نام لیا ہے جو میرا تیرا اور تیرے باپ کا بھی پروردگار ہے۔ جب بیٹی نے یہ واقعہ فرعون کے سامنے بیان کیا تو وہ بگڑ گیا اور سارے خاندان کے لیے موت کا حکم دے دیا۔ کہتے ہیں تانبے کا ایک بہت بڑا گھوڑے کا مجسمہ تھا۔ جس کے پیٹ میں سارے خاندان کو ڈال کر جلا دیا گیا۔ اسی واقعہ میں ایک کم سن بچے کا بچپن میں کلام کرنے کا ذکر بھی آتا ہے

فرعون کے مظالم

فرعون کے مظالم سے متعلق مفسرین کرام یہ واقعہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس نے محض اس وجہ سے اپنے ایک خادم کے دو بیٹوں کو اُن کی ماں کی آنکھوں کے سامنے ذبح کروا دیا تھا کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے۔ فرعون کے بنی اسرائیل پر مظالم سورۃ الاعراف، سورۃ ہود اور سورۃ یونس میں بھی مذکور ہے۔ امام ابو یعلیٰؒ اور امام بیہقیؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ فرعون بعض لوگوں کو سزائے موت دینے کے لیے اُن کو لکڑی کے تختے پر لٹا کر اُن کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں کیل ٹھونک دیتا تھا۔ اس بات کا تذکرہ سورۃ الفجر میں بھی موجود ہے۔ اللہ نے جابر اقوام کے تذکرہ میں فرمایا وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ (آیت ۱۰) اور فرعون جو میخوں والا تھا۔ مفسرین کرام ذی الاوتاد کے دو معنی کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ فرعون کے خیموں کے کیل سونے کے تھے اور دوسرا یہ کہ وہ سزا کے طور پر لوگوں کو اُن کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑھ کر اُن کو سولی پر لٹکا دیتا تھا۔ پھر جب لوگ یہ قبیح نظارہ دیکھ کر چلے جاتے تو فرشتے اُس مظلوم کی لاش پر سایہ کر دیتے۔

حضرت آسیہؓ کی دعا

فرعون حسب معمول ایمان لانے کی وجہ سے حضرت آسیہؓ کو بھی سخت مظالم کا نشانہ بناتا تھا مگر وہ کسی طرح ایمان کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوئی۔ بالآخر اُس ظالم نے حضرت آسیہؓ کو لٹا کر اُن کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑھ دیں اور اُن کو دھوپ میں ڈال کر اُن کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا۔ اِن حالات میں حضرت آسیہؓ نے بارگاہِ رب العزت میں یہ دعا کی اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ اے میرے پروردگار! میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنائیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے اُن کی یہ دعا فوراً قبول فرمائی اور تمام پردوں کو کھول کر جنت میں اُن کا گھر دکھا دیا۔ حاکم نے کہا کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ہر اہل ایمان کی بھی یہی خواہش

ہوتی ہے کہ اُس کو جنت میں گھر نصیب ہو جائے۔

حضرت آسیہؓ کی دُعا کا دوسرا حصہ یہ تھا وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ پروردگار! مجھے فرعون اور اُس کے کام سے نجات دے۔ فرعون کے کاموں سے مراد اُس کے وہی ظلم و ستم کے کام ہیں جو وہ بے گناہ لوگوں پر آزماتا تھا۔ اسی لیے حضرت آسیہؓ نے فرعون کے ظالمانہ کام سے بھی نجات طلب کی۔ اہلِ ایمان کو برائی کے کاموں سے ہمیشہ نفرت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی قوم کے فعلِ بد کے متعلق کہا تھا۔ قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ (آیت - ۱۶۸ سورۃ الشعراء) میں تمہارے اس خلافِ فطرت کام سے نفرت کرتا ہوں۔ بہرحال حضرت آسیہؓ نے فرعون کے مظالم سے تنگ آکر یہ دُعا کی کہ پروردگار! میرا گھر جنت میں بنا دے، مجھے فرعون سے بچا اور اُس کے کام سے بچا اور پھر چوتھی دُعا یہ کی۔ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ پروردگار! مجھے اس ظالم قوم سے بھی نجات دے جو فرعون کے مظالم میں شریک ہے، اس دُعا کے ساتھ ہی حضرت آسیہؓ کی روح اُن کے جسم سے پرواز کر گئی مگر انہوں نے اپنے ایمان پر آنچ نہ آنے دی۔

حضرت آسیہؓ وفادار، حیادار اور فرعون کی خاندانی بیوی تھی مگر فرعون کا کوئی حواری اُس کو ظلم و ستم سے منع نہیں کرتا تھا، بلکہ ایسے کاموں میں وہ فرعون کے معاون بن جاتے تھے، وہ ہمیشہ فرعون کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے اور اُس کے ظلم کی تصدیق کرتے تھے۔ اس لیے حضرت آسیہؓ نے اس ساری قوم کو ظالم قرار دیا اور اُن کے ظلم سے نجات کی درخواست کی۔ پھر جب فرعون اور اس کے حواری ظلم سے باز نہ آئے تو اللہ نے اِن تمام سرکشوں کو دنیا میں ہی سزا دی اور سب کو پانی میں غرق کر دیا۔

ایمان کی حفاظت

یہ مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام اہلِ ایمان کو اپنے ایمان کی اسی طرح حفاظت کرنی چاہیئے، جس طرح فرعون کی بیوی نے اپنے ایمان کی حفاظت کی۔ دنیا میں بہت سی مسلمان عورتیں حوادثات کے نتیجے میں کافروں کے قبضہ میں

چلی جاتی ہیں۔ اگر ایمان کی روشنی موجود ہو تو وہ اپنے ایمان کی حفاظت کر لیتی ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تقسیم ہند کے وقت ہندوؤں نے بڑے بڑے مظالم کیے حتی کہ بے شمار مسلمان عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے قبضہ میں چلی گئیں اور پھر ان میں سے لاتعداد ایسی تھیں جو اپنے ایمان اور عصمت کی حفاظت کے لیے اپنی جان پر کھیل گئیں۔ حضرت آسیہؓ کی مثال کا یہی مطلب ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات میں اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ اس میں دوسری بات یہ ہے کہ یہ پاکباز عورت اپنے کافر خاوند کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔ جیسا کہ حضرت نوح اور لوط علیہما السلام اپنی کافرہ بیویوں کو نہیں بچا سکیں گے، بہر حال اگر جسمانی تکالیف برداشت کر کے ابدی راحت نصیب ہو جائے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

وَمَرۡيَمَ ابۡنَتَ عِمۡرٰنَ الَّتِيۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا وَصَدَّقَتۡ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِيۡنَ ﴿۱۲﴾ ع

ع ۵ ۲۰

ترجمہ :- اور (اللہ نے مثال بیان کی ہے ایمان والوں کے لیے) مریم بنت عمران کی جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی، پھر پھونکی ہم نے اس میں اپنی طرف سے ایک روح اور (مریمؑ نے) سچا جانا اپنے رب کے کلمات کو اور اس کی کتابوں کو۔ اور تھی وہ بہت عبادت کرنے والوں میں سے ﴿۱۲﴾

ربط آیات

سورۃ کے آخر میں اللہ نے کافروں اور مومنوں کے لیے دو دو عورتوں کی مثالیں بیان کی ہیں۔ گذشتہ سے پیوستہ درس میں کفار کے لیے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال تھی۔ یہ دونوں عورتیں اللہ کے دو جلیل القدر پیغمبروں کے نکاح میں تھیں مگر ایمان سے خالی تھیں جس کی وجہ سے وہ کفار کے ساتھ ہی جہنم رسید ہوئیں اور اللہ کے پیغمبر ان کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ پھر گذشتہ درس میں فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ کی مثال اللہ نے اہلِ ایمان کے لیے بیان فرمائی کہ دیکھو وہ ایسے جابر بادشاہ کے گھر میں تھی جس نے لاکھوں بچے محض اس لیے قتل کروا دیے کہ کہیں اللہ کا وہ نبی نہ پیدا ہو جائے جو توحید کا پرچم لے کر اُٹھے اور میری سلطنت کو نیست و نابود کر دے۔ ایسے سنگین حالات میں حضرت آسیہؓ کا ایمان لانا اور پھر اس کی آخر دم تک حفاظت کرنا، بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس سے تمام اہلِ ایمان کو سمجھانا مقصود ہے کہ ان کے ایمان میں کسی حالت میں لغزش نہیں آنی چاہیے، خواہ کتنی ہی مشکلات

سجدہ کرنی پڑیں یا جان سے ہاتھ دھونا پڑیں۔

حضرت مریمؑ کے حالات

اب اس آخری آیت میں ایک اور مومنہ عورت حضرت مریمؑ کی مثال بیان کی گئی ہے۔ آپ کے والد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کے ہمنام یعنی عمران تھے یہ دونوں عمران اللہ کے پیغمبر تو نہیں تھے، مگر نہایت نیک، عبادت گزار اور اللہ کے ولی تھے، حضرت مریمؑ کے والد عمران تو نماز کے لیے پیش امام تھے حضرت مریمؑ کی پیدائش کا حال اللہ نے مختلف سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ ان کی پرورش اور کرامات کا ذکر بھی آیا ہے اور پھر جب آپ جوان ہوئیں تو اللہ نے آپ کو بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام جیسا عظیم الشان فرزند عطا کیا جو اللہ کے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب کتاب رسول ہوئے۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور ماں کے محض مٹی سے پیدا کیا جب کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بغیر باپ کے واسطہ کے ہوئی۔ حضرت مریمؑ کے نام پر قرآن میں ایک مستقل سورۃ مریم بھی ہے، اور آپ کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر سورۃ آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ المائدہ، سورۃ المومنون میں بھی ہے اور یہاں اس سورۃ میں بھی آگیا ہے۔

بہرحال یہ دو قسم کی مثالیں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض اوقات اچھی سے اچھی صحبت بھی کسی شخص کے لیے کارآمد نہیں ہوتی، اور بعض اوقات بدترین ماحول میں رہ کر بھی انسان کمال حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام سے بڑھ کر اچھی صحبت کون سی ہو سکتی ہے۔ مگر ان کی بیویوں پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ ایمان سے محروم رہ کر جہنم میں گئیں۔ ادھر فرعون جیسے جابر حکمران کی بیوی آسیہؑ بدترین ماحول میں رہ کر بھی ایمان پر قائم رہی۔

ناموس کی حفاظت

ارشاد ہوتا ہے وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ اللہ نے اہل ایمان کے لیے مریمؑ بنت عمران کی مثال بیان فرمائی ہے۔ وہی مریمؑ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا پھر ہم نے اس میں اپنی طرف سے ایک روح پھونک دی۔ یہاں پر توجہ طلب

بات یہ ہے کہ فیہ کا مرجع کیا ہے؟ اس مقام پر تو یہ مذکر کا صیغہ ہے جب کہ سورۃ الانبیاء میں مؤنث کا صیغہ آیا ہے۔ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (آیت - ۹۱) فِیْهِ اور فِیْهَا دونوں کے پیچھے فَرْجَهَا کا لفظ آیا ہے جو ان کا مرجع ہے۔ فرج کا معنیٰ مقامِ شہوت بھی ہوتا ہے اور گریبان بھی، اور یہ لفظ خوف وخطرے کے مقام پر بھی بولا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے فِیْهِ اور فِیْهَا دونوں کا یہی معنیٰ زیادہ موزوں ہے کہ ہم نے حضرت مریمؑ کے فرج یعنی گریبان میں ایک روح پھونکی۔ شاعر کہتا ہے۔

فَغَدَتْ كِلَا الْفَرْجَيْنِ تَحْسَبُ اَنَّهٗ
مَوْلَى الْمَخَافَةِ خَلْفُهَا وَاَمَامُهَا

عربی محاورے میں کہتے ہیں کہ فلاں عورت یا فلاں مرد بڑی پاکدامنہ یا بڑا پاکدامن ہے۔ صاحب روح المعانی مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ فلاں عورت نَقِیُّ الْجَیْبِ یعنی پاک گریبان والی ہے، باعصمت ہے۔ اس کے لیے طاہر الذیل یا عفیف النفس کا استعمال بھی آتا ہے۔

فیہ کا مرجع شخص بھی ہو سکتا ہے، جیسے سورۃ مریم میں ہے فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا (آیت - ۱۷) ہم نے حضرت مریمؑ کی طرف اپنے روح یعنی جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا جو کمال درجے کی حسین وجمیل شکل میں متشکل ہو کر آیا۔ آپ پریشان ہو گئیں اور اللہ کی پناہ چاہی تو جبرائیل علیہ السلام نے تسلی دیتے ہوئے کہا اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا (مریم - ۱۹) میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تجھے کمال درجے کا ایک فرزند عطا فرمانے والا ہے اور پھر فرشتے نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری جس کو فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال مراد یہی ہے کہ حضرت مریمؑ نے ہر طریقے سے اپنے ناموس کی حفاظت کی، نہ تو انہوں نے نکاح کیا، اور نہ بدکاری کے ذریعے اپنے

ناموس پہ آنچ آنے دی۔ تو اللہ نے فرشتے کے ذریعے آپ کے گریبان میں ایک روح پھونک دی۔

عصمت اور ناموس کی حفاظت کمال درجے کی صفت ہے اور حضرت مریمؑ اس سے پوری طرح متصف تھیں۔ اگرچہ مرد کے ناموس کی حفاظت بھی ضروری ہے تاہم عورت کے لیے یہ بطریق اولیٰ ضروری ہے کیونکہ کسی ممکنہ خرابی کی صورت میں عورت کے لیے یہ زیادہ قبیح فعل ہوتا ہے۔ اللہ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے بارے میں فرمایا فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ (القصص - ۲۵) اُن میں سے ایک نہایت حیاداری کے ساتھ چلتی ہوئی، موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔

عورت کی خلافِ فطرت آزادی بڑی خطرناک چیز ہے۔ آج پوری دنیا حفاظت ناموس کے عمل سے خالی نظر آتی ہے اور خود مسلمان بھی اسی عالمی تمدن سے متاثر ہو چکے ہیں، حفاظتِ ناموس کے لیے بڑے کنٹرول کی ضرورت ہے جس کے لیے ہر دو اصناف کا اپنے اپنے دائرہ کار میں رہنا لازمی ہے۔ اگر مردوں اور عورتوں کا باہمی اختلاط جاری رہا تو حیا اور عصمت جیسی چیز ختم ہو جائے گی۔ یورپ اس بیماری کا اولین مریض ہے جس کے بارے میں گذشتہ صدی کے بڑے بڑے فلاسفر شکوہ کرتے آئے ہیں کہ ہمارے تمدن نے ہمیں غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔ بہر حال اللہ نے حضرت مریمؑ کے بارے میں فرمایا کہ اُس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی اور ہم نے اُس میں اپنی طرف سے ایک روح پھونک دی۔

حضرت ابیؓ کی روایت

سورۃ آل عمران میں اللہ نے میثاق النبیین کا ذکر کیا ہے۔ اللہ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء کی روحوں کو اکٹھا فرمایا اور پھر اُن سے عہد لیا کہ جب میری کتاب اور حکمت تمہارے پاس آجائے اور پھر تمہارے پاس وہ رسول بھی آجائے جو اُس چیز کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آیت - ۸۱) تو اُس پر ایمان لانا اور اُس کی مدد کرنا۔ حضرت ابیؓ بیان کرتے ہیں کہ جب

حضور علیہ السلام نے اس عہد کے لیے روحوں کے اجتماع کا ذکر کیا تو فرمایا کہ انبیاء کی روحوں کے نورانی چہروں میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی روح بھی تھی اور پھر اسی روح کو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونکا تھا۔ یہاں پر فَنَفَخْنَا میں پھونک مارنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔ کیونکہ مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، اور فرشتے نے اللہ ہی کے حکم سے پھونک ماری تھی، بہرحال کہیں اللہ نے فرشتے کا ذکر کیا ہے اور کہیں پھونک کو اپنی طرف منسوب کیا ہے: تاہم روح سے وہی روح عیسٰی علیہ السلام مراد ہے جس سے عالمِ ارواح میں ملاقات ہو چکی تھی۔

اصلاح کے پانچ درجات

طبقاتِ صوفیا والے امام محمد ابن علی ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ اصلاح کے پانچ درجات ہیں جو کہ حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) بچوں کی اصلاح مکتب میں ہوتی ہے۔ چونکہ مکتب سے باہر اصلاح ممکن نہیں اس لیے ہمارے اکثر والدین بچوں کی تعلیم و تربیت سے لاپرواہی اختیار کرتے ہیں جس کی وجہ سے بچے آوارہ پھرتے ہیں، کھیل کود، پتنگ بازی اور پھر نشہ کا شکار ہو جاتے ہیں، ابڑی عجیب بات ہے کہ ہیروئن وغیرہ تیار کرنے کے لیے مشینری امریکہ نے مہیا کی ہے، اور اب جب کہ یہ پوری دنیا میں پھیل چکی ہے اور انسانیت اس سے تباہ ہونے لگی ہے تو اب خود ہی انسدادِ نشہ کا سرغنہ بن بیٹھا ہے۔ اب خود پراپیگنڈا کر رہا ہے کہ دُنیا میں یہ لعنت ختم ہونی چاہیئے۔ یہ منافقت ہے جو ہمیشہ بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ بہرحال امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بچوں کی ابتدائی زندگی سکول، کالج اور مدرسہ میں گزرنی چاہیئے تاکہ وہ کچھ پڑھ لکھ لیں اور اُن کی اصلاح ہو سکے۔

(۲) ڈاکوؤں کی اصلاح جیل میں ہوتی ہے۔

(۳) عورتوں کی اصلاح گھر میں ہوتی ہے۔ جونہی یہ باہر جائینگی فساد پیدا ہوگا۔

(۴) نوجوانوں کی اصلاح علم سے ہوتی ہے۔ اور

(۵) بوڑھوں کی اصلاح مسجدوں میں ہوتی ہے تاکہ اللہ اللہ کریں اور فساد سے بچے رہیں۔

کلمات اور کتب کی تصدیق

اللہ نے حضرت مریمؑ کی تعریف فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ اور ساتھ وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ اور اپنے پروردگار کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی۔ انجیل تو حضرت مریمؑ کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جب کہ قرآن پاک آخری زمانہ میں حضور خاتم النبیین پر نازل ہوا، تاہم اس سے پہلے تورات، زبور اور بہت سے صحیفے نازل ہو چکے تھے۔ حضرت مریمؑ نے انہی کتب و صحائف کی سچائی کی تصدیق کی اور ان میں مندرجہ باتوں کو بھی سچ جانا۔

حضرت مریمؑ کی اطاعت شعاری

وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ اور وہ بہت ہی عبادت کرنے والوں میں سے تھیں، قنوت کا معنیٰ اطاعت اور قانت کا معنیٰ ہمہ تن اطاعت شعار ہوتا ہے۔ یہاں پر قانت کی جمع قانتین لایا گیا ہے جو کہ مردوں کے لیے آتی ہے۔ جب کہ عورتوں کے لیے قانتات کا لفظ استعمال ہوتا ہے، چونکہ مردوں میں عورتوں کی نسبت زیادہ اطاعت گزار ہوتے ہیں، اس لیے یہاں مِنَ الْقٰنِتِيْنَ فرمایا کہ وہ مردوں میں سب سے زیادہ اطاعت گزاروں میں سے تھیں۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مردوں میں سے تو بہت سے کامل آدمی ہوئے ہیں، البتہ عورتوں میں بھی بعض بڑی فضیلت والی عورتیں ہوئی ہیں۔ ان میں سے مریمؑ بنت عمران آسیہؑ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی) خدیجہؓ بنت خویلد (حضور علیہ السلام کی زوجہ محترمہ) اور فاطمہؓ بنت محمد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نیز فرمایا کہ حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ کی فضیلت تو دوسری عورتوں کے مقابلے میں ایسی ہے۔ جیسے ثرید کھانے کو دوسرے کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ روٹی کے ٹکڑے گوشت کے شوربے میں بھگو دیے جائیں تو وہ نہایت لذیذ کھانا بن جاتا ہے، جس کو ثرید کہتے ہیں۔

حضرت مریمؑ کی فضیلت کے متعلق اللہ نے سورۃ المائدہ میں جہاں مسیح علیہ السلام کی رسالت کا تذکرہ کیا ہے وہاں فرمایا ہے وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ

(آیت - ۷۵) کہ آپ کی والدہ حضرت مریمؑ صدیقہ تھیں۔ صدیقیت کا درجہ نبوت کے بعد دوسرے نمبر پر آتا ہے جو اللہ نے حضرت مریمؑ کو عطا فرمایا یہ ان کی تعریف بھی ہو گئی۔

یہ مثال اللہ نے عام ایمانداروں کے لیے بیان فرمائی ہے تاکہ لوگ اس کو ہمیشہ نظر رکھیں کہ حضرت مریمؑ کس قدر اللہ کی اطاعت شعار تھیں اور اپنے ناموس کی محافظ تھیں۔ اللہ کی باتوں اور کتابوں کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ ان اوصاف کے حاملین کو انشاء اللہ ضرور فلاح نصیب ہو گی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

خُطباتِ شیخ الاسلام

از: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب ومقدمہ: حضرۃ مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہ خطبات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اپنے موضوعِ احوال وسیاست کے اعتبار سے اور علماءِ حق کی فیصلہ کن جدوجہد کے اعتبار سے بھی ان خطبات کی بڑی اہمیت ہے افسوس کہ ابتک یہ یکجا نہیں تھے جمعیۃ علماء ہند کی کارگزاریوں کے مدنظر بعض محترم ہستیوں نے ان میں سے بعض خطبات کو اکٹھا کیا ہے لیکن تمام خطبات اس طرح اکٹھے نہیں ہوئے جس طرح ہونے چاہئیں تھے۔ احقر کی بڑی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرے اکابر کے خطبات یکجا مل جاتے ہیں حضرت مدنیؒ کے یہ اہم ترین خطبات بھی اگر ایک جگہ جمع ہوتے تو اچھا تھا۔ ان سے بھی عام لوگ استفادہ کرتے ایک دفعہ احقر نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ اگر آپ یہ کام کرادیں تو اچھا ہوگا لیکن شاید کہ صاحبزادہ صاحب مدظلہ کی توجہ اس طرف مبذول نہ ہوسکی۔ بالآخر بعض احباب کے اصرار پر احقر کو ہی یہ کام کرنا پڑا۔ بعض احباب نے حضرت مدنیؒ کے جتنے خطبات دستیاب ہوسکے لاکر دیئے اور کچھ خطبات احقر کے پاس بھی تھے وہ کتابت کے لیے دے دیئے۔ سردست یہ گیارہ خطبات میسر ہوسکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) خطبہ سیوہارہ، (۲) خطبہ زنگپور بنگال، (۳) خطبہ دہلی، (۴) کوکناڈا، (۵) علی گڑھ، (۶) جونپور، (۷) لاہور، (۸) سہارنپور، (۹) بمبئی، (۱۰) حیدرآباد دکن، (۱۱) سورت۔ (ماخوذ مقدمہ خطبات)

سائز ۲۳×۳۶/۱۶، ضخامت ۵۰۰ صفحات، کاغذ اعلیٰ، جلد مضبوط، قیمت/۸۰ روپے

ناشر: ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ملنے کا پتہ: ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی مطبوعات

نام کتاب	نام مصنف	قیمت
تشریحات سواتی الی ایساغوجی	مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی	۱۸٫۰۰
مباحث کتاب الایمان مع مقدمہ مسلم شریف	" " " " " " " "	۲۱٫۰۰
سعدیات (فارسی)	" " " " " " " "	۱۲٫۰۰
نماز مسنون خورد	" " " " " " " "	۷٫۵۰
مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے علوم و افکار	" " " " " " " "	۵۱٫۰۰
مقالات سواتی (حصہ اول)	" " " " " " " "	۹۰٫۰۰
مختصر ترین نور جامع اذکار	" " " " " " " "	۳٫۰۰
فیوضات حسینی المعروف تحفہ ابراہیمیہ	مولانا حسین علیؒ واں بھچراں	۵۱٫۰۰
دلیل المشرکین مع ترجمہ اصلاح المومنین	مولانا احمد دین گکھویؒ	۶۰٫۰۰
فقہ اکبر مع ترجمہ البیان الازہر	حضرت امام ابوحنیفہؒ	۵٫۰۰
عقیدۃ الطحاوی و عقیدۃ الحسنہ	امام ابو جعفر طحاویؒ	۹٫۰۰
صرف ولی اللہی	حضرت امام شاہ ولی اللہؒ	۳٫۰۰
الطاف القدس مع ترجمہ اردو	" " " " " " " "	۴۵٫۰۰
حجۃ الاسلام (عربی)	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	۹٫۰۰
اجوبہ اربعین (رد روافض)	" " " " " " " "	۹۰٫۰۰
مبادی تاریخ الفلسفہ (عربی)	مولانا ابوالکلام آزادؒ	۴٫۰۰
تکمیل الاذہان (عربی)	حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ	۴۵٫۰۰
اسرار المحبہ (عربی)	" " " " " " " "	۴۵٫۰۰
دمغ الباطل	" " " " " " " "	۲۵۰٫۰۰
تفسیر آیت نور مع اردو ترجمہ	" " " " " " " "	۳۹٫۰۰
مجموعہ رسائل جلد اول	" " " " " " " "	۳۵٫۰۰
مجموعہ رسائل جلد دوم	" " " " " " " "	۵۱٫۰۰
میزان البلاغہ	حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ	۶٫۰۰
خطبات شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ	حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ	۸۰٫۰۰
احکام رمضان	حضرت مولانا محمد فیاض خان سواتی	۷٫۵۰
حی علی الفلاح	" " " " " " " "	۱۵٫۰۰
ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ثبوت	" " " " " " " "	۴٫۵۰
احکام حج مع زیارات مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ	" " " " " " " "	۱۸٫۰۰
احکام عمرہ مع زیارات مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ	" " " " " " " "	۱۵٫۰۰
احکام قربانی	" " " " " " " "	۴٫۵۰
نور و بشر	" " " " " " " "	۲۱٫۰۰
نام نہاد اہل حدیث کی گولیوں کے جواب میں	" " " " " " " "	۴٫۵۰

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ